تاج الاولیاء

در حالاتِ حضور تاج الاولیاء تاج الملّتِ والدّین

شہنشاہِ ہفت اقلیم سیّد محمد بابا تاج الدین

حسنی و حسینی ناگپوری قدس اللہ سرہٗ العزیز

ذہین شاہ تاجی

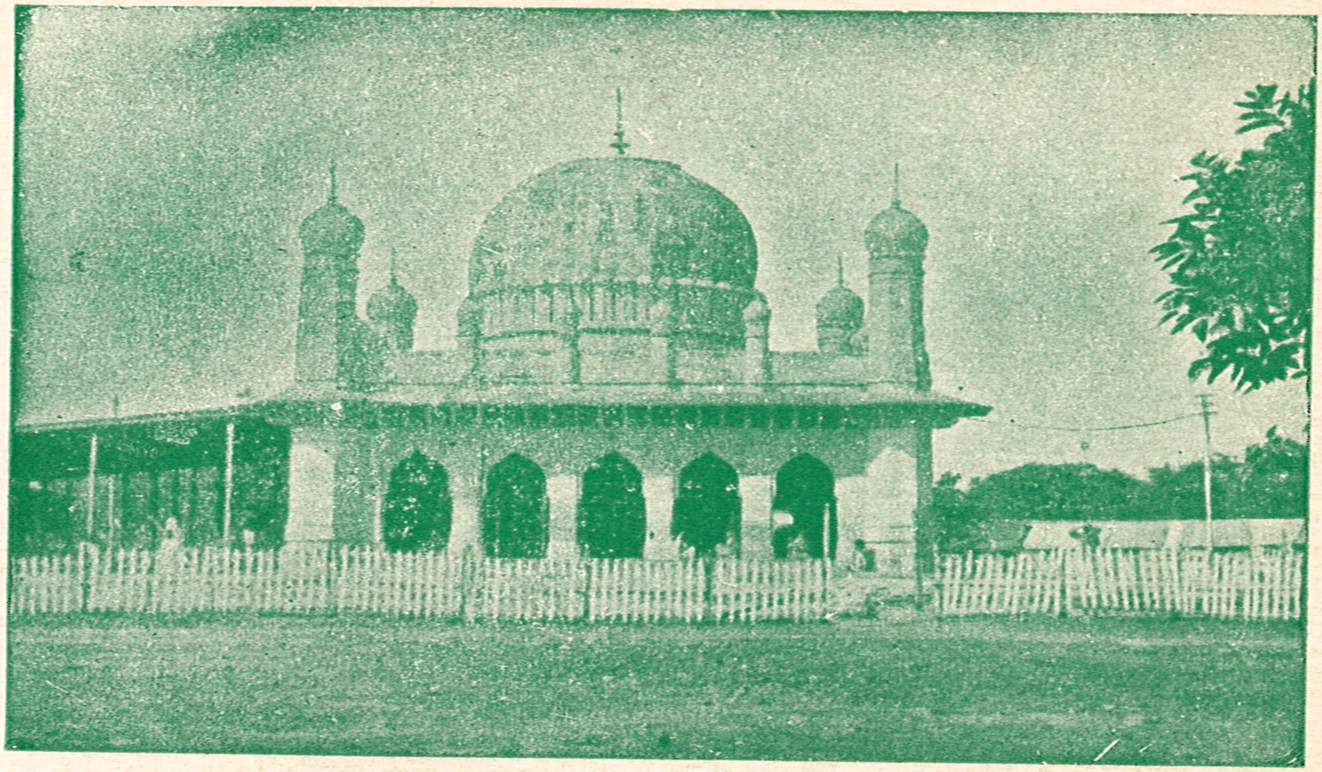

روضہ مبارک - تاج آباد شریف ناگپور

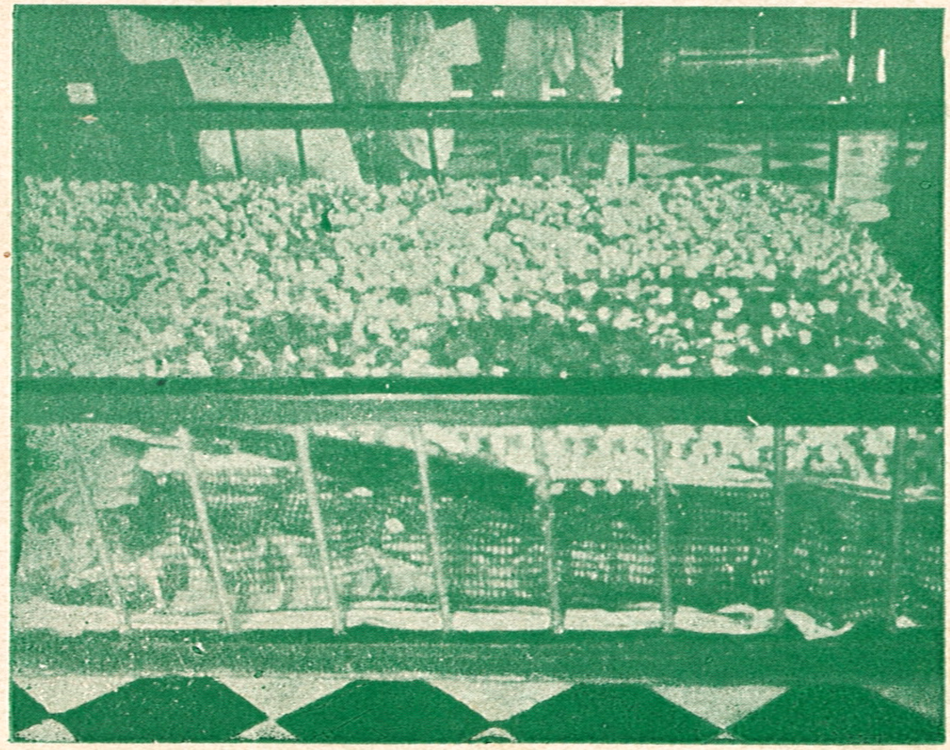

آرام گاہ اقدس آو

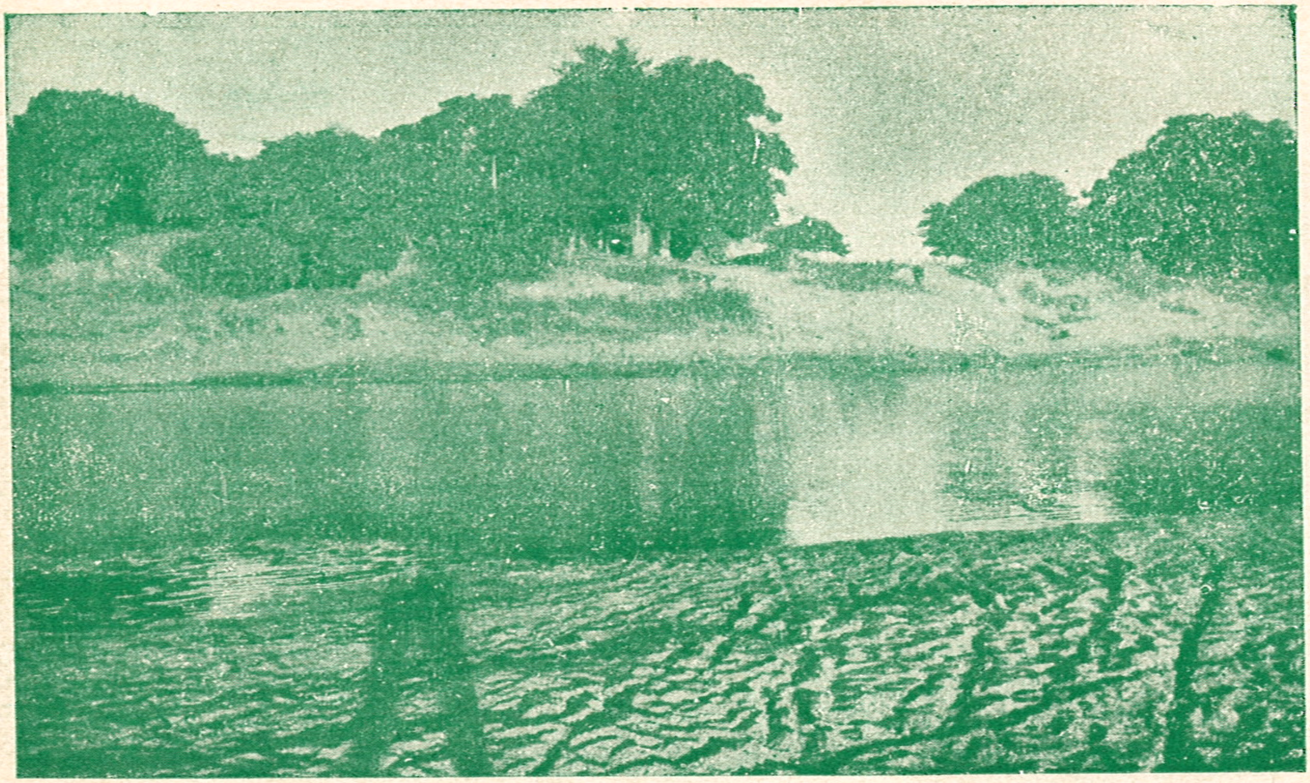

دربار واکی شریف

کاسئی شریف ندی پار (مزار مریم اماں رح صاحبہ)

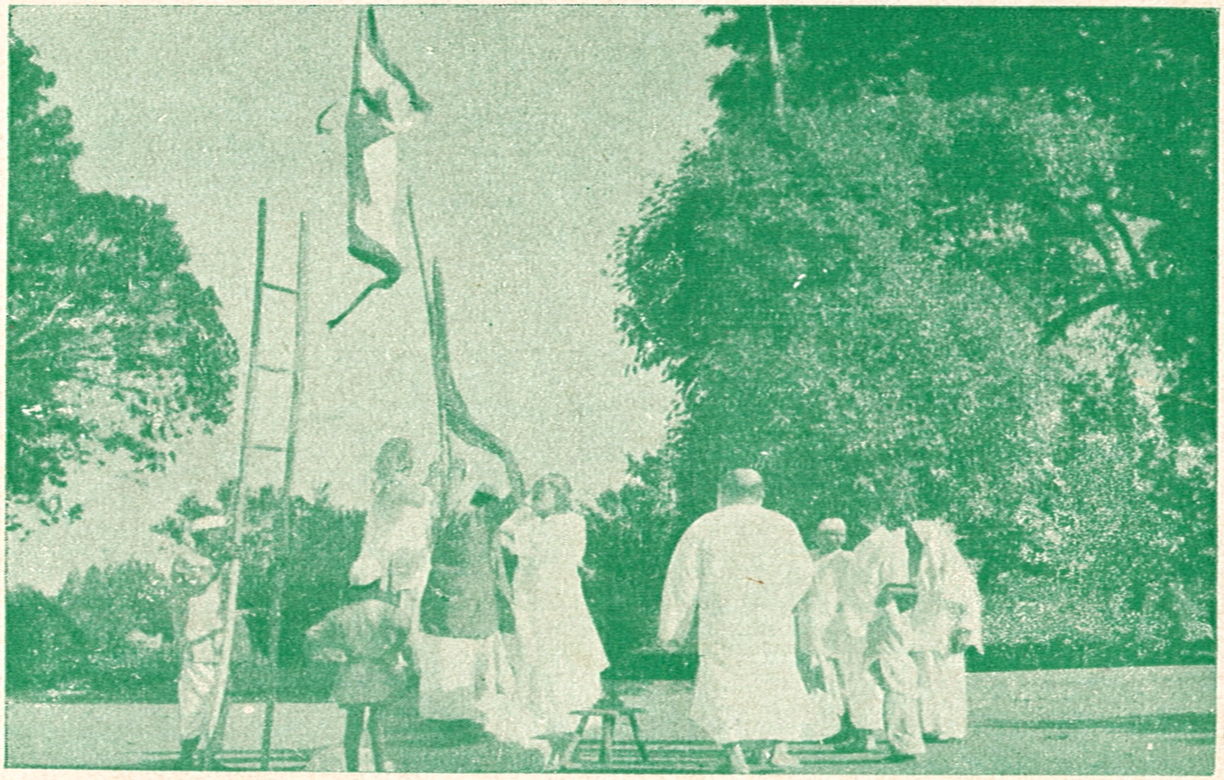

ذہین شاہ تاجی مع رفقاء چلہ واکی شریف پر پرچم کشائی کر رہے ہیں

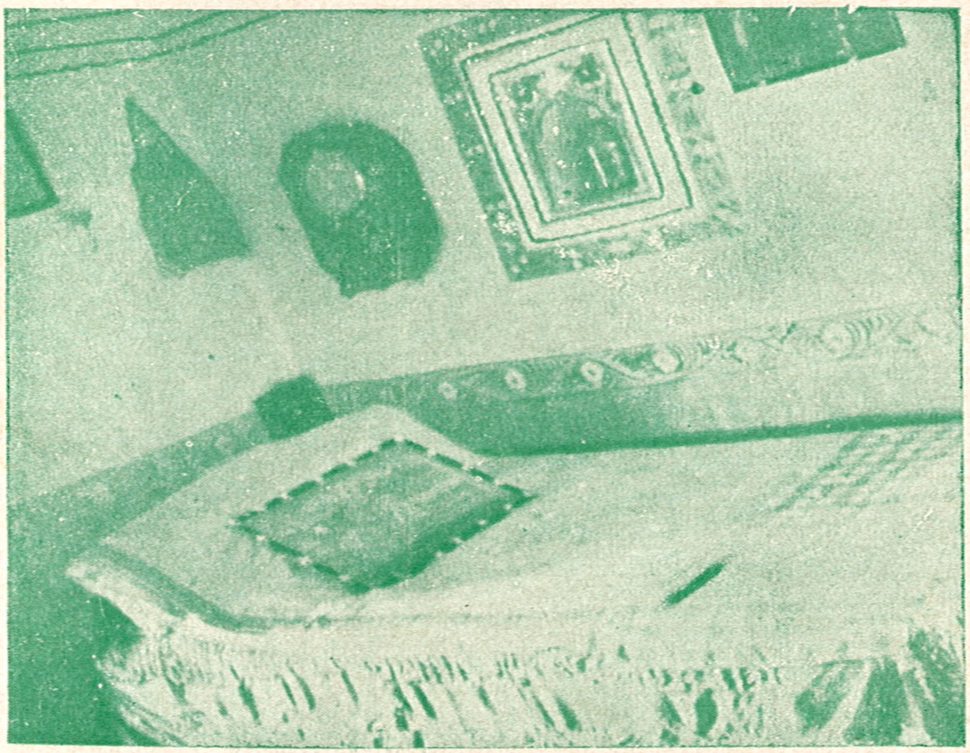

حضرت بابا صاحب کا بستر
مبارک اور شکردرہ محل کے
اس کمرہ کا اندرونی منظر
جہاں آپ مقیم تھے اور
جہاں غسل دیا گیا ←

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۔	مردِ خدا	۶
۲۔	مقدمہ	۷
۳۔	باباتاج الدین	۱۳
۴۔	تاج الاولیاء	۱۵
۵۔	اشارات	۲۱
۶۔	صفات جذب وسلوک	۵۴
۷۔	شہنشاہ ہفت اقلیم	۶۴
۸۔	مثنوی اسرارِ تاج	۷۶
۹۔	تذکرۂ تاج الاولیاء	۹۷
۱۰۔	ولادت	۹۹
۱۱۔	ملازمت	۱۰۱
۱۲۔	حضرت بابا کے ابتدائی حالات	۱۰۲
۱۳۔	باباتاج الدین	
۱۴۔	مرتبہ ولایت وقطبیت	۱۱۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۵-	نسبت طریقت	۱۳۲
۱۶-	سلسلہ طریقت	۱۴۰
۱۷-	گلدستہ شریف	۱۴۲
۱۸-	تعلیم و طریقۂ تربیت	۱۴۸
۱۹-	اوراد و اشغال	۱۵۹
۲۰-	طے ارض	۱۶۱
۲۱-	ہر دم بہ لباسِ دگر	۱۶۸
۲۲-	جانوروں پر حکومت	۱۸۳
۲۳-	زندگی عطا کرنا	۱۸۵
۲۴-	یک نظر دیوانہ کردی	۱۹۵
۲۵-	سلبِ امراض	۲۰۲
۲۶-	سیاستِ عالم	۲۰۵
۲۷-	والیانِ ریاست اور بابا صاحب	۲۱۵
۲۸-	احکامِ شاہی	۲۲۶
۲۹-	احترامِ شریعت	۲۵۷
۳۰-	مثالی زبان	۲۷۱
۳۱-	علالت اور وصال کی پیشنگوئیاں	۲۸۲
۳۲-	سلام	۲۹۳
۳۳-	دیگر خلفاء اور مریدینِ خاص	۲۹۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۴۔	حضرت بابا محمد یوسف شاہ تاجی	۳۲۹
۳۵۔	علمِ تعبیر	۳۹۱
۳۶۔	بابا یوسف شاہ کی کرامات	۳۶۴
۳۷۔	سلسلہ یوسفیہ تاجیہ	۴۳۰
۳۸۔	بابا یوسف شاہ تاجی کے خلفاء	۳۹۵
۳۹۔	خدا کی دین	۴۱۸
۴۰۔	حضرت بابا ذہین شاہ تاجی سجادہ نشین کے خلفاء	۴۳۳
۴۱۔	دربارِ تاج الاولیاء	۴۴۰
۴۲۔	خانقاہِ تاجیہ کا تعمیراتی جائزہ	۴۴۴
۴۳۔	علامہ اقبال کی عقیدت	۴۵۴
۴۴۔	سرتاج اولیاء بابا تاج الدین	۴۵۹
۴۵۔	سیر ناگپور	۴۶۲

(مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس کراچی

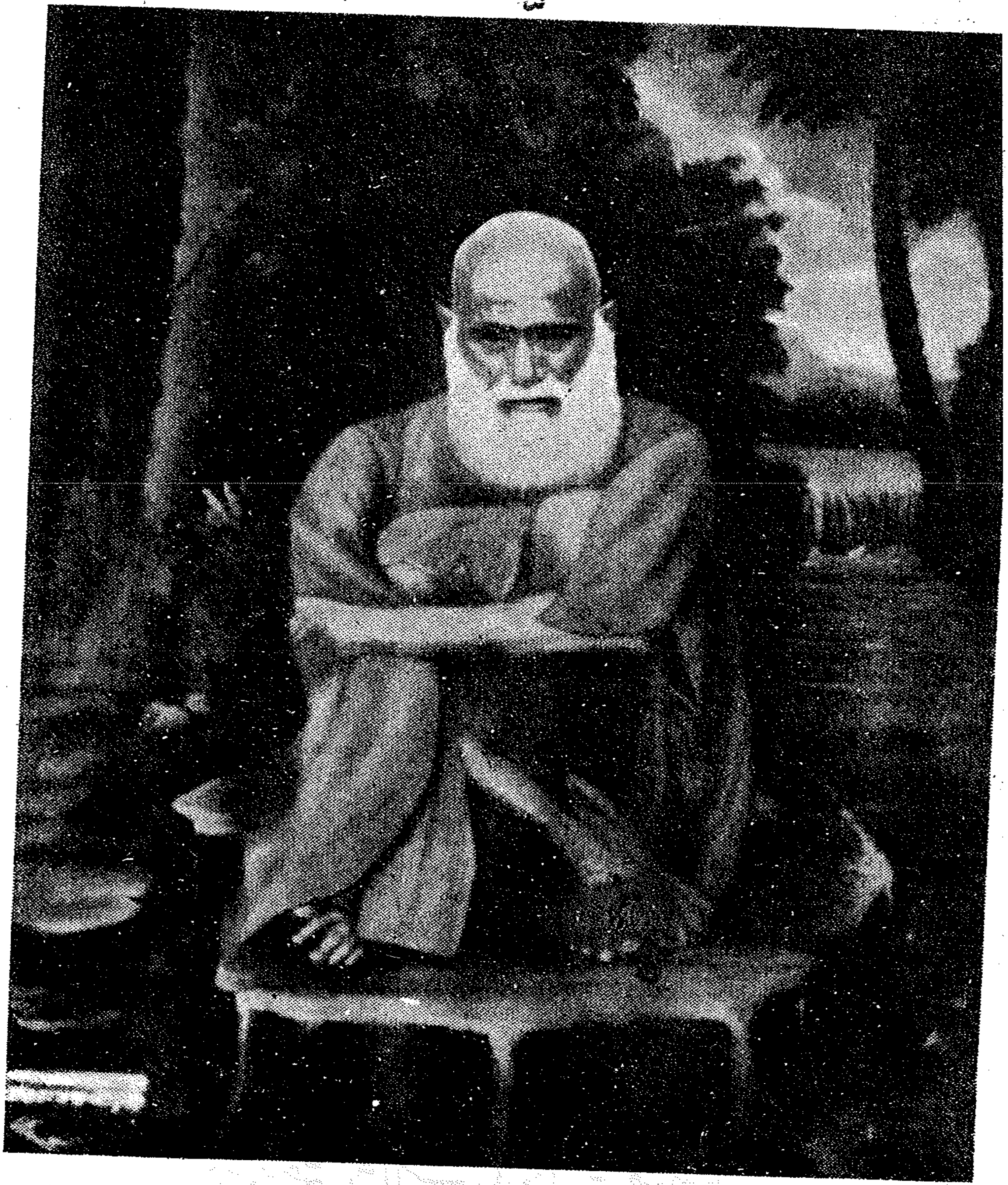

حضرت بابا تاج الدین اولیاءؒ

مردِ خدا

حضرت علامہ سید محمد علی شاہ میکش اکبرآبادی

*

جو حقیقت میں خدا کا ہے جہاں اُس کا ہے
یہ زمیں اس کی ہے یہ کون و مکاں اُسکا ہے
اس کی مدحت ہے حقیقت میں خدا کی مدحت
حق کا جو سرِ نہاں ہے وہ عیاں اُس کا ہے
رازِ فِیْ اَنْفُسِکُمْ جس نے خودی میں پایا
آمرِ آفاق کا قلبِ نگراں اس کا ہے
شانۂ کاکلِ ہستی ہیں نگاہیں اُس کی
روحِ عالم نفسِ عطر فشاں اُس کا ہے
ہے ہر اک قید و تعین سے مقام اُس کا بلند
حرمِ قدس و درِ پیرِ مغاں اس کا ہے
سُرمۂ چشمِ بقا اُس کی فنا ہے میکشؔ
رازِ معراج یہی خواب گراں اس کا ہے

مقدمہ

ڈاکٹر محمد محمود احمد
ایم۔اے۔ ایل ایل بی۔ پی، ایچ۔ ڈی

زیرِ نظر تذکرہ ایک ایسے بزرگ کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے کہ ان سے بہتر اور زیادہ موزوں شخصیت حضرت بابا تاج الدین قدس سرۃ العزیز کے حالات قلمبند کرنے کیلئے تجویز نہیں کی جاسکتی تھی۔ مولانا ذہین شاہ صاحب قبلہ حضرت بابا تاج الدین قدس سرہ العزیز کے خلیفہ یوسف شاہ تاجی رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین ہیں، اور علم و ادب میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں، انھیں حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خاص نسبت ہے اور جس علم و فضل، ادب و لطافت اور دولتِ فقر سے انھوں نے سلسلۂ تاجیہ کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے اس کا یہی تقاضا تھا کہ مولانا موصوف حضرت بابا تاج الدین قدس سرہ العزیز کے حالات بھی قلمبند فرمائیں۔ پھر ایماء و حکم ان کے پیر و مرشد و مؤسسِ سلسلہ کا یہی تھا۔ اس تذکرہ سے پہلے بھی حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد تذکرے لکھے جاچکے ہیں اور جو تذکرہ بھی لکھا گیا ہے وہ حسنِ عقیدت کے ساتھ اور تلاش و جستجو کے بعد ہی سپردِ قلم ہوا ہے۔ لیکن جس حُسن و خوبی، تحقیق اور ذوقِ عرفان کے ساتھ مولانا نے یہ تذکرہ تحریر فرمایا ہے اور جس برزخ میں یہ لکھا گیا ہے وہ مولانا ممدوح کا ہی حصّہ ہے۔

ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

حضرت بابا تاج الدین قدس سرہ العزیز کے حالات عجیب و غریب ہیں۔ ان حالات

کے بزرگ بہت کم ملتے ہیں۔ آپ کے علو مرتبت کا علم تو خاصانِ خدا کو ہے۔ لیکن آپ کی نظر کیمیا اثر روحانی فیوض اور کشف و کرامات کی روایتیں اتنی عام اور اس قدر محیر العقول ہیں کہ ان کے سننے کے بعد آدمی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس دورِ مادہ پرستی اور دہریت میں آپ ایک اعجازِ خداوندی تھے۔

حضرت بابا تاج الدین قدس سرہ العزیز کے دیکھنے والے اب بھی کثرت سے موجود ہیں۔ اس لئے اکثر و بیشتر روایتیں تو چشم دید اور آپ بیتی ہیں اور جو روایتیں بطور حدیثِ دیگراں بھی ہم تک پہنچی ہیں وہ بھی معتبر راویوں کی وساطت سے ہم تک آئی ہیں۔

لیکن بزرگانِ دین کے حالات و واقعات پر یقین لانے میں روایت اتنی حائل نہیں ہوتی جتنی درایت مانع آتی ہے۔ انسان ہر چیز کو اپنی عقل کی کسوٹی پر کستا ہے، لیکن خود عقل تجربہ پر مبنی ہوتی ہے۔ تجربہ کے ساتھ ساتھ عقل کے فتوے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ یہی عقل کا تفاوت تجربہ اور وجدان کا فرق انسانوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتا ہے۔

بزرگانِ دین وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جو اپنے نفس کو عقل میں تحویل کر کے اس کے کمال کے طالب ہو جاتے ہیں اور خیال و جذبہ سے اس طلب کو سینچ کر نظر و فکر، ذوق و شوق اور رجحان و عمل کی اس طرح تربیت فرماتے ہیں کہ زمان و مکان کے تعینات، نفوس کی کثرت و تفریق اور دیگر امتیازات سے ان کی نظر مرتفع ہو جاتی ہے اور وہ حقیقت سے اس کی تمام گوناگونیوں کے ساتھ ہم آغوش ہو جاتے ہیں۔

اسی حصول و وصول کا نتیجہ ان کے فیوضِ روحانی اور خوارقِ عادات ہوتے ہیں۔ ایسے بزرگوں کے احوال ہمیشہ ایمان پرور اور موجبِ ہدایت ہوتے ہیں اسی خیال سے یہ تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے۔

بزرگوں کے تذکروں میں کشف وکرامات کو ایک اہم مقام دیا جاتا ہے گو بزرگوں نے خود اس کی اہمیت کی تخفیف میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے اس اہمیت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بادی النظر میں عوام کو جو چیز غیر معمولی معلوم ہوتی ہے وہ یہی کشف وکرامات ہے۔

کشف یا خرق عادت بذاتِ خود تو بزرگی کا ثبوت نہیں، لبطور استدراج کے بھی یہ چیزیں حاصل ہوسکتی ہیں۔ لیکن کشف کے بغیر کوئی صاحبِ وصول بھی نہیں ہوسکتا اور تبلیغی اغراض ومقاصد کے لئے ولی کے واسطے کرامت بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی نبی کے واسطے معجزہ ضروری ہے۔ کشف وکرامات میں اور استدراج میں صرف یہ فرق ہوتا ہے۔ اور یہی فرق اولیاء اور غیر اولیاء میں مابہ الامتیاز ہے کہ اولیاء کرام کا کشف اور ان کی کرامت کلیّت سے حاصل ہوتی ہے اور غیر اولیاء کا کشف و استدراج جزویت سے پیدا ہوتا ہے اسی وجہ سے موخر الذکر چیز ہمیشہ مغلوب اور اول الذکر غالب رہتی ہے۔

کشف وکرامات کے بہت سے اصناف ہیں اور محقّقین کی نظر میں سب کی توجیہ ہوسکتی ہے لیکن چونکہ ان کے اسباب مجہول ہیں اس لئے وہ خرقِ عادت معلوم ہوتے ہیں۔

اس وقت تمام اصنافِ کشف وکرامات پر روشنی ڈالنے کا موقعہ نہیں، لیکن میں محض ایک صنفِ کرامت پر دو رائے پیش کرنا چاہتا ہوں اور ان کو اہلِ نظر کے محاکمے پر چھوڑتا ہوں کہ وہ کون سی رائے قبول کرتے ہیں۔

میری نظر میں باباصاحب قدس سرہ العزیز کے دو واقعات ایک ہی طرح کے ہیں ایک کے راوی تو میرے پیر ومرشد حضرت غوث بابا محمد یوسف شاہ تاجیؒ ہیں، اور دوسرے کو میں اپنی ہی سند پر پیش کرتا ہوں۔

پہلی روایت تو یہ ہے کہ حیدرآباد کے ایک صاحب جو یورپ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد بیرسٹری کے لئے بمبئی تشریف لائے اور بمبئی کے دوران قیام میں انھیں کسی خاتون سے حادثتہً محبت ہو گئی اور اسی انتہائے محبت میں انھیں یک بیک معلوم ہوا کہ وہ خاتون دنیا سے گذر گئیں۔ اس حادثہ کا اثر ان پر یہ ہوا کہ وہ وارفتہ حواس ہو گئے۔ اسی دیوانگی کے عالم میں وہ ناگپور پہنچے اور کسی چبوترے پر قیام کیا۔ ایک دن انھوں نے دیکھا کہ اس چبوترے کے دروازہ پر حضرت بابا صاحب قبلہ ان کے محبوب کے سراپا میں کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ بے ساختہ چیخ پڑے اور حضرت کے قدموں میں گر گئے اس واقعہ کے بعد ان کو سکون ہو گیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک نوجوان طالب علم جس کے باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسے دور سے ایسا معلوم ہوا کہ حضرت اس کے والد ہیں اور اس کے دل میں حضرت سے ایسی محبت پیدا ہو گئی جیسی کہ بیٹے کو باپ سے ہوتی ہے۔

میں پہلے واقعہ کو تو چھوڑتا ہوں، اس لئے کہ دونوں واقعات کی تحلیل موجب طوالت ہو گی اور دوسرا واقعہ نسبتاً سیدھا سادہ بھی ہے۔

سوال یہ ہے کہ دوسرے واقعہ کی کیا توجیہہ کی جا سکتی ہے؟ ایک توجیہہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ ایک کمسن نوجوان جس کے باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا ہو، ظاہر ہے کہ اپنی زندگی میں ایک خلا محسوس کرتا ہے جس کو وہ پُر کرنا چاہتا ہے اور اسے پُر کرنے کی شرط یہ ہے کہ کوئی ایسی ہستی ہو جو اُس کے باپ سے مشابہت رکھتی ہو۔ اولاً تو لفظ بابا ہی جس سے حضرت معروف و مشہور تھے، دل و دماغ میں باپ کا خیال پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی مشابہت چاہے وہ قد و قامت کی ہو یا رنگ و روپ کی یا خط و خال کی ایک فریب نظر پیدا کر سکتی ہے، خصوصاً جب دور سے دیکھا جائے اُس کے بعد باپ کا جو نقش بچے کے دل پر بیٹھتا

ہے وہ بچپن میں یہ ہوتا ہے کہ بچہ، باپ یا اپنے بڑے اور بزرگ کے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں اور سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اسی لئے اس سے طرح طرح کی بات پوچھتا ہے اور طرح طرح کی فرمائش کرتا ہے۔

بزرگوں کے متعلق بھی چونکہ عقیدت مذہبی خیال رکھتے ہیں کہ وہ دانا و بینا اور کرتا دھرتا ہیں اس لئے ان کے سامنے بھی کسر نفسی کا احساس اور ان کی قدر و منزلت اور عظمت کا خیال پیدا ہوتا ہے اور جب وہ لطف و کرم یا شفقت سے پیش آتے ہیں تو تشکر و امتنان اور خود سپردگی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہی وہ عناصر ترکیبی ہیں جو باپ کی طرف سے بیٹے کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے جب باطنی کیفیت یہ ہو اور ظاہر میں کوئی مشابہت بھی پائی جاتی ہو اور دل میں یہ تقاضا بھی ہو کہ کوئی باپ کی جگہ لینے والا ہو تو حیرت کا مقام نہیں کہ حضرت کے سراپا میں اس نوجوان کو باپ کی شبیہ نظر آئے اور اس کے دل میں فرزندانہ جذبات موجزن ہو جائیں۔

لیکن اس جوان کے قول کے مطابق تصویروں سے جو بابا کی شبیہ معلوم ہوتی ہے اور جو تصویر وہ اپنے دل میں لئے پھرتا ہے اس میں کوئی مماثلت نہیں۔ دوسری تصویریں دیکھنے کے باوجود بھی اس کا طلسم نہیں ٹوٹتا اور جو جذبہ یا عاطفہ اس کے دل میں پیدا ہو گیا ہے وہ نہیں بدلتا۔ حالانکہ بابا نے اس سے کچھ نہیں فرمایا اور ان کے شفقت یا لطف و کرم کا اُسے کوئی عینی ثبوت نہیں ملا۔ ممکن ہے اور حالات مثلاً اس کا بعض واقعات کو حضرت کی طرف منسوب کرنا یا بابا کے جانشینوں کا اس کے ساتھ حسنِ سلوک وغیرہ اس کے خیال اور جذبے کی توجیہہ کر سکتے ہوں۔ مگر اس واقعہ کی ایک اور توجیہہ بھی ہو سکتی ہے۔

انسان اگر جسم و جسمانیات پر غور کرے اور اپنے آپ سے یہ پوچھے کہ جن چیزوں کو وہ واقعی ٹھوس حقیقت سمجھتا ہے ان کی ماہیت کیا ہے؟ تو اسے معلوم ہوگا کہ مادی

اشیاء بھی رنگ و بو وغیرہ کا مجموعہ ہیں اور شکل و صورت، حجم و وزن، سختی و صلابت سرد و گرم، رنگ و بو و آواز وغیرہ شعور یا خیال کی کیفیات کے علاوہ کچھ نہیں اور اگر عالم کی حقیقت روح ہے اور تمام مظاہرِ عالم روح ہی کی کیفیات و تجلیات ہیں تو ایک ایسی روح کے لئے جس نے روحِ عالم کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کر لیا ہو کسی قالب میں نمایاں ہونا جو روح کے اندر مُندمج ہیں، کوئی محالِ عقلی نہیں۔

میں اس توجیہہ کو باور کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا اگر یہ میرا عینی مشاہدہ نہ ہوتا کہ میں نے صاحبِ سجادہ کو باتیں کرتے کرتے اس طرح متغیر ہوتے دیکھا کہ میں چند لمحے کے لئے یہ تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ یہ مولانا ذہین شاہ صاحب ہیں یا قبلہ بابا یوسف شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ دونوں بزرگوں کو قریب سے ایک عرصہ تک دیکھ چکا ہوں اور بقیدِ ہوش و حواس اور ثباتِ عقل میں یہ دیکھتا رہا کہ مولانا ذہین شاہ صاحب قبلہ کا رنگ روپ، ناک نقشہ اور چہرہ بشرہ کے آثار اس طرح بدلے کہ مولانا ذہین شاہ صاحب قبلہ کی جگہ بابا یوسف شاہ صاحب قدس سرہ العزیز نظر آتے رہے اور چند ساعت کے بعد پھر وہی مولانا ذہین شاہ صاحب قبلہ کی صورت لوٹ آئی۔

اس لئے میں ان واقعات کو جو اوپر بیان ہو چکے ہیں اس صنفِ کرامت سے تعبیر کرتا ہوں جو بزرگوں کے مختلف صورتوں میں متمثل ہونے کے متعلق بیان کئے جاتے رہے ہیں۔

(شعبۂ فلسفہ، کراچی یونیورسٹی) جنوری ۱۹۵۹ء

باباتاج الدینؒ

مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

یکم مارچ ۱۹۴۷ء کو ایک کتاب تذکرۂ تاج الاولیاء مولف مولوی حسام الدین صاحب تاجی حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب پر مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے پیش لفظ لکھا ہے وہ ہدیۂ ناظرین ہے:۔

میرے سامنے ایک کتاب پیش ہوئی ہے جس کا تعلق ہندوستان کے مشہور صاحبِ کرامات وخوارق بزرگ باباتاج الدین ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ باباتاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی مجھ جیسے گمنام خامل الذکر کے تعارف سے مستغنی ہے لیکن صاحبِ کتاب کا اصرار ہے کہ میں بھی اس پر کچھ لکھ سکوں۔

واقعہ یہ ہے کہ ناگپور کے متصل وردھا جہاں آج شرک وکفر کو فلسفہ اور تصوف کا رنگ عطا کیا جارہا ہے اور ایک مرکز قائم کیا گیا ہے جس کے ذریعہ یہ کوشش کی جارہی ہے کہ توحیدی امت کو شرک اور شرکی گروہ سے سیاسی طور پر مغلوب کرلیا جائے۔ خدا کی یہ شان ہے کہ جہاں یہ ہونے والا تھا وہیں قبل اس مرکز کے قیام کے توحید کا جھنڈا، ایک ایسی ہستی کے ہاتھوں بلند کرایا گیا جس کو صرف امتِ محمدیہ ہی نہیں بلکہ غیر محمدی لوگ بھی مانتے ہیں بلکہ شاید پوجتے ہیں۔ آپ کو اس کتاب سے قدرت کی اس کارفرمائی کا تماشہ نظر آئیگا۔

فاضلِ شمسی

ارفعِ علم کے اس دور میں لوگ جذب کو جنون، استغراق کو جذب، اور سُکر کو کفر کہدیں تو جائے تعجب نہیں۔ ان بیچاروں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مجذوب کس کو کہتے ہیں، کہیں سے سُن سنا کر پاگل نہ کہا مجذوب کہدیا۔ رہا استغراق کا مسئلہ تو یہ غریب الحمد کے الف لام کے نحوی[۱] استغراق کو آج تک حل نہ کر سکے وہ باطنی استغراق کو کیا سمجھیں گے۔

سُکر کا مسئلہ تو اور بھی ٹیڑھا ہے۔ "محفلِ رنداں" سے دور رہنے والا سُکر کی کرامات کیا جانے؟ تا در نیائی در نیابی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں ثابت ہے کہ جس کو بالائے عرش مقبول بنالیا جاتا ہے وہی اہلِ زمین میں مقبول ہوتا ہے اب یہ لوگ اللہ سے پوچھیں کہ ان دیوانوں اور پاگلوں کو مقبول و محبوب کیوں بنایا (معاذ اللہ)

حضرت بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت کا ثبوت تو یہی ہے کہ ان کے دورِ حیاتِ ظاہری سے آج تک لاکھوں بندگانِ خدا کے دلوں میں ان کی مقبولیت و محبوبیت موجود ہے، مومن و کافر، گردن کش گردن فراز، راجہ مہاراجہ، رؤساء امراء، علماء و فضلاء، فقراء و صلحاء سبھی قسم کے لوگ آپ کے گرد پروانہ وار جمع رہتے تھے۔ ان میں ایک جماعت ان کی تھی جو دنیاوی اغراض لیکر حاضر ہوئے اور بامُراد لوٹے۔ دوسرا گروہ صرف زائرین کا تھا، تیسرا طبقہ ان کے سلسلہ سے وابستہ ہے اور حلقۂ ارادت و

---

[۱] الحمد للہ۔ تمام حمد صرف خدا ہی کے لئے ہے تو رسولِ پاک کو محمد کہنا معاذ اللہ شرک عظیم اور نہایت گستاخی ہے۔

بیعت میں شامل ہے۔

اپنی کوتاہ نظری سے کچھ لوگ کہتے ہیں، بابا صاحب مجذوب تھے، ان سے سلسلہ جاری نہیں ہوسکتا۔ مگر آج بھی عینی شاہدین اور واقعات کے راویانِ اول ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں جن کے بیانات سے ظاہر ہے کہ بابا صاحب سے زیادہ صاحبِ ہوش اور باخبر انسان تصور میں نہیں آسکتا، آپ جذب سے گذر کر استغراق میں طے کرتے رہے سُکر سے صحو میں، تحیر سے ہوش میں قیام فرماتے تھے۔ لوگوں سے حسبِ حال گفتگو فرماتے، اہلِ فہم کو سب کچھ مل جاتا۔ کم فہم مطلب کی بات سمجھ لیتے، نافہم دوسروں کے جوابات کو سلسلۂ کلام میں نامربوط سمجھ کر مجذوب کی بڑ کہدیتے۔

تاجُ الاولیاء

ذہین شاہ تاجی

عشق مجذوب ہے دیوانہ ہے
عقل سے ہوش سے بیگانہ ہے

نہ کہیں گھر، نہ کہیں در اس کا
شہر ہے باغ ہے ویرانہ ہے

کہیں ساغر ہے نہ مینا نہ سبو
مست ہے صاحبِ میخانہ ہے

طالبِ جلوۂ جاناں بھی نہیں
آپ ہی جلوۂ جانانہ ہے

ہفت اقلیم میں سلطان ہے وہ
اور انداز فقیرانہ ہے

تاجُ الاولیاء

شہنشاہ ہفت اقلیم سید محمد بابا تاج الدین ناگپوری قدس سرّہ العزیز کے حالات میں ایک مبسوط کتاب "تاج الاولیاءؒ" شائع ہو چکی ہے۔ اس کے دوسرے ایڈیشن میں وہ حالات بھی شریک اشاعت ہیں جو ہمیں بغرض اشاعت موصول ہوئے ہیں اور جن کو ہم نے "تاج" میں بھی شائع کیا ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ڈاکٹر سید محمود صاحب پی، ایچ، ڈی مقیم دہلی کا مکتوب ہے۔

آپ بہار کے رہنے والے ہیں۔ جرمنی سے پی، ایچ، ڈی کیا اور بیرسٹر ہوئے۔ پٹنہ میں پریکٹس کرتے تھے لیکن تحریک خلافت کے وقت میدانِ سیاست میں آگئے۔ آپ کانگریس کے ممتاز لیڈر رہیں اور متعدد بار صوبہ اور مرکز میں وزیر رہے۔ مصر میں سفیر مقرر ہوئے۔ ہندوستان کے اکابر میں آپ کا شمار ہے۔ گزشتہ ماہ رمضان المبارک میں کراچی تشریف لائے تھے۔ پنجشنبہ کو خانقاہ عالیہ تاجیہ پر حاضر ہوئے تھے اور یہ واقعہ مجھ سے زبانی بیان کیا تھا۔ اس خط میں اسی واقعہ کا انھوں نے اعادہ فرمایا ہے۔

اس واقعہ میں یہ بات دلچسپ ہے کہ ہندو مسلم فسادات کا دفعیہ نہ مولانا شوکت علی کرا سکے نہ دوسرے اکابرین، بلکہ خود ڈاکٹر سیّد محمود صاحب کو بھی یہ اعتماد نہیں تھا کہ وہ اس مہم میں کامیاب ہو سکیں گے لیکن جب حکیم اجمل خاں صاحب جیسے حکیم صاحبِ تدبیر نے یہ نسخہ تجویز کیا کہ بابا کی دعا سے کامیابی کا امکان ہے تو آپ میں ہمّت پیدا ہوگئی اور اس مہم پر روانہ ہو گئے

ناگپور پہنچ کر آپ نے اسی نسخہ پر عمل کیا جو حکیم اجمل خاں صاحب نے تجویز کیا تھا اور بحمد اللہ حضرت بابا تاج الدین قدس سرہ العزیز کی توجہ سے یہ دشوار مرحلہ چشم زدن میں طے ہو گیا۔

اس سلسلہ میں دوسری بات جو قابلِ توجہ ہے وہ یہ کہ ظاہر بیں حضرات کس طرح بابا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو نعوذ باللہ مجنوں یا دیوانہ سمجھتے رہے حالانکہ اس زمانہ کے بالغ نظر حضرات اور قائدین ملک آپ کو صاحبِ بصیرت اور صاحبِ امر بزرگ سمجھتے تھے۔

ایک اور اہم پہلو جس پر اس خط سے روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ بابا صاحب رحمتہ اللہ علیہ ان لوگوں کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوتے تھے، جو دردمندی کے ساتھ عوام کی بھلائی چاہتے تھے اور اس غرض سے حاضرِ خدمت ہوتے تھے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی طرف حضرت نے غیر معمولی التفات فرمایا۔ ہندو مسلم سمجھوتہ بھی ہو گیا۔ انگریز بھی چلے گئے اور ڈاکٹر صاحب قبلہ کو الہ آباد پہنچ کر معلوم ہو گیا کہ گھر جانے کا تقاضہ کس جذبۂ روشن ضمیری کے ماتحت تھا ——————— خفیر ذہین شاہ تاجی

نئی دہلی ۲۶ اگست ۵۹ء

جناب موسیٰ صاحب نے آصف حسین صاحب کو لکھا تھا کہ میں ناگپور میں حضرت بابا تاج الدینؒ سے اپنی ملاقات کا مختصر حال لکھ کر بھیج دوں۔ چنانچہ اب یہ سطور لکھ رہا ہوں۔

۱۹۲۴ء میں ناگپور میں ہندو مسلم جھگڑے چل رہے تھے۔ بہت کشت و خون ہو رہا تھا، طرفین سے لوگ جیل جا رہے تھے۔ مسجد کے سامنے باجے کا جھگڑا تھا۔ گاندھی جی نے مجھ سے کہا کہ تم وہاں جا کر اس کو طے کراؤ۔ مولانا شوکت علی مرحوم پہلے جا چکے تھے

لیکن ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ میں نے پہلے وہاں جانے سے انکار کیا، پھر گاندھی جی اور حکیم اجمل خاں صاحب کے اصرار پر راضی ہوا۔ حکیم صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ تم کو بزرگوں سے ملنے کا شوق ہے، وہاں جاکر تم بابا تاج الدین سے ملنا اور ان سے اس جھگڑے کو طے ہو جانے کے لئے دُعا کرانا۔

میں ناگپور گیا اور بابا تاج الدین کے یہاں حاضر ہوا جو راجہ بھونسلہ کے قلعہ کے اندر رہتے تھے۔ راجہ ان کا بڑا معتقد تھا اور ان کی بڑی خدمت کرتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ بابا آج باہر نہیں نکلیں گے، مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ میں دروازہ پر کھڑا تھا کہ سامنے دالان میں ایک دراز قد، سیاہ فام بزرگ، جن کی آنکھیں سُرخ تھیں یک بیک آکر کھڑے ہو گئے پھر اندر چلے گئے۔ نوکر نے آکر آواز دی کہ بابا اب نکلیں گے، چنانچہ وہ نکلے اور ایک فٹن میں سوار ہو کر روانہ ہوئے لوگوں کا ایک اژدہام گاڑی کے پیچھے دوڑا اور اُن پر پھول پھینکتا رہا۔ اور بابا کچھ بولتے جاتے، اسی میں لوگ اپنے مطلب کی بات نکال لیا کرتے لیکن کسی سے بھی کوئی بات صاف نہیں ہوتی۔ مجھ سے بھی لوگوں نے گاڑی کے ساتھ دوڑنے کی فرمائش کی لیکن میں نہیں گیا، پھول البتہ اُن پر پھینک دیا۔ لوگ اس طرح ان کے ساتھ میل دو میل دوڑا کرتے۔ یہ برابر کا دستور تھا، میں موٹر پر تھا۔ کچھ دیر بعد میرے موٹر نے دوڑ کر ان کی گاڑی کو پکڑ لیا۔ اب لوگوں کی بھیڑ چھٹ گئی تھی اور گاڑی پکڑ کر چلنے لگا۔ بابا میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کیا چاہتا ہے۔ "مکہ مدینہ جائے گا۔"؟

میں نے عرض کیا کہ انگریزوں کی غلامی اب برداشت نہیں ہوتی۔ ہندو مسلمانوں کو برابر لڑاتے رہتے ہیں۔ وہ ہندوستان سے کب تک جائیں گے؟ بابا نے ذرا بے پرواہی سے جواب دیا "ہاں ہاں!! ضرور چلے جائیں گے۔

راجہ کے دو ملازم گاڑی پر اُن کے ساتھ ہاتھ باندھے ہوئے بیٹھے رہتے تھے۔ بابا سے ایسی صاف بات شاید انھوں نے پہلے نہیں سُنی تھی وہ بہت گھبرائے اور کہا کہ آج تک

تو بابا نے ایسی صاف طور پہ بات تو نہیں کی تھی۔ تم تو کوئی دیوتا معلوم ہوتے ہو۔ پھر میں نے کہا آپ کی موجودگی میں ناگپور میں ہندو مسلم جھگڑا ہو، یہ تعجب کی بات ہے، ہندو تو آپ کی اس قدر سیوا کرتے ہیں، پھر کیوں مسلمانوں سے لڑتے ہیں۔ آپ دعا کیجئے کہ یہ قصہ طے ہو جاوے۔ بابا نے کہا کہ ہاں! ضرور طے ہو جائے گا۔ اُس طرف سے کچھ سفید پوش مسلمان گذر رہے تھے۔ میں نے ان کو مخاطب کر کے آواز دی کہ دیکھو بابا کیا کہتے ہیں؟ بابا کہتے ہیں کہ ہندو مسلم جو جھگڑا ہو رہا ہے وہ طے ہو جانا چاہئیے۔ بابا نے کہا ہاں! ہاں! ضرور طے ہو جانا چاہئیے۔ جب میں گاڑی سے اُترنے لگا تو بابا نے پوچھا اور کیا چاہتا ہے میں نے عرض کیا کہ آپ کی دُعا چاہتا ہوں، انھوں نے اپنے سر سے اُتار کر ایک سُرخ ٹسر کا مرہٹی صافہ مجھے دیا اور کہا "رکھ لے، ہندو مسلم جھگڑا میں نے طے کرا دیا"

میں پھر بابا کے پاس گیا، راجہ کو معلوم ہوا اُس نے مجھے بلوایا اور میرے پیروں پہ پھول چڑھائے اور مٹھائی رکھی کہ آپ تو کوئی دیوتا ہیں، مجھے اپنے ملازمین سے آپ سے بابا کی گفتگو کا حال معلوم کر کے تعجب ہوا، ایسی صفائی سے گفتگو بابا کسی سے نہیں کرتے پھر مجھے بابا کے پاس بھجوا دیا۔ وہ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور ایک ملازم اُن کے پیر دبا رہا تھا۔ میں نے کہا بابا وہ ہندو مسلم جھگڑا آپ کی دُعا سے طے ہو گیا، کہا اچھا ہوا پھر میں نے سوال کیا کہ بابا انگریز اس ملک سے کب تک جائیں گے۔ بابا نے خفا ہو کر جواب دیا "ارے میاں، جب تم لوگ اس قابل ہو گے تو خود چلے جائیں گے" میں ذرا سہم گیا۔ پھر بابا نے رٹ لگائی کہ "گھر جاؤ" میں کچھ دیر بیٹھنا چاہتا تھا، لیکن بابا یہی کہتے رہے کہ گھر جاؤ گھر جاؤ۔ میں مجبور ہو کر اُٹھ آیا۔ میرے ہمراہ دو صاحب تھے ان میں سے ایک وہابی تھے، انھوں نے مجھ سے کہا۔ دیکھئے میں آپ کو ہر چند یہاں آنے سے منع کرتا رہا مگر آپ نہ مانے، یہ ایک مجنوں آدمی ہے، اس کو فقیر بنا رکھا ہے اور بد اخلاق کس قدر ہے کہ آپ کو بیٹھنے بھی نہ دیا اور اپنے پاس سے بے اعتنائی کے ساتھ اُٹھا دیا۔

دوسرے صاحب نے کہا کہ نہیں بابا صاحب کا مطلب ہے کہ مسلمان اپنے اصلی گھر یعنی مکہ مدینہ چلے جائیں اور پھر یہاں فاتح کی حیثیت سے آئیں۔ مجھے ان کے اس استدلال پر ہنسی آگئی۔ بہر حال میں اسی دن شب میں الہ آباد کے لئے روانہ ہو گیا۔ دوسرے دن آنند بھون (پنڈت جواہر لال کا گھر) پہنچا، جہاں میں ٹھیرا کرتا تھا۔ وہاں میرے لئے ایک تار پہلے سے آیا ہوا تھا کہ جون پور میں میرے ماموں زاد بہنوئی کا اسی وقت انتقال ہوا جس وقت میں بابا سے ناگپور میں باتیں کر رہا تھا۔ اللہ اکبر! پھر مجھے بابا کی زیارت کا اتفاق نہیں ہوا۔ ابھی مئی کے مہینہ میں اٹمل (یہ صوبہ جو پہلے برار کے نام سے مشہور تھا) ایک مسلم کانفرنس کی صدارت کے لئے جانے کا اتفاق ہوا۔ لوٹتے وقت ناگپور آیا۔ گاڑی میں بہت دیر تھی میں بابا کے مزار پر حاضر ہوا۔ بڑی عالیشان عمارت ہے۔ فاتحہ پڑھی اور چلا آیا لیکن پھر جانے کا شوق ہے۔

خاکسار

ڈاکٹر۔ سیّد محمود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشارات

★ —— بابا ذہین شاہ تاجی

کمال جہاں کہیں بھی پایا جاتا ہے وہاں جذب و کشش بھی اپنی تمام دلربائیوں کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ قدم خود بخود اس طرف اٹھنے لگتے ہیں۔ قلوب خود بخود ادھر کھنچنے لگتے ہیں۔ کمال کا ظہور جہاں ہوتا ہے وہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ اپنی جاذبیت اور کشش کی وجہ سے دنیا کے لئے مرکز توجہ بھی بن جائے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہر انسان کی خودی اپنا نشو و نما چاہتی ہے کمالِ ارتقا کی طلب فطرتِ انسانی میں ودیعت کی گئی ہے۔ اس لئے جب کبھی اور جہاں کہیں بھی انسانی خودی اپنے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے تو ہر انسان اپنی طالبِ کمال خودی کے خط و خال کا اس آئینہ میں مشاہدہ کرتا ہے اور اس طرح یہ فردِ کامل تمام انسانوں کی تمناؤں کا مظہر بن جاتا ہے۔

خودی کا کمال

انسانی خودی کا کمال دو لفظوں میں "خود آگہی" ہے خود آگہی کی تشریح دو جملوں میں یہ ہے: "انسانی خودی عروج میں خدا سے ہمرنگ ہو اور نزول میں تمام خلقِ خدا سے ہم آہنگ ہو" مطلب یہ ہوا کہ خود، خدا اور خلقِ خدا، کی تثلیث فنا ہو کر توحید حاصل ہو۔ یوں تو اَنفس و آفاق میں آیاتِ الٰہیہ ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں مگر یہ پھیلاؤ انسانی خودی میں سمٹ کر جمع کر دیا گیا ہے اس جامعیت کے لحاظ سے انسان کو ایک جہت سے خلیفۃ اللہ اور دوسری جہت سے اس کو خلیفۃ الخلق قرار دیا گیا ہے۔ خلیفۃ اللہ کی جہت سے

وہ مخلوق پر خدا کی نمائندگی کرتا ہے اور خلیفۃ الخلق ہونے کی جہت سے وہ بارگاہِ الٰہی میں تمام مخلوق کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان کے لئے مغفرت و رحمت طلب کرتا ہے۔ اس کا وجود تمام عالم کے لئے رحمت ہے۔ اُس کے زیر سایہ یہ بندگانِ خدا عذابِ الٰہی سے محفوظ رہتے ہیں۔ (وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ)۔

علم نبوّت و ولایت

یہ عقل کے مراتب کا اختلاف ہے جو مسائل کو مختلف بنا رہا ہے۔ عہدِ طفلی کی عقل سے پیرانہ سالی اور تجربہ کاری کی عقل مختلف ہے جس طرح سن و سال سے عقل کے مراتب متعین ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح تعلیم و تربیت کے تفاوت سے بھی عقل کے مدارج متفاوت ہوجاتے ہیں اور اس کے برعکس غیر تعلیم یافتہ غیر تربیت یافتہ نفوس کی عقول پسماندہ اور کمزور رہونے میں معروف ہوتی ہے۔

پھر جس صنف علم سے انسان قطعاً ناآشنا ہے۔ اس علم کے انکار میں وہ ازروئے عقل حق بجانب ہے۔ اگر وہ اس منزل میں بجائے تکذیب کے اس علم کی تصدیق کرے تو پھر علم اور جہل میں کوئی امر فارق باقی نہ رہے۔ جاننے اور نہ جاننے کے نتائج ایک ہوجائیں۔ تصدیق و تکذیب ہم معنی ہوجائیں۔ حالانکہ یہ محال ہے۔

پس تکذیب کرنے والے اپنے مقام پر سچے ہیں۔ وہ اس علم ہی سے محروم ہیں جس کی تصدیق مطلوب ہے تو پھر ان کی عقلوں میں وہ علمی صورتیں کہاں سے آئیں گی جو معلومات کہلاتی ہیں۔ عقل معلومات میں غور و خوض ربط و ضبط سے نتائج نکالتی ہے مجہولات میں اس کا کوئی تصرف نہیں۔

معلومات و مجہولات میں مساوی طور پر عقل متصرف ہونے لگے تو وجود و عدم، علم و جہل، نور و ظلمت کے حقائق بدل جائیں، حالانکہ انقلاب حقائق محال ہے

اس لئے علومِ نبوت و ولایت کے منکرین اپنے انکار میں ایسے ہی سچے تھے جیسا کہ اقرار
کرنے والے اپنے اقرار میں سچے تھے، یہ اقرار و انکار کیا تھا، خود ان ہی کے نفسوں کی
علمی و جہلی کیفیات کا ظہور تھا، نبی کی ہستی کیا تھی؟ خود اُن ہی کی ہستی کے عروجی و
نزولی تصوّرات کا آئینہ تھی، کمالاتِ نبوت کا اعتراف یا اس سے اعراض کیا تھا؟
خود اپنے نفس میں کمال کے تصوّرات کا اثبات یا اس کی نفی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا نفس فرمایا گیا
(۱) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (۲) اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ۔ رسالت عامّہ کا تکملہ آپ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ہو گیا جو
اپنی کلیّت سے تمام نفوسِ انسانی کے عین ہیں، اگر وہ ہمارے نفس کا عین نہ ہوں تو
انھیں کیا خبر ہو کہ ہم پر کیا گذر رہی ہے حالانکہ قرآن مجید خبر دیتا ہے عَزِیْزٌ عَلَیْهِ
مَا عَنِتُّمْ ۔ جو رنج و عنا، دکھ درد، تمھیں پہنچتا ہے وہ ان پر گراں گذرتا ہے ۔ یہ تو
جب ہی ممکن ہے کہ ہر نفس سے آپ کو یگانگت حاصل ہو تا کہ جو کچھ اس پر وارد ہے وہ
آپ پر وارد ہو، یگانگت کا تقاضا، جہاں یہ ہے کہ ان کی واردات، رنج و عنا آپ پر
شاق گذریں وہاں اس یگانگت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ آپ تمام افرادِ عالم کے لئے
رحمت ہی رحمت ہوں، چنانچہ اعلانِ خداوندی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ط

پھر آپ کا تمام عالم کے لئے رحمت ہونا، اللہ کا آپ کو تمام عالم کے لئے رحمت
بنا کر بھیجنا، آپ کی رسالت کا تمام عالم کے لئے رحمت ہونا، رسالت کا عین رحمت
ہونا، رحمت کا عین رسالت ہونا یہ تمام حقائق مرتبۂ جمع الجمع میں صرف اس حقیقت
میں جمع ہیں ۔ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ

صفاتِ الٰہیہ میں از روئے احاطت و کلیت کامل ترین صفت یہی رحمت

ہے جس سے خدا نے اپنے نفس کو منسوب فرمایا ہے ، وجود عالم اور تخلیق کائنات کا مبدء یہی رحمت ہے ، حفظِ عالم ، پرورشِ عالم ، تکمیلِ عالم رحمت ہی سے وابستہ ہے ، اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی نظر سے نہاں خانۂ علم میں ان مخفی صورتوں کو ملاحظہ نہ فرماتا ، اور اس رحمت کی نظر میں وجودِ اشیاء کا اپنے ہی علم سے اپنے ہی علم میں امتیاز نہ فرماتا تو وجود اشیاء کا وجودِ مطلق سے ممتاز ہونا محال ہوتا۔ یہ امتیاز ہی ذات بحت کو زیورِ صفات سے آراستہ پیراستہ کرتا ہے ۔ اسی مقام کا نام حقیقت محمدیہؐ ہے جو تمام حقائقِ الٰہیہ وحقائقِ کیانیہ کو جامع ہے ۔ انسانِ کامل ، خلیفۃ اللہ ، اسی حقیقت کا لباس مجاز میں ظہورِ کامل ہے ۔ قرآن نے غیر مشتبہ الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ زمینوں آسمانوں میں جو کچھ ہے وہ تمہارے زیرِ فرمان بنادیا گیا ہے ۔ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۔ اس وعدۂ الٰہی کی صداقت معجزات وکرامات سے ہر دور میں ثابت ہوتی رہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے وراثتِ ارض کا اپنے نیک بندوں سے وعدہ فرمایا ہے (یرثہا عبادی الصالحون) اللہ کا یہ وعدہ بلا تاویل ہر زمانے میں پورا ہوتا رہا ہے ۔ نہ تو صالحین کے معنوں میں "جہانبانی کی سیاسی صلاحیتوں" کو شامل کرنے کی ضرورت ہے ، نہ مستقبل پر اس وعدہ کو معلق رکھنے کی ضرورت ہے ۔ صالحین قرآنی اصطلاح ہے جس کا اطلاق اولیاء اللہ پر بالخصوص ہوتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اولیاء اللہ ہر دور میں خدا کی طرف سے عالم کے محافظ ، نگراں ، وارث ومدبر ہیں ۔ قطب ، غوث ، ابدال ، اوتاد ، نجباء ، نقباء ان کی معروف اقسام ہیں ، قطب مدارِ عالم شہنشاہ ہفت اقلیم ہوتا ہے ۔ اس کے دائرہ تصرف سے کوئی شے باہر نہیں ، وہ ہر شے پر بحکمِ الٰہی قادر ہوتا ہے ، اکابر امت اور علماء ربانیین کی کتابیں ان کے ذکرِ خیر سے بھری ہوئی ہیں ۔ مگر "مسلمانی در کتاب" کے اس دور میں قدرت کو منظور ہوا کہ ایک بار پھر وہ پارینہ روایات زندہ ہو جائیں جن کو خرقِ عادت وکرامات کہا جاتا ہے اور وراثتِ ارضی کا وعدۂ الٰہی پورا ہوتا ہوا سب دیکھ لیں ۔

ناگپورسی پی میں حضور تاج الاولیاء شہنشاہ ہفت اقلیم سید محمد بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ظہور ہوا، چار دانگ عالم میں آپ کی کرامتوں کا ڈنکا بج گیا۔ ہر شے پر بحکم الٰہی قدرتِ تامہ کا ظہور آپ سے ہوا، آپ کی کرامتوں کا احاطہ عقلِ انسانی سے دشوار ہے۔ آپ کے مراتب کے عرفان سے اہلِ کشف عاجز ہیں، میری کیا مجال ہے جو میں آپ کے حالات لکھ سکوں، یہ صرف امتثالِ امر ہے۔

کشف

چونکہ یہ تذکرہ ایک صاحبِ کشف ولی اللہ کا ہے اس لئے کشف کی حقیقت سمجھ لیجئے۔

حواسِ خمسۂ ظاہری کی حدود متعین ہیں، کان ایک حد تک سُنتے ہیں اس حد سے آگے ان کا دائرۂ عمل نہیں، ہاں اگر کوئی معاونِ سماعت ذریعہ حاصل ہو تو پھر سماعت کا دائرۂ عمل بھی وسیع ہو جاتا ہے۔ مثلاً ٹیلیفون، وائرلیس، ریڈیو وغیرہ ایسے مادی ذرائع اور وسائل ہیں جو دور دراز کی آوازیں ہماری سماعت سے قریب کر دیتے ہیں۔ بعد المشرقین کے باوجود ہم اس طرح باتیں کر سکتے ہیں جیسے آمنے سامنے بیٹھے ہم کلام ہوں، اگر مادی ذرائع اور خارجی وسائل سے سماعت آراستہ نہ ہو اور پھر بھی زمان و مکان کے فاصلے ہماری راہ میں حائل نہ ہوں تو یہی کشفِ سماعت ہے

یہ تو قطعاً کہا جا سکتا ہے کہ مادی حواس اور خارجی اسباب جو ہمیں معلوم ہیں اُن سے کشف والے آزاد ہوتے ہیں، مگر یہ قطعی نہیں کہا جا سکتا کہ باطنی اسباب بھی وہاں کار فرما نہیں ہوتے، ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان اسباب کا علم عام نہ ہونے سے وہ مافوق الاسباب کہلاتے ہیں۔

مثلاً کنکریوں کا کلمہ پڑھنا عوام کے نزدیک غیر عادی فعل ہے مگر خواص جانتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے تسبیح و تحمید کر رہی ہے، اس لئے کنکریوں کا کلمہ پڑھنا کوئی غیر عادی فعل نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معجزہ اس امر میں رُونما ہوا وہ یہ

تھا کہ آپ نے سننے والوں کے کان کھول دیئے، ان کی سماعت پر جو پردہ تھا اُٹھا دیا۔ یہ کشفِ سماعت ہے جو آپ کی نسبت سے اعجاز ہے۔ جس طرح سماعت میں مادی ذرائع معاونِ سماعت ہوتے ہیں، اسی طرح باطنی ذرائع جہاں معاونِ سماعت ہوں، کشفِ سماعت حاصل ہوتا ہے۔ "بی یسمع" بندہ خدا کے کان سے سننے لگے، یہ کشفِ سماعت کا کمال ہے۔ اس پر دوسرے حواس کے کشف کو قیاس کہا جا سکتا ہے۔

قرآن شریف میں ہے:۔ تراھم ینظرون الیك وھم لا یبصرون (الاعراف) (تم ان کو اپنی طرف نظر کرتے ہوئے دیکھتے ہو حالانکہ وہ نہیں دیکھ رہے ہیں)۔ ایک جملہ میں دیکھنے کی تین قسمیں بیان کرنا بلاغتِ قرآنی کا اعجاز ہے۔ تراھم (رویت) ینظرون (نظر) یبصرون (بصیرت) یہ تینوں اقسام اپنے مراتب میں مختلف ہیں، جن کا بیان تفصیل طلب ہے۔

یہاں اس انتباہِ الٰہی پر توجہ دلانا مقصود ہے جو بصارت و بصیرت کے فرق پر مبنی ہے یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو محض ظاہری آنکھوں سے دیکھنا اللہ کے نزدیک نہ دیکھنے کے حکم میں ہے، دل کی آنکھوں سے دیکھنا، چشمِ باطن سے دیکھنا ہی صحیح معنوں میں دیکھنا ہے، یہی کشفِ بصارت ہے جو مطلوب الٰہی ہے۔ قرآنی آیات میں کافروں کے دلوں پر، آنکھوں پر، کانوں پر خدا کی مُہر ہونے کا ذکر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُن کے پاس آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، کان ہیں مگر سنتے نہیں، دل ہیں مگر اُن پر زنگ ہے۔ (رین) پردہ ہے (غشاوہ) وہ زندہ ہیں مگر مردوں کے حکم میں ہیں۔

وہ آنکھیں رکھتے ہیں مگر ان کو اندھا کہا جاتا ہے، وہ کان رکھتے ہیں مگر ان کو بہرا کہا جاتا ہے۔ وہ زبان رکھتے ہیں، بولتے ہیں مگر ان کو گونگا کہا جاتا ہے۔ وہ دل رکھتے ہیں مگر ان کے دل کو پتھر کہا جاتا ہے، زنگ خوردہ، مُہر کردہ، واہی لاہی کہا

جاتا ہے، وہ زندہ ہیں مگر ان کو مُردہ کہا جاتا ہے۔

اس مرحلہ پر قرآن کا انداز بیان بالکل واضح ہے، وہ محسوسات میں پا بہ زنجیر حواس وحیات کی کوئی حقیقی حیثیت تسلیم نہیں کرتا، بلکہ اس کے برعکس ان کی سلبی حیثیت کو زیادہ سے زیادہ اُجاگر کرتا ہے۔ ٹھیک یہی وہ مقام ہے جہاں مومن و کافر "حواس وحیات" کے مراتب میں ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں، مومن کے "حواس وحیات" محسوسات کے زندانی نہیں ہوتے، یہاں غشاوہ ہے نہ غطاء ہے حجاب ہے، نہ رین ہے۔ وَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ وہ اللہ کی طرف سے صاحبِ نور ہوتا ہے۔ اس روشنی میں وہ منزل مقصود کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ یہی وہ نور الٰہی ہے جو اصطلاح میں نور کشف کہلاتا ہے۔

علم باللہ کے حصول کے دو طریق ہیں۔

پہلا طریقہ کشف ہے، بر وقت کشف وہ علم جو ضروری ہے انسان اپنے نفس میں حاضر پاتا ہے۔ یہ علم کسی شبہ کو قبول نہیں کرتا۔ یہ انسان کی قدرت سے باہر ہے کہ وہ اس علم سے علیحدہ ہو سکے، یا اس کو علیحدہ کر سکے، اس علم کے لئے کوئی دلیل بھی اس کے پاس نہیں ہوتی بجز اس کے کہ وہ اس کا ادراک اپنے نفس میں کرتا ہے۔

دوسرا طریقہ، فکر و استدلال اور دلائلِ عقلی پر مبنی ہے۔ یہ پہلے طریقہ سے کمتر ہے کیونکہ دلیل میں شبہ داخل ہو سکتا ہے اور ذرا سا شبہ آجانے سے علم قطعی اور یقینی نہیں رہتا، پس کشف والے اس علم کو قبول نہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے اور بحث کرنے والے بھی ان دلائل کو رد کرنے میں حق پر ہو سکتے ہیں، ان دو طریقوں کے علاوہ کسی تیسرے طریقہ سے کوئی اللہ کی توحید کا قائل ہے تو وہ محض رسماً اور تقلیداً توحید کا قائل ہے

عشقِ الٰہی عشقِ رسولؐ

بابا صاحب ایسے آزاد مشرب بزرگ جن کے دامِ عشق میں کونین گرفتار ہیں عالم کی ہر چیز

آپ کی مطیع ومنقاد و فرمانبردار ہے، آپ جس چیز سے کہتے ہیں ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔ خدا کی بارگاہ میں آپ کو یہ مقبولیت ومحبوبیت آخر کس طرح حاصل ہوئی؟

یہ سوال بہت اہم ہے، اس کے جواب میں اُمّت کے لئے عبرت اور سبق موجود ہے۔ آپ یہ جان چکے ہیں کہ باباصاحب سیّد حسنی والحسینی ہیں، امام جعفر صادق علیہ السّلام کے پوتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پاک میں سے ہیں۔ آپ کی زندگی کا ابتدائی دور صوم وصلوٰۃ، تلاوت قرآن سے مزیّن ہے۔ کچھ دور اور چلئے، دیکھئے، عالم شباب ہے، جوانی کی راتیں ہیں مُرادوں کے دن ہیں، مگر صاحب معراج کے دُرّۃ التاج جو باباتاج الدین کے نام سے دنیا میں مشہور ہونے والے ہیں۔ دن رات ذکرِ الٰہی میں گذار رہے ہیں۔ اللہ اور اس کے حبیب کی یاد ہے، اور آپ ؎

یادِ او سرمایۂ ایماں بود — ہر گدا از یادِ او سلطاں بود
یادِ او گر مونسِ جانت بود — ہر دو عالم زیر فرمانت بود

ذکرِ الٰہی کی فضیلت سے کون انکار کر سکتا ہے محبّت کی پہچان یہی ہے کہ محبوب کا ذکر محبوب ہوتا ہے۔ من اَحبّ شیءً فاکثر ذکرہ۔ ایمان کو محبت سے اور محبت کو محبوب کی یاد سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے وَالذین آمنوا اشد حبًّا للہ۔ ایمان والے سب سے زیادہ محبّت اللہ ہی سے کرتے ہیں۔

وہاں یہ بھی فرمایا گیا ہے:۔ فاذکروا اللہ کثیرًا لعلکم تفلحون۔ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو شاید تمھیں فلاح نصیب ہو۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، تمام اعمال شرعیہ، ذکرِ الٰہی کے اس مرکزی نقطہ کے گرد گھومتے ہیں۔ اعمالِ شرعیہ کے اونچے اونچے محلات ذکرِ الٰہی کے سنگِ بنیاد پر کھڑے ہوتے ہیں، اس کے بغیر بڑی سے بڑی عمارت ریت کے ڈھیر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ نماز کو کتابًا موقوتًا، فرمایا گیا ہے اس کو دین کا ستون قرار دیا گیا ہے۔

الصلوٰۃ عماد الدین من اقامہا اقام الدین ومن ھدمہا ھدم الدین۔	نماز دین کا ستون ہے جس نے اس ستون کو قائم کیا، دین کو قائم کیا جس نے اس کو گرایا دین کو گرادیا۔

اقامتِ نماز جس کو اقامتِ دین کہا گیا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے، قرآن اس حقیقت کی طرف نشان دہی کرتا ہے۔ اَقِمِ الصّلوٰۃَ لِذِکرِی (صرف میرے ذکر کی غرض سے نماز قائم کرو)، نماز کی حقیقت ذکرِ الٰہی ہے۔ مگر صرف نماز کا فرض مؤقت ادا کرنے سے آپ ذکرِ الٰہی کے دائمی فرض سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے، فرضِ مؤقت ادا کرنے کے بعد بھی قرآن آپ کو اجازت نہیں دیتا کہ ذکرِ الٰہی سے آپ ایک لمحہ کے لئے بھی غافل ہوجائیں۔

اِذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللّٰہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبکم یعنی جب نماز ادا کرچکو تو کھڑے بیٹھے لیٹے ذکرِ الٰہی میں مشغول رہو۔

انسان ان تینوں حالتوں سے کبھی خالی نہیں ہوسکتا۔ چوتھی حالت تصور میں نہیں آسکتی۔ ہر حالت میں ہر لمحہ ذکرِ الٰہی فرض ہے۔ کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے تینوں حالتوں میں فاذکروا اللّٰہ کی رعایت اور اس حکمِ الٰہی کی تعمیل ہی اس فرضِ دائمی کی ادائیگی ہے، جو قلبِ انسانی کا رُخ ماسوائے اللّٰہ سے موڑ کر اللّٰہ کی طرف کردیتی ہے۔ یہی وہ ذکر ہے جو قرب، حضوری اور مشاہدہ سے لے کر ایک طرف کائناتِ ارضی وسماوی کی تسبیح وتحمید سے ہم آہنگ ہوجاتا ہے اور دوسری طرف صاحبِ ذکر کی نظر میں دنیا کی ہر شے صاحبِ ذکر ہوجاتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز میں اس کو اپنے دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔

وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ۔ کائنات کی ہر چیز اللّٰہ کی حمد میں تسبیح کررہی ہے مگر تم اُس

کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

صاحبِ ذکر کی نظر میں موجودات کلماتِ الٰہیہ ہوجاتی ہیں کیونکہ کوئی چیز بغیر کلمۂ کُن کے موجود نہیں ہوئی۔ پس موجودات کیا ہیں، کلماتِ الٰہیہ ہی تو ہیں موجودات کی رنگارنگی، گوناگونی اہلِ ذکر کے لئے حق کے مشاہدہ میں مانع نہیں ہوتی، عالمِ ظہور کی ہماہمی اور کائناتی مظاہر کی کثرت اور آفاقی مظاہر کی نیرنگیاں انھیں اپنے آپ میں اُلجھاکر خدا کی یاد سے کبھی غافل نہیں کرسکتیں ؎

اس حال میں تو مجھ سے مشکل ہے ترکِ دنیا
دنیا تمام تیرا آئینہ ہوگئی ہے

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ یہ وہ مردانِ خدا ہیں جنھیں خرید وفروخت کی تجارتی مشغولیتیں بھی خدا کے ذکر سے غافل نہیں کرسکتی ہیں۔ ان کا چلنا پھرنا، جاگنا، سونا، اُٹھنا بیٹھنا، کمانا، کھانا، غرضکہ تمام اعمال وافعال، تمام حرکات وسکنات ذکرِ الٰہی کی برکت سے اعمالِ صالحہ ہوجاتے ہیں ذکرِ الٰہی کا یہ وہ تکمیلی درجہ ہے جہاں ذاکر خود مذکور ہوجاتا ہے۔ فاذکرونی اذکرکم۔ (تم میرا ذکر کرو میں تمھارا ذکر کروں گا) بندہ اللّٰہ اللّٰہ کہتا ہے۔ اس کا رب فرماتا ہے لبیک یا عبدی لبیک یا عبدی۔

اس مرتبہ میں قلبِ مومن اللّٰہ کی تجلیات وانوار کا محل بن جاتا ہے اور اس کے حق میں یہ ارشادِ خداوندی صادق آتا ہے۔

لا یسعنی ارضی ولا سمائی و لکن یسعنی قلب عبدی المومن۔

پرتو حسنت نہ گنجد در زمین و آسماں
در حریمِ سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ

اور بندۂ مقرب اپنی اس نسبت پر بجا طور پر ناز کرتا ہوا نغمہ سرا ہوتا ہے۔

کعبہ رایک بار بیتی گفت یار | گفت یا عبدی مرا سفتا دبار
کعبہ بنگاہ خلیل آذر است | دل گذرگاہ جلیل اکبر است

اقسام ذکرِ الٰہی ولایت کی ابتداء و انتہا ذکرِ الٰہی ہے۔ ذکرِ الٰہی کی بہت سی قسمیں ہیں، لیکن چار ان میں مشہور ہیں۔

(۱) ذکرِ لسانی (۲) ذکرِ قلبی (۳) ذکرِ روحی (۴) ذکرِ سِرّی۔

اولیاء اللہ نے صراحت کی ہے۔

ذکر اللسان لَقْلَقَةٌ :۔ ذکرِ لسانی کبوتر کی غٹرغوں ہے۔

و ذکر القلب وسوسۃ :۔ ذکرِ قلبی میں وسوسے اور خطرات ہیں۔

ذکر الرّوح راحۃ :۔ ذکرِ روحی تمام تر راحت ہے۔

ذکر السِّرّ حَالٌ دائمٌ سَرْمَدٌ :۔ ذکرِ سِرّی حال دائمی، ابدی نعمت ہے۔

رُوح جب ذاکر ہوتی ہے تو قلب و زبان ذکر سے ساکت ہو جاتے ہیں اس کو ذکرِ ہیبت کہتے ہیں اور جب ذکرِ قلبی صحیح ہوتا ہے تو زبان ذکر پر آتی آتی ہے اس ذکر کا نام ذکرِ اوصاف و نعمات ہے۔ اور جب قلب ذکر سے غافل ہو جاتا ہے اور زبان ذکر میں سبقت کرتی ہے تو اس ذکر کا نام ذکرِ عادت ہے۔

پھر ان میں سے ہر ذکر کے لئے ایک آفت ہے۔ ذکرِ روح کی آفت یہ ہے کہ سِرّ اس پر مطلع ہو جائے اور ذکرِ قلب کی آفت یہ ہے کہ نفس اُس پر مطلع ہو جائے اور ذکرِ نفس کی آفت یہ ہے کہ نفس اپنے آپ کو دیکھے۔

غیرت از چشم برم رُوئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن نہ دہم

بہر کیف مراتبِ ذکر جس قدر مختلف ہیں، اتنے ہی مراتبِ ولایت مختلف ہیں ؎

اے ترا بہر دلے رازِ دگر | ہر گدا را بر درت نازِ دگر

مجاہدات اور ذکر وفکر کا دور

حضور باباصاحب تاج الاولیاء، بحالتِ ملازمت فوج ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن کا التزام واہتمام فرماتے تھے، صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ جس زمانہ میں آپ بسلسلہٴ ملازمت بمقام ساگر (سی پی) مقیم تھے آپ کا معمول تھا کہ حضرت داؤد مکی ساگری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پُرانوار پر راتیں ذکرِ الٰہی میں گذارتے، ایک عرصہ تک آپ کا یہی معمول رہا تا آنکہ ایک مُبارک رات آپ کے پاس مقبولیت کا پیغام لے کر آئی، اُس وقت آپ ذکر سے گذر کر مذکور سے مشرف ہوئے ؎

اللہ اللہ بانگ ہست و یا صدا　　بے مسمیٰ اسم کے باشد روا
اسم میجوئی مسمیٰ را بجو　　بے مسمیٰ اسم کے باشد نکو

(مولینا رومؒ)

آگ آگ کہنے سے زبان نہیں جلتی، پانی کا نام لینے سے پیاس نہیں بُجھتی، مگر آگ کی ایک چنگاری بھی زبان پر وارد ہو تو زبان جل جاتی ہے۔ پانی کا ایک قطرہ زبان کو تر کر دیتا ہے۔ مولینا رومؒ فرماتے ہیں کہ اسم بغیر مسمیٰ کے بیکار محض ہے، محض خدا کا نام رٹنے سے کام نہیں چلتا، خدا کے طالب بنو، مسمیٰ سے غافل ہو کر محض اسم پر قانع ہو۔

معتبر روایت سے معلوم ہوا کہ مقبولیت کے وقت حضور کو غیب سے ندا آئی، تمھارا ذکر مقبول ہے، مانگو کیا مانگتے ہو؟ آپ متوجہ نہ ہوئے پھر آواز آئی، اب بھی آپ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے، اُدھر متوجہ نہ ہوئے۔ تیسری بار پھر آواز آئی، جو طلب کرو گے ملے گا، مانگو کیا مانگتے ہو؟ اس مرتبہ آپ نے جواباً عرض کیا

"اے اللہ! میں تیرے سوا اور کچھ نہیں مانگتا"

تیر نشانہ پر لگا، آرزو پوری ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلّیٔ ذاتی سے آپ کو

نوازا۔ اس تجلّی میں آپ اپنے اسم و رسم، تعیّن و تشخص کے ساتھ چھپ گئے، خدا آشکار ہو گیا اذا رأوا ذکر اللہ (ھم اذا رأو ذکر اللہ)، اب اپنے کو دیکھنے سے خدا یاد آنے لگا آپ خدا کی قدرت کا مرقع ہو گئے، اپنی محدود ہستی کا علم اور اس کے تقاضے یکبارگی ختم ہو گئے، خدا کی ذات میں محو و مستغرق ہو کر سراپا جذب و مستی اور سر تا بقدم کیف و سُکر بن کر پہاڑی سے نیچے (جہاں مزار شریف تھا) شہر میں تشریف لائے تو اس سے پہلے ملاء اعلیٰ میں آسمانِ دنیوی پر آپ کی مقبولیت کا اعلان اور آپ کی محبوبیت کی مُنادی بارگاہِ الٰہی سے ہو چکی تھی جیسا کہ وارد ہوا ہے۔

مالك عن سهيل بن ابي صالح عن ابيه عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا احب الله العبد قال لجبرئيل يا جبرئيل اجبت فلاناً فاحبه فيحبّه جبرئيل ثم ينادى فى اهل السماء ثم يضع له القبول فى الارض

(موطا امام مالک صفحہ ۳۷۸)

آپ لوگوں کا مرکزِ توجہ بن گئے، نانی اماں کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے کھانا کھلانا چاہا تو آپ نے پتھر کے ٹکڑے اُٹھا کر فرمایا، اماں دیکھو، کتنی اچھی مٹھائی ہے! اور بے تکلف ان سنگریزوں کو اٹھا کر آپ نے تناول فرمایا، جیسے مٹھائی کھاتے ہوں ؎

کیمیا داری کہ تبدیلش کُنی　　گرچہ جوئے خوں بود نیلش کُنی

خوں بنافت نافۂ مشکے می کُنی　　سنبل و ریحاں چرد پشکے کُنی

ذکرِ الٰہی کے سلسلہ میں یہ واقعات قابلِ ذکر تھے تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں کہ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو اعلیٰ مدارج ولایت حاصل ہوئے اور جو خوارقِ عادات و بے شمار کرامات آپ سے ظہور پذیر ہوئے، اُس کا پسِ منظر کیا ہے؟ وہ چیز جس نے آپ کو

آسمانِ ولایت پر آفتاب نصف النہار کی طرح چمکا یا کیا تھی؟ خوب اچھی طرح یاد رکھیئے اور یقین کیجئے، یہ وہ حقیقت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ وہ چیز صرف ذکر الہیٰ تھا۔ ذکر میں اخلاص تھا اور ایک اللہ کے ولی کا قرب تھا۔ حضرت داؤد مکی ساگری رحمتہ اللہ علیہ کا مزار پُرانوار اور اللہ کا ذکر، اس کا نتیجہ دُنیا نے دیکھا، لاکھوں دیکھنے والے آج بھی زندہ ہیں۔ تاج الاولیاء تاج الملت والدین شہنشاہ ھفت اقلیم سیّد محمد بابا تاج الدین ناگپوری، اسلام، بانیٔ اسلام، پیغمبر اسلام کی صداقت کا علمبردار بن کر دُنیا میں ظاہر ہوئے۔ لاکھوں غیر مسلم، ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی آپ کی بدولت اسلام کی حقانیت کے قائل ہوئے، مادّی ترقی کے اس دور میں جب کہ روحانیت کا انکار وباکی طرح پھیل رہا تھا، معجزات وکرامات کو اساطیر اوّلین سمجھا جانے لگا تھا، دربار تاج الاولیاء میں حاضر ہونے والی بے شمار مخلوق نے کُن فیکون کی تجلیوں کا مشاہدہ کُھلی آنکھوں سے کیا اور دیکھا کہ ؎

خدا کُن ان لبوں سے کہہ رہا ہے
یہاں دریائے وحدت بہہ رہا ہے

عبدی اَطِعنِی اجعلك ربّانیاً تقول لِلشیٔ کن فیکون۔

(حدیثِ قدسی)

اے میرے بندے میری اطاعت کر میں تجھ کو اللہ والا بنا دوں گا، پھر تو جس چیز سے کہے گا ہو جا، وہ ہو جائے گی۔

کسی کو یہ خیال نہ گزرے کہ ولایت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے کے بعد اور مذکور تک پہنچنے کے بعد ذکرِ الہیٰ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ خیال درست نہیں جیسا کہ ہم شروع میں بتا چکے ہیں ذکر کی بہت سی اقسام ہیں اور ہر قسم کے بہت سے مراتب ہیں کسی مرتبہ میں "ذکرِ اسم" معتبر ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ ——— اپنے رب کا نام ذکر کیجئے۔

اور کسی مرتبہ میں ذکر مسمیٰ مطلوب ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ ——— اپنے رب کا ذکر کیجئے۔

یہاں اسم مذکور نہیں ہے پس دونوں آیتوں میں جو فرق مراتب ہے اس میں غور و تدبر لازم ہے۔ پھر ایک ایسا بھی مرتبہ ہے جہاں اسم عین مسمیٰ ہوتا ہے جیسا کہ حضور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یقیں بداں کہ تو باحق نشستہ شب و روز
جو ہمنشیں تو باشد خیالِ نامِ خدا

حضور بابا صاحب رضی اللہ عنہ ہر وقت مشاہدہ جلال و جمال میں محو و مستغرق تھے، مگر ذکرِ الٰہی آپ کی رگ و پے میں انوار و تجلیات بن کر سرایت کر چکا تھا، بغیر کسی قصد و ارادہ کے ہمہ وقت ذکر جاری تھا، رہ رہ کر ایک نہایت درد بھری باریک سریلی آواز اللہ اللہ کی آپ کے سانس سے اور قلب سے سنائی دیتی تھی جس کو سننے کے بعد آدمی کا اپنے آپے میں رہنا دشوار تھا، مولوی سید محمد ضیاء الحق صاحب جو حضور کی خدمت میں اکثر حاضر رہے ہیں مجھ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اسم ذات کی روح پرور دل نواز ٹھنڈی میٹھی صدائیں قربِ حضوری میں ہمیشہ اپنے کانوں سے سُنی ہیں۔

ذکر ہم نے ذکرِ الٰہی کے مراتب بیان کئے ہیں، ان میں طالبانِ خدا کا حسبِ مراتب حصّہ ہے، آخر میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ذکرِ الٰہی سے مقصود تکمیلِ نفس ہے۔

تکمیل نفس شیخ اکبر محی الدین ابن عربی وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

وَاذْكُر اسْمَ رَبِّكَ الَّذِىْ هُوَ اَنْتَ اى اعرفْ نَفْسَكَ وَاذْكُر
هَا وَلاَ تَنْسَاهَا فَيُنْسَاكَ اللهُ وَاجْتَهِد لتحصيل كَمَا لِهَا بَعْدَ مَعْرِفَةِ
حَقِيْقَتِهَا ط یعنی آپ اپنے رب کا ذکر کریں اور وہ آپ ہی میں ہے، یعنی اپنے نفس
کو پہچانیں اُسے یاد کریں اور نہ بھلائیں ورنہ خدا آپ کو بھلا دے گا اور حقیقتِ نفس
کو پہچاننے کے بعد اس کے لئے تحصیل کمال کی جد وجہد فرمائیں۔

خُدا کو بھولنا خود کو بھولنا ہے

خدا تعالیٰ نفسِ انسانی کا عین ہے ک
اس نے ہمیں خبر دی ہے۔
وَفِی اَنْفُسِکُم اَفَلاَ تُبْصِرُوْنَ ط اور ہمیں خوشخبری سُنائی ہے سنریھم اٰ
تِنَا فِیْ اَنْفُسِہِمْ الخ ہم ان کو اپنی نشانیاں ان ہی کے نفسوں میں دکھائیں گے حضو
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ - جس
اپنے آپ کو پہچانا اُس نے یقیناً اپنے رب کو پہچانا۔ پس عرفانِ نفس عین عرفانِ حق ہے
ذکرِ نفس عین ذکرِ حق ہے۔

نسیانِ نفس عین نسیانِ حق ہے جیسا کہ قرآن میں صراحت کی گئی ہے

لاتکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسہم ط (الحشر)

ایمان والو! تم ان لوگوں جیسے نہ بنو جنھوں نے خدا کو بھلا دیا، تو اللہ نے

سے ان کے نفسوں کو بھلا دیا۔

انیک رُوپ میں ایک

تذکرہ میں جا بجا ایسے واقعات آپ
نظر سے گذریں گے جن میں بتایا گیا
کہ حضور بابا صاحب رضی اللہ عنہ نے جس صورت میں چاہا آپ کو متمثل کر دکھ
کہیں کرشن جی کے رُوپ میں، کہیں بشیشور جی کے روپ میں، کہیں بزرگانِ د
صورت میں، کبھی کسی محبوب کی شکل میں، کبھی کسی کے مطلوب کے سراپا میں

ظاہر ہوئے، کہیں بیرسٹر بن کر مقدمہ کی پیروی کر رہے ہیں، کہیں ملازمت سے کسی غیر حاضری کی صورت میں کارگذار ہیں۔ اس قسم کی کرامات کو کتاب و سنت کی روشنی میں کیا مقام حاصل ہے؟ آئیے دیکھیں۔

(۱) از روئے قرآن حضرت جبریل علیہ السّلام کا بشری صورت میں متمثل ہو کر حضرت مریم علیہا السّلام کے پاس آنا ثابت ہے۔

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ط

(۲) حدیثِ احسان سے حضرت جبریل علیہ السلام کا دحیہ کلبی کی صورت میں آکر اسلام، ایمان اور احسان کے مسائل پر گفتگو کرنا ثابت ہے۔ پس کتاب و سنت کی نظر میں یہ صنفِ کرامت اجنبیت نہیں رکھتی بلکہ ایک جانی پہچانی حقیقت کا درجہ رکھتی ہے بشر کا صورت ملکی میں اور ملک کا صورت بشری میں تمثّل ثابت ہے۔ ہاں ایک بات اس مقام سے متعلق یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ کرامت کی یہ قسم کمالِ روحانیت پر دلالت کرتی ہے جو رُوح الامین سے مجرّد روح ہونے کے باعث ظہور پذیر ہوئی۔

حضور بابا صاحب سے اس قسم کی کرامتوں کا ظہور اس حقیقت پر گواہ ہے کہ آپ جسمانی و عنصری کثافتوں سے پاک و صاف ہو کر سراپا انوار اور مجسم روح بن چکے تھے، اس لئے وہ کمال روحانی جو ہر مسلمان کو جنت کی زندگی میں حاصل ہو گا جس کا نام حیاتِ طیبہ ہے۔ آپ کو اسی حیاتِ طیبہ میں یہاں حاصل تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک بازار ہے اس میں مردوں اور عورتوں کی صورتوں کے سوائے کوئی چیز قابل فروخت نہیں آدمی جب چاہے جس صورت میں چاہے داخل ہو جاتا ہے یعنی ہر صورت ہر شکل ہر رنگ و روپ میں انسان خود کو نمایاں کر سکتا ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے ؎

دید کی اپنی جب ہوئی خواہش   آپ کو ہر طرح بنا دیکھا

عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ لَسُوْقًا مَا فِیْھَا شِرًا وَلَا بیع اِلَّا الصُّوَرُ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ فَاِذَا اشْتَھَی الرَّجُلُ صُوْرَۃً دَخَلَ فِیْھَا ط (اخرجہ الترمذی)

گہے در صورتِ لیلیٰ فرد شد   گہے بر صورت مجنوں بر آمد

طے ارض

دور دراز مقامات پر چشم زدن میں خود پہنچ جانا، دوسروں کو پہنچا دینا، پاس کی چیزوں کو دور بھیج دینا، دور کی چیزوں کو پاس بلا لینا، زمان و مکان کے فاصلوں کا سمٹ جانا، مسافت کے مرحلوں کا پلک جھپکتے ہی طے ہو جانا کرامت ہے جو "طےِ ارض" کہلاتا ہے۔ بابا صاحب کے حالات میں یہ کرامت جگہ جگہ نمایاں ہے۔ آیئے کتاب و سنت کی روشنی میں اس صنفِ کرامات کا جائزہ لیں۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام اور بلقیس کے قصّہ میں قرآن شریف سے پتہ چلتا ہے کہ تخت بلقیس کو لانے کے لئے ایک عفریت جنّی نے کہا تھا۔ اَنَا اٰتِیْكَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ (النمل) آپ اپنی جگہ سے کھڑے ہوں اس سے پہلے میں تخت بلقیس کو حاضر خدمت کر سکتا ہوں۔ مگر ایک بزرگ نے جو علم کتاب سے موصوف تھے عفریت جنّی سے بڑھ چڑھ کر فرمایا:۔

اَنَا اٰتِیْكَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ (النمل)

میں آپ کے پاس اس کو آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر سکتا ہوں۔

بہرصورت قرآن شاہد ہے کہ پلک جھپکنے میں شہر سبا کی ملکہ کا تخت اس بزرگ ولی اللہ کی کرامت سے سلیمان علیہ السّلام کے دربار میں حاضر ہو گیا۔

احادیث و آثار میں بھی اس قسم کے واقعات بے شمار ملیں گے۔ معراج شریف کا واقعہ شاہد ہے کہ زمان و مکان کے فاصلے سمٹ کر ایک نقطہ پر جمع ہو گئے تھے۔ ان شواہد کی روشنی میں "طے ارض" کی کرامتوں کا حضور بابا صاحب سے ظہور پذیر ہونا کتاب و سنت میں مندرجہ واقعات کی زندہ تصدیق ہے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام کے قصہ میں ہے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ط۔

یعنی زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السّلام کا ارادہ کیا اور حضرت یوسفؑ بھی اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے تو زلیخا کا ارادہ کرتے۔

یہاں برہان ربی سے مراد حضرت یعقوب علیہ السّلام ہیں جو مثالی صورت میں حضرت یوسف علیہ السّلام کو زلیخا کی خلوت میں نظر آئے اور اجتناب کا اشارہ کیا۔ اپنی جگہ پر موجود ہوتے ہوئے دوسرے مقامات پر خود کو نمایاں کرنا حضرت بلالؓ کی کرامت ہے۔

کما ورد فی الحدیث الصحیح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لبلال یا بلال بم سبقتنی الی الجنۃ فما وطئت منھا موضعًا الا سمعت خشخشتك امامی فقال یا رسول اللہ ما احدثت قطًا الا توضأتُ ولا توضأتُ الا صلیت رکعتین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھما۔

یعنی صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے فرمایا اے بلال تم کس (حسن عمل کی) وجہ سے جنت میں میرے آگے آگے (شب معراج) چل رہے تھے جس مقام پر بھی جنت میں پہنچا وہاں تمھارے پاؤں کی چاپ اپنے آگے سنی۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں ہمیشہ باوضو رہتا ہوں اور جب وضو کرتا ہوں دو رکعت

پڑھ لیتا ہوں۔ فرمایا، انھیں دو عمل کا یہ نتیجہ ہے۔

بہت سے بندگانِ خدا ہیں جو وقتِ واحد میں اعمال کثیرہ بجالاتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنی سماعت کو کلام اللہ سننے میں جس وقت لگاتے ہیں اُس وقت ان کی آنکھیں آیاتِ الٰہیہ دیکھتی ہیں، اسی وقت ان کے ہاتھ صدقہ ادا کرتے ہیں اسی وقت وہ روزے سے ہوتے ہیں، جس وقت نماز میں ہوتے ہیں، عین اسی وقت ذکرِ الٰہی میں ہوتے ہیں۔ جس وقت ذکرِ الٰہی میں ہوتے ہیں، عین اسی وقت فعل و ترکِ فعل کی نیت میں ہوتے ہیں۔

پس وقتِ واحد میں وہ وجوہاتِ کثیرہ کی بنا پر مستحقِ اجر ہوتے ہیں اور اس لئے ایسے اشخاص کو اُن لوگوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے جو اس حال میں نہیں ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ الثمانیۃ ابواب من الجنۃ ید خل من ایّھا شاء۔ جنت کے آٹھ دروازے ہیں تاکہ جس دروازے سے چاہے داخل ہوجائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یَارَسُولَ اللّٰہ مَا عَلَی الاِنسَانِ اَنْ یَدخُلَ مِنَ الاَبوَابِ کُلِّھَا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کیا انسان اس امر پر قادر ہے کہ ان آٹھوں دروازوں سے بیک وقت داخل ہوسکے؟ حضور نے فرمایا اَرْجُوْا اَنْ تَکُوْنَ مِنْھُمْ یَا اَبَابَکْرٍ! میں امید کرتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے ہوگئے اے ابوبکر۔

یہ وہی بات ہے جو ہم کہہ چکے ہیں کہ وقت واحد میں انسان بہت سے اعمال کرسکتا ہے۔ جنت کے آٹھوں دروازوں سے بیک وقت داخل ہونا بھی بہت سے اعمال بیک وقت بجالانے کا ثمرہ ہے۔

حیاتِ دنیوی سے حیاتِ اُخروی باعتبار روحانیت و لطافت نہایت

اعلیٰ ہوگی وہاں بیک وقت جنت کے آٹھ دروازوں سے داخل ہونے کی بشارت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اس سے اندازہ کیجئے کمالاتِ انسانی کے عرفان میں حضور کا مرتبہ کتنا ارفع و اعلیٰ ہے۔ آپ کے ادنیٰ غلام اس حیاتِ دنیوی میں جو مادی کثافتوں سے آلودہ ہے ایسی روحانی قوت رکھتے ہیں کہ بیک وقت مقاماتِ کثیرہ پر بعینہٖ موجود ہو سکتے ہیں۔

ہم اس حقیقت کا ادراک کبھی کبھی خواب کی حالت میں کرتے ہیں۔

۵۹۹ ہجری میں شیخ اکبر حضرت محی الدین ابنِ عربی نے خواب میں دیکھا کہ کعبہ شریف سونے چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا ہے۔ آپ اُس کے حسنِ تعمیر حسنِ تکمیل کے مشاہدہ میں محو تھے کہ رکن یمانی اور رکن شامی کے درمیان دیکھا کہ ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی کم ہے ان کی جگہ خالی ہے، آپ کا نفس ان دونوں اینٹوں کی صورت میں منطبع ہو کر دیوار میں جا لگا، آپ اپنی جگہ کھڑے دیکھتے رہے اور سمجھتے رہے کہ میں اپنی جگہ کھڑا ہوا ہوں، اور اینٹ بن کر کعبہ شریف میں بھی لگا ہوا ہوں، اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ تھا کہ وہ اینٹیں آپ خود ہی تھے۔

جب آنکھیں کھلیں تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور آپ نے اس خواب کی تعبیر یہ فرمائی کہ انّی فی الاتباع فی صنفی کرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الانبیاء علیہم السلام وعسی ان اکون ختم اللہ الولایۃ بی۔

میں اولیاء اللہ میں بلحاظ اتباع رسول، ایسا ہوں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم السّلام میں تھے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے خاتم الاولیاء کر دے۔

نباتات کا حیوانات بن جانا | ایک درخت کے پتّہ کی طرف اشارہ

فرماتے ہوئے باباصاحب نے ایک طوائف سے فرمایا

"اپنے معبود کو سجدہ کرو"

جب وہ سجدہ کرنے لگی تو پتّہ بچھو کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ یہ واقعہ تذکرے میں کہیں ملے گا۔

عقل یہاں ہچکچاتی ہے کہ بیجان پتّہ آخر کس طرح جاندار ہو سکتا ہے، مگر خرقِ عادت کی یہ قسم بھی قرآن سے ثابت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اللہ تعالےٰ کا حکم ہوتا ہے کہ:۔ وَاَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ

اپنا عصا ڈال دیجیئے پھر جو انھوں نے دیکھا تو وہ لہراتے ہوئے سانپ ایسا تھا۔

شق القمر

باباصاحب سے یہ کرامت بھی منسوب ہے، قطبِ مدارِ عالم کا دائرۂ تصرف، عرش سے تحت الثریٰ تک مسلم ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

۱۔ حاملِ دیں بود او محمول شد	قابلِ فرماں بُد او مقبول شد
۲۔ تاکنوں فرماں پذیرفتی ز شاہ	بعد ازاں فرماں رساند بر سپاہ
۳۔ تاکنوں اختر اثر کردے درو	بعد ازاں باشد امیرِ اختر او
۴۔ گر ترا اشکال آید در نظر	پس تو شک داری دراں شق القمر

ترجمہ:۔ (۱) پہلے وہ دین کا بار اٹھانے والا تھا، اب وہ سوار بن گیا ہے۔ پہلے وہ فرمانِ الٰہی قبول کرنے والا تھا، اب وہ مقبولِ خدا ہو گیا ہے۔

(۲) پہلے وہ احکامِ شاہی قبول کرتا رہا یہاں تک کہ وہ حکم شاہی سے تمام فوج پر حاکم بنا دیا گیا ہے۔

(۳) پہلے ستارے اس پر اثر کرتے تھے، اب وہ ستاروں پر اثر انداز ہوتا ہے وہ "امیرِ اختر" ہو گیا ہے۔

(۴) اگر تجھ کو اس کے امیرِ اختر ہونے میں کوئی اشکال نظر آتا ہے تو پھر تجھکو شق القمر کے معجزے میں بھی شک ہے۔

معجزۂ شق القمر جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے ایک تصرف ہے، کوئی مسلمان اس خرقِ عادت میں شک نہیں کر سکتا، نہ اولیاء اللہ کے امیر اختر ہونے میں کوئی شک کر سکتا ہے۔

سلبِ امراض و اعادۂ حیات

مردوں کا زندہ کرنا خدا کی صفت ہے مگر خدا کی اس صفت کا ظہور نبیوں اور ولیوں سے ہونا بھی عادتِ الٰہیہ کے موافق ہے۔ شفا عنایت کرنا بھی خدا ہی کا کام ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردے زندہ کیا کرتے تھے، مریضوں کو بھلا چنگا کر دیتے تھے، سلبِ امراض اور اعادۂ حیات کی یہ صفات عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ کہلاتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہی ما فوق الفطرت طریق پر ہوئی، بجائے باپ کے حضرت جبرئیل علیہ السلام صورت بشری میں متمثل ہوئے تھے۔ اس لئے آپ پدری نسبت میں روح الامینی نسبت کے مالک تھے، روح الامین کی خاکِ پا بھی مظہرِ حیات ہے چہ جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام جو روح اللہ ہیں۔ سامری نے حضرت جبرئیل کی خاکِ پا سے ایک چٹکی لے کر مردہ گوسالہ میں ڈالی تو وہ زندہ ہو گیا۔ قرآن میں ہے۔ فقبضت قبضۃ من اثر الرسول۔

پس حیات اور اعادۂ حیات کی صفات کا ظہور انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین اولیاء اللہ سے ہونا، کتاب و سنت کی روشنی میں ظاہر ہے۔ بلکہ یہی وہ خدا داد قدرت ہے جس سے منکرین مغلوب و عاجز ہو کر ایمان لانے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ بابا صاحب کے حالات میں بکثرت ایسے واقعات ملیں گے کہ آپ نے بیشمار مریضوں کو اچھا کر دیا، مُردے زندہ کئے، زندگی میں خیر و برکت عنایت کی، عمریں

بڑھا دیں۔ کسی کو یہ شبہ نہ گذرے کہ جو معجزے انبیاء علیہم السلام سے سرزد ہوئے ہیں وہ اولیاء کی کرامت کس طرح ہو سکتی ہیں۔

معجزے اور کرامت میں معناً کوئی فرق نہیں دونوں کا مفہوم واحد ہے، فرق ہے وہ اصطلاحی ہے، جو خرقِ عادت نبی سے ظہور پذیر ہوتا ہے معجزہ کہلاتا ہے اور جو خرقِ عادت ولی سے سرزد ہوتا ہے کرامت کہلاتا ہے۔

سوالاکھ ولی

ایک لاکھ چوبیس ہزار ولیوں کی تعداد کے موافق ہر زمانے میں اولیاء اللہ ہوتے ہیں قطب مدار عالم ان سب کا حاکم اور افسر ہوتا ہے۔ سوالاکھ اولیاء اللہ میں غوث، قطب ابدال اوتاد نجباء و نقباء سب شامل ہیں جو بحکم قطب مدار عالم لبقدرِ مراتب عالم میں متصرف ہیں کہیں وہ جذب سے نظمِ عالم میں مصروف ہیں کہیں وہ سلوک سے رشد و ہدایت پر مامور ہیں۔ کہیں وہ جامع جذب و سلوک ہو کر مجمع البحرین ہیں آپ کے سوالاکھ ولی بنانے کا یہی مطلب ہے۔

تعلیم و تربیت

اس تذکرہ میں جا بجا ایسے واقعات ملیں گے جن سے ثابت ہے کہ حضور بابا صاحب اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت مختلف انداز میں فرماتے ہیں۔ حسام الدین کو خواب میں مُرید کیا، نانا میاں نے مرید ہونا چاہا تو ہاتھ بڑھایا ید اللہ فوق اید یھم۔ پوری آیت تلاوت کی۔ یوسف شاہ بابا کو شغل میت تعلیم فرمایا، اس شغل میں تنگ و تاریک جگہ کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ آپ کو کنویں میں بٹھایا گیا پھر اس شغل میں ترک غذا لازمی ہے چنانچہ ترکِ غذا کا حکم دیا گیا صرف چائے کی اجازت دی، مُنہ کا ذائقہ درست کرنے کے لئے نمک مرچ کھانے کی خواہش دل میں لے کر وہ حاضر ہوئے تو آپ نے دیکھتے ہی فرمایا "ہوا بول رہی ہے"۔

جب شغل مکمل ہوگیا اور نورِ وحدت جلوہ فگن ہوا تو حضور نے آپ کو خلافت نامہ تحریر فرما کر عطا کیا خلفِ صالح یعنی بیٹا قرار دیا، تمام ہندوستان میں سلسلہ تاجیہ کی نشر و اشاعت کا حکم دے کر قطبِ ارشاد کے درجہ پر فائز کیا۔ اسی حکم کی برکت سلسلہ یوسفیہ تاجیہ میں ہر آن جاری وساری ہے یہاں کوئی ایسا بچہ نہیں جو حضور بابا صاحب کی زیارت و بشارت سے مشرف نہ ہوتا رہتا ہو آپ کی روحانیت اور نسبت کا تعدیہ یہاں عام ہے، الحمد للہ۔ تعلیم و تربیت رشد و ارشاد اور سلوک الی اللہ کی تکمیل کا یہی ایک نمونہ بطورِ مثال کافی ہے۔

احترامِ شریعت

کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ آپ ہر شخص کو اللہ اللہ کرنے کی ہدایت فرماتے، آپ کا ارشاد ہے مسلمان کے لئے تلاوت قرآن اور درود شریف لازم ہیں تلاوت قرآن سے ضعیف قوی ہوجاتا ہے آپ کا ارشاد ہے ہمارے بچے نشہ نہیں کرتے، فدائے رام سود خوار تھا حاضر ہوا تو آپ نے سرزنش کی توبہ کرائی، قاضی نور احمد نے بازو میں حضور کا فوٹو لگا رکھا تھا اُن کو بشارت دی طلب کیا اور فرمایا بازو بند کھول دو۔

انسانی ہمدردی

ہر شخص کی مصیبت اور تکلیف اپنے آپ پر وارد فرما کر رفع فرماتے، ہر کرامت نوعِ انسانی کی خدمت تھی۔ پھر بھی آپ نے ایک ضعیف آدمی اور کمزور بڑھیا کو چکی پیستے دیکھا جن سے چکی نہیں چل رہی تھی تو بہ نفسِ نفیس خود چکی چلائی، آٹا پیسا سمیٹا اور ان کے حوالے کیا۔ ایک معذور کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا۔

آپ کے دربار میں ہزاروں غریب، مفلس، ناتواں، اپاہج، بیمار، حاجت مند، بے روزگار لوگوں کی پرورش کا سامان تھا۔

بے لوث خدمت

ہزاروں افراد کو روزانہ آپ سے فیض پہنچتا تھا۔

حاضرین میں والیانِ ریاست، عمائدینِ حکومت، اُمراء، رؤساء و تجار نذرانے بیش از بیش پیش کرتے مگر وہ سب غریبوں پر خرچ ہوتا تھا اس کا انتظام راجہ صاحب نے کر رکھا تھا۔ نوعِ انسان کی بے لوث خدمت کی جائے۔ اہلِ فقر اور اربابِ حکومت کے نام شہنشاہِ ہفت اقلیم کا یہ پیغام ہے۔

مورتیوں کے آنسو

۱۹ اگست ۱۹۲۵ء کو جب حضرت بابا صاحب نے پردہ فرمایا تو مورتیوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

اس زمانہ کے اخبارات نے اس خبر کو نہایت حیرت اور استعجاب سے شائع کیا، اخباروں نے یہ بھی لکھا کہ ہمارے نمائندے ناگپور پہنچے اور انھوں نے بعد تحقیق اس خبر کو شائع کیا ہے۔

اخباروں کے نام اور مفصل پتے کتاب تاج مراری میں تفصیل سے درج ہیں یہاں صرف اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ بتوں کے ساتھ بابا صاحب کا یہ سلوک کہ ان کی توہین و تذلیل میں کبھی کوئی کمی اٹھا نہ رکھی اور بتوں کا بابا صاحب کے ملال میں یہ حال کہ وصال کے غم میں اشکبار؟ آخر اس میں کیا راز ہے ہم شروع میں بتلا چکے ہیں کہ قطبِ مدارِ عالم سے جمادات، حیوانات، نباتات بیعت کرتے ہیں۔ ان معنوں میں بابا صاحب تمام موجودات کے پیر و مرشد تھے۔ پس جمادات کا آپ کے غم میں تعزیت مشہود۔

جمادات کو شعور

یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا پتھروں میں احساس شعور بھی ہے؟

کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا جواب اثبات میں ہے۔

ینفجر منہ الانہار۔ پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔

یھبط من خشیۃ اللہ۔ پتھر خدا کے خوف سے گر پڑتے۔

ابوجہل کی مٹھی میں کنکریوں نے کلمہ پڑھا تھا۔ قرآن کائنات کی ہر چیز کو باشعور بتاتا ہے۔

وان من شئٍ الا یسبح بحمدہٗ — کوئی شے ایسی نہیں جو خدا کی حمد میں تسبیح خوانی نہ کر رہی ہو۔

مگر اس شعور کا شعور خاص ہے عام نہیں۔

ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔ لیکن تم اس کی تسبیح نہیں سمجھ سکتے۔

بُت پرستی ممنوع کیوں

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب صوفیائے کبار کے نزدیک کائنات میں کوئی شے غیر خدا نہیں ہے اللہ ہی اللہ ہے تو پھر بُت پرستی کو شرک کیوں کہا جاتا ہے، بُت غیر خدا کہاں سے آئے۔

ان کا جواب ہم کسی قدر تفصیل سے دیں گے۔ جواب سے پہلے اس امر کو ذہن نشین کر لیجیے کہ حقائق اشیاء ازل سے ابد تک کبھی تبدیل نہیں ہوتے، وہ حقائق اشیاء کیا ہیں؟ — اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔ اس کو یوں سمجھئے حیات کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ حیٌّ محیٌ۔ حیات کے حقائق ہیں۔ علم کی حقیقت، اللہ کا اسم علیم ہے۔ قدرت کی حقیقت، اللہ کا اسم قدیر ہے۔ ارادہ کی حقیقت، اللہ کا اسم مُرید ہے۔ سماعت کی حقیقت، اللہ کا اسم سمیع ہے۔ بصارت کی حقیقت، اللہ کا اسم بصیر ہے۔ نفع کی حقیقت، اللہ کا اسم نافع ہے۔ ضرر کی حقیقت، اللہ کا اسم ضار ہے۔ موت کی حقیقت، اللہ کا اسم ممیت ہے۔

اسی طرح ہم کائنات اور اشیائے کائنات کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے

اسمائے حسنیٰ کو قرار دیتے ہیں۔

خواص، آثار، افعال

اس کا نتیجہ قطعی طور پر یہ برآمد ہوتا ہے کہ کائنات اور اشیائے کائنات میں خواص، آثار و افعال جو پائے جاتے ہیں ان کی نسبت خدا کی طرف ہو جاتی ہے۔ ذرّہ سے لیکر آفتاب تک ثریٰ سے لیکر ثریا تک کوئی شے، کسی خاصیت، کسی تاثیر، کسی فعل میں آزاد و خود مختار نہیں رہتی بلکہ ہر شے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی خاصیت، تاثیر اور فعل کی مظہر ہو کر نظر میں آتی ہے۔ یہاں تک کہ کسی شے کا وجود بحیثیت شے ثابت نہیں ہو سکتا، وجود شے، حکم الٰہی پر منحصر ہو کر بمنزلہ شے میں ظہور اسم الٰہی متعین ہوتا ہے۔ وجود و شہود میں توحید کا مطلب مختصراً یہی ہے۔

اس اصول سے قطع نظر کے بعد کائنات ایک عظیم الشان بت خانہ رہ جاتا ہے جہاں قدم قدم پر ذرّہ ذرّہ اپنے وجود سے موجود، اپنی خاصیت سے مخصوص، اپنی تاثیر سے موثر۔ ساری عمر زبان سے کہتے رہئیے سب کچھ خدا ہی کے اختیار میں ہے، مگر میدان عمل میں سب کچھ غیر اللہ اور اشیائے کائنات کے احاطۂ اقتدار میں نظر آئے گا۔

زبان کو شرک سے بچاتے رہنے اور دل کو شرک میں مبتلا رکھنے پر مجبور رہوں گے۔ خیر تو یہ جملۂ معترضہ تھا، میں عرض کر رہا تھا کہ کائنات اور اشیائے کائنات کے پردے میں اسماء اللہ کا ظہور ہے۔ اس لئے عارفین و اہل اللہ کی نظریں ان چیزوں کو دیکھ کر خدا کو دیکھتی ہیں، یا خدا کو اور چیزوں کو بیک وقت دیکھتی ہیں۔ یہی وہ تین اقسام نظر ہیں جو اہلِ نظر کا منتہائے نظر ہے۔ چوتھی نظر کفر والی و شرک والی و تفرقہ کی نظر ہو سکتی ہے، خدا اس سے محفوظ رکھے۔

وہ نظر جو چیزوں کو دیکھکر خدا کو دیکھتی ہے وہ پہلے لباس کو دیکھتی ہے

پھر لباس پہننے والے کو دیکھتی ہے، اور وہ نظر جو خدا کو دیکھ کر چیزوں کو دیکھتی ہے وہ محبوب جامہ زیب کو پہلے دیکھتی ہے اور لباس کو بعد میں

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش   من انداز قدت را می شناسم

وہ نظر جو بیک وقت دونوں کو دیکھتی ہے وہ ظاہر و باطن، لباس اور صاحبِ لباس کو جامع ہے۔

مردی باید کہ باشد شہ شناس
تا شناسد شاہ را در ہر لباس

بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ

اس تمہید کے بعد میں اصل سوال کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ ہر شے ظہورِ حق کے باوجود ہر شے کی پرستش کیوں منع ہے۔ اسلام سے پہلے مذاہب میں جو بُت پرستی کا تصوّر عام ہے مسئلہ صفاتِ الٰہیہ کی غلط فہمی سے یہ تصوّر پیدا ہوا تھا اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اجمالاً یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ صفاتِ الٰہیہ کے ہمہ گیر تصوّر سے متاثر ہو کر یہ حال ہوا کہ

جہاں دیکھا یار کا نقش پائے سجدہ سر کو جُھکا دیا

بُت پرستی کی یہی اصل ہے، بُت پرستی کا دوسرا سبب محبت ہے، محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے، بہرا بنا دیتی ہے، محبوب کو انسان دین و ایمان مال و جان سے لاکھ بار زیادہ محبوب سمجھنے لگتا ہے، دنیا و ما فیہا سب کچھ اس کے قدموں پر قربان کر ڈالتا ہے۔ محبت ہی کے کرشمہ تو ہیں کہ کاغذ کا پرزہ چوما جاتا ہے اس سے دل کو سکون، آنکھوں کو نور حاصل ہوتا ہے، اس کاغذ کے پرزے میں ایسی کیا بات ہے۔ کچھ بھی نہیں صرف اتنی سی بات ہے، یہ مکتوب محبوب ہے جو نصف ملاقات مشہور ہے، یہ تماشے تو "محبت مجازی" رات دن دکھلاتی رہتی ہے،

حقیقی محبت کہاں اس رسم سے خالی ہے" قرآن مجید" آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا چین روح کا اطمینان کیوں ہے، محض اس لئے کہ معشوق حقیقی کا نامہ و پیام ہے جو سراپا پردۂ غیب میں دیدۂ دیدار طلب سے دُور از دور ہے، سراپردۂ غیب میں مستور ہے، کائنات میں اسی کا ظہور ہے۔ ظہور کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اسماء صفات کی تجلیوں کا نور چھن چھن کر کائنات و اشیاء کائنات کو وجود و نمود عطا کر رہا ہے۔ اس لحاظ سے صفاتِ الٰہیہ جو ذاتِ مخفی کو نہاں خانۂ غیب سے عالمِ ظہور میں نمایاں کر رہی ہیں اللہ کی پیام رساں ہیں، یعنی یہ صفات ہی ذات کی طرف دعوت دے رہی ہیں، یہ صفاتِ الٰہیہ ہی ہیں جو ظاہر ہو کر اس ذات کا نامہ و پیام پہنچا رہی ہیں جو باطن ہے ان صفات میں باہم غیریت ہے، یعنی علیم اور ہے، بصیر اور ہے، قدیر اور ہے، خبیر اور ہے، لیکن یہ سب صفات ہیں اسی ذات کی جو تمام صفات و کمال سے موصوف ہے اور ہم جس کو اللہ کے نام سے پکارتے ہیں۔

بعض لوگوں نے اللہ کی صفات کو اللہ کا غیر کہا ہے، اس صورت میں اللہ کی اس ذات کو ماننا پڑے گا جس میں یہ صفات نہیں، اور یہ باطل ہے، اللہ تو کہتے ہی اس ذات کو ہیں جو تمام صفات و کمال کا مالک ہو۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ صفات الٰہیہ غیر ذات ہوں گی تو اللہ تعالےٰ کو اپنے ظہور میں اپنے غیر کی احتیاج ہوگی، اور یہ محال ہے کہ اللہ کسی غیر کا محتاج ہو، اس لئے یہ بھی محال ہے کہ صفات غیر ذات ہوں۔

بعض لوگوں نے صفات کو غیر تو نہیں کہا مگر یہ کہا کہ وہ ذات پر امر زائد ہیں۔ یہ بھی غلط ہے کہ کوئی امر زائد ہو، وہ امر زائد دو حال سے خالی نہیں ہوگا۔ بحیثیت غیر ذات، عین ذات سے ممتاز ہوگا یا نہ ہوگا دونوں صورتیں باطل ہیں، ذات اپنے حیز میں غیر ذات کو قبول ہی نہیں کر سکتی، جس درجہ میں امر زائد تسلیم کیا جائے گا اسی

درجہ میں ذات سے صفات کی نفی ہوگی، امرِ زائد کا متمائز ہونا، ذات کی موجودگی میں متصوّر نہیں، ذات کی نفی کرکے امرِ زائد کے لئے جگہ نکالی جا سکتی ہے، حالانکہ ذاتِ واجب محیط کل ہے، ایک ذرّہ سے بھی خلوئے ذات کے بعد ذات کو واجب تسلیم نہیں کیا جا سکتا، پس امرِ زائد کا تجوّز فاسد ہوا۔ اس لئے امرِ زائد علی الذات ممتاز نہ ہوگا تو سوائے ذات کے کوئی امر فارق علی الذات نہ ہوگا۔

ایک گروہ صفات کو لاعین ولا غیر کہتا ہے، اس گروہ کی روش مودبانہ ہے اور ایک حد تک عارفانہ بھی، اس میں بوئے آشنائی آتی ہے۔ صفاتِ الٰہیہ کو حد و حصر سے بلند و برتر بیان کرنے کا بہترین اسلوب بیان ہے، مگر اس بیان سے ادب کی تعلیم تو مل سکتی ہے، طلب کی پیاس نہیں بجھتی، راہِ طلب میں وہ مقام بھی آجاتا ہے جہاں ادب کی تعریف یہ ہے کہ ادب سے توبہ کی جائے۔

صفاتِ الٰہیہ کے متعلق یہ باتیں معلوم کرنے کے بعد غور کیجئے کہ عارف کیلئے یہ کہنا زیادہ آسان ہے کہ اللہ ہی اللہ ہے۔ یا یہ کہنا زیادہ دشوار ہے کہ "چیزیں ہی چیزیں ہیں"۔ یا یہ کہنا زیادہ پسندیدہ ہے کہ "اللہ بھی ہے چیزیں بھی ہیں"؟

ان میں سے ہر قول عرفان کے ایک مقام کا پتہ دیتا ہے اس کی تفصیل یہاں ضروری نہیں، میں پھر اس سوال کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ ہر شے میں ظہورِ حق ہونے کے بعد ہر شے کی پرستش کیوں منع ہے؟

جو کچھ عرض کیا گیا، بالواسطہ اسی سوال سے متعلق ہے۔ صفتِ الٰہیہ کا کائنات سے باہم کیا تعلق ہے؟ یہ تمام سوالات اس سوال سے پہلے ذہن میں ہونا چاہئیں اسی ضرورت سے مختصراً وضاحت کی گئی۔ اب نفسِ جواب کی طرف توجہ کی جاتی ہے

اسلام میں ضابطۂ عبادت یہ ہے کہ

"معبود" اپنی ذات و صفات میں کامل ہو، اعلیٰ ہو، اشرف ہو، اس نظریہ

کے تحت دیکھا جائے تو کائنات میں کامل ترین مخلوق انسان قرار پاتا ہے، جمادات نباتات، حیوانات میں کوئی مخلوق اس سے اشرف و اعلیٰ نہیں، یہ تو ہو سکتا ہے کہ مخلوقات میں سے ہر چیز اس کے سامنے مطیع و منقاد، منکسر و متذلل ہو، کیونکہ ہر چیز رتبہ میں اس سے کم ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کامل ہو کر ناقص کی عبادت کرے۔

اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کی جناب میں سرنگوں ہوا، اشرف ہو کر ارذل کا پرستار ہو، یہ صحیح ہے کہ ہر شے میں ظہور حق ہے، مگر یہ بھی صحیح ہے کہ کسی شے میں حق کا ظہور اتنا کامل نہیں ہے جتنا حضرت انسان میں۔ بلکہ یہی ظہور کامل تو ہے جس نے اس کو مستحق خلافت قرار دے دیا۔ کیونکہ تمام صفاتِ الٰہیہ کی نمائندگی وجودِ انسان سے ہو رہی ہے۔ اس لئے حضرتِ انسان پر مخلوق پرستی حرام کی گئی تاکہ وہ خود کو پہچانے، ذلتِ نفس کی بجائے عزتِ نفس سیکھے، اپنے نفس میں ذاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کرے۔ اس سے بہتر ضابطہ عبادت تصور میں نہیں آسکتا جو اسلام نے پیش کیا ہے، ہر شے میں حق کو دیکھ کر پئے سجدہ سر جھکانے والا اپنے آپ کو کیوں نہیں دیکھتا وہ کب غیر حق ہے بلکہ حق تو صورتِ انسانی میں مکمل آشکار ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ پھر کامل ترین ظہور صورتِ انسانی میں ہونے کے باوجود اللہ نے استغناء ذاتی میں سے انسان کو کچھ نہیں دیا، اس لئے وہ فطرتاً اپنے سے اعلیٰ کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہے اور اس سے اعلیٰ نہ ملک ہے نہ جن، نہ کائنات، نہ افراد کائنات۔ اس سے اعلیٰ صرف خدائے پاک کی ذات ہے۔ یہ اسی کا بندہ اسی کا پرستار ہے، اسی کا طالب ہے۔

اس کے برعکس یہ گائے، بیل، لکڑ، پتھر، جن، بھوت، فرشتوں اور طاقتوں کو پوجنے لگا تو اس نے شرفِ انسانی کو بٹہ لگایا، اور قانون ارتقاء سے

حیات سے جہل کا ثبوت دیا۔

امید ہے کہ ناظرین اس حقیقت کو سمجھ گئے ہوں گے جو "عبادت" کی غایت ہے ظہورِ حق کے باوجود کسی شے کی پرستش کیوں ممنوع ہے۔ تصوف حقیقتاً روحِ اسلام ہے، بدقسمتی سے جاہل صوفیوں اور جاہل مولویوں نے تصوّف اور اسلام کو ایک دوسرے کی ضد سمجھ رکھا ہے، ورنہ ان دونوں میں خطِ امتیاز کا کھینچنا ذات کو صفات سے، صفات سے ذات کو جُدا قرار دینا ہے؛

ہمارے سب کے ضامن ہیں مکین گنبدِ خضرا
ہمارے سب کے ذمہ دار تاج الدین بابا ہیں
عقیدے سب کے روشن ہیں ہر اک سینہ منوّر ہے
تجلّی ریز جلوہ بار تاج الدین بابا ہیں
محبت ان کی محبوبِ خدا تک لے ہی جاتی ہے
حبیب احمد مختار تاج الدین بابا ہیں

شعدی بھوپالی

صفاتِ جذب و سلوک

بابا صاحب کی سوانح قلم بند کرنے سے
پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مراتب
جذب و سلوک اور اقسام ولایت، اقسام تصوفات
اقسام کشف ناظرین پر واضح کی جائیں تاکہ
سوانح حیات حضور مدظلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

جب تک کسی میں ایک صفت صفاتِ نفسانی سے باقی ہے، وہ آزاد نہیں ہے بلکہ وہ مثل مکاتب کے ہے جس کا آقا لکھ دے کہ اس قدر درہم مزدوری وغیرہ سے ادا کر دے تو وہ آزاد ہے، پس جب تک ایک درہم بھی باقی ہے وہ آزاد نہیں ہے بلکہ بندہ اس ایک درہم کا ہے۔

آزاد وہ ہے جس پر کچھ باقی نہ ہو، اس کو خداوند کریم اپنے دربار سے آزاد کرتا ہے اور ایسا شخص مجذوب ہوتا ہے، خدا اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور در حقیقت وہی آزاد ہے۔ قَالَ اللّٰہ تعالیٰ۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ؁ یعنی اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور اپنی طرف متوجہ ہونے والوں کو راستہ اپنی طرف دکھاتا ہے۔ پس اہلِ اجتباء وہ لوگ ہیں جو جذبۂ حق میں گرفتار ہیں اور اہلِ ہدایت وہ قوم ہے جو توبہ استغفار سے اس کی طرف راہ ڈھونڈتی ہے۔

مجذوب کے چند درجے ہیں۔ بعض مجذوب کو ایک تہائی نبوت دیتے ہیں بعض کو آدھی نبوت، بعض کو چوتھائی نبوت، بعض کو آدھی سے زیادہ نبوت دی جاتی ہے تو وہ مجذوب صفت نبوت کے سبب تمام مجاذیب سے بڑھ جاتا ہے اور خاتم الاولیاء ہوتا ہے اور تمام ولیوں کا، مجذوبوں کا سردار ہوتا ہے جیسے ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم الانبیاء ہیں اور سب کے سردار ہیں، نبوت کا خاتمہ آپ پر ہوا۔ اسی طرح ولایت کا خاتمہ اس مجذوب پر ہوا۔ جذب پیمبری کا ایک جزو ہے (دیکھو تذکرہ ملفوظات حضرت محمد علی حکیم الترمذی باب ۵)

اقسامِ ولایت

قطب:۔ جب کوئی قطب ہوتا ہے تو پہلے عقلِ اول اس کی بیعت کرتی ہے پھر ساکنانِ زمین و آسمان اور ہوا میں رہنے والے جنات موالیدِ ثلاثہ، درجہ بدرجہ اس کی بیعت کرتے ہیں، اور جب ارواح اس کی بیعت کرنے آتی ہیں تو ہر علمِ الٰہی سے ایک ایک سوال کرتی ہیں۔

قطب ہر زمانے میں ایک ہی ہوتا ہے اور کوئی زمانہ اس سے خالی نہیں ہوتا زمانہ آدم علیہ السلام سے لیکر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک کل پچیس قطب گذرے ہیں اور اصل میں عہدِ آدم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ایک ہی قطب ہوا ہے اور وہ خاتم الانبیاء کی روحِ مقدس ہے۔ اور وہی تمام انبیاء و مرسلین اور اقطاب کی مدد کرتی رہی ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

غوث:۔ ہر ملک اور شہر میں ایک قطب اور ایک غوث ہوتا ہے اور ان کے سبب سے اللہ تعالیٰ اس ملک کو محفوظ رکھتا ہے خواہ اس ملک کے رہنے والے مومن ہوں یا کافر، اور وہ جو زمانہ میں ایک قطب ہوتا ہے اس کو قطب الاقطاب

کہتے ہیں قطب الزماں کہتے ہیں۔

اور ہر قطب اپنے زمانہ میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک خدا چاہتا ہے پھر دوسرے قطب کے آجانے سے اس کی دعوت اور حکومت منسوخ ہو جاتی ہے، جیسے پہلے نبی کی شریعت دوسرے نبی کی شریعت سے منسوخ ہو جاتی ہے اور قطب کی دعوت منسوخ ہو جانے سے مُرادیہ ہے کہ جو کچھ حکم یا تاثیر ہوتی ہے وہ منسوخ ہو جاتی ہے۔

مُدّتِ قطبیت مختلف ہے بعض لوگ زمانہ صحابہ کی تائید کے لحاظ سے اس کی مدت تین سال تک لیتے ہیں، اور زیادہ کا علم خدا کو ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو جس پر ہم آباد ہیں سات اقلیم بنایا ہے۔ اور اپنے اہلِ ایقان، اہل ایمان بندوں میں سے سات کو برگزیدہ کیا ہے اور ان کا نام ابدال رکھا ہے اور ہر ابدال کے حصے میں ایک ایک ملک دیا ہے، اس ملک کی حفاظت وہی ابدال کرتا ہے۔

اقلیم اوّل :-

اقلیم اول میں ساتویں آسمان سے حکم وارد ہوتا ہے اور اسی آسمان کی روحانیت سے یہ ملک متعلق ہے۔ یہی آسمانِ اولیٰ ہے۔ اس ملک کا ابدال حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ہم قلب ہوتا ہے۔

دوسری اقلیم :-

دوسری اقلیم میں چھٹے آسمان سے حکم وارد ہوتا ہے۔ اسی کو دوسرا آسمان کہتے ہیں۔ اس آسمان کے کواکب کی روحانیت سے وہاں کا انتظام اور انتظام میں تاثیرات

ہوتی ہیں۔ یہاں کا قطب حضرت موسیٰؑ کے ہم قلب ہوتا ہے۔

اقلیم سوم:۔

تیسری اقلیم میں تیسرے آسمان سے حکم وارد ہوتا ہے اور وہ اس ستارے سے متعلق ہے۔ یہاں کا ابدال حضرت ہارون علیہ السلام کے تابع ہوتا ہے۔

اقلیم چہارم:۔

چوتھی اقلیم چوتھے آسمان اور اس کے ستاروں کی روحانیت کی تاثیرات سے متعلق ہے اور یہاں کا ابدال حضرت ادریس علیہ السلام کے ہم قلب ہوتا ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام ہی قطب ہیں اور چوتھے آسمان میں جو قطب الافلاک ہے وہ وہیں رہتے ہیں اور ہمارے اقطاب انہی کے نائب ہیں۔

اقلیم پنجم:۔

پانچویں اقلیم پانچویں آسمان سے متعلق ہے اور اس میں اس کے ستاروں کی روحانیت کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور یہاں کا ابدال حضرت یوسف علیہ السلام کے ہم قدم ہوتا ہے۔

اقلیم ششم:۔

چھٹی اقلیم چھٹے آسمان سے متعلق ہے اور اس میں اس کے ستاروں کی روحانیت کا اثر پڑتا ہے، یہاں کا ابدال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم قلب ہوتا ہے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ہم قلب ہوتا ہے۔

اقلیم ہفتم

ساتویں اقلیم سانویں، یعنی آسمانِ دنیا سے متعلق ہے اور اس کے ستاروں سے وہ مخصوص ہے اور یہاں کا ابدال حضرت آدم علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چار نبیوں کو زندہ رکھا۔ وہ حضرت ادریسؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت عیسیٰؑ، اور حضرت خضرؑ ہیں۔ یہ علم لُدنّی کے حامل ہیں اور یہ بزرگوارانِ دینِ حنیفی کے چار رکن ہیں، جیسے ایک گھر کے چار ستون ہوں۔

قطبِ زمانہ:۔

قطبِ وقت سے عالم یعنی تمام دائرۂ کون و فساد کی حفاظت ہوتی ہے، اس کے دو وزیر ہوتے ہیں، وہ اِمام کہلاتے ہیں، ان دو اماموں سے عالم غیب اور عالم شہادت کی حفاظت ہوتی ہے۔

اوتاد سے حق تعالیٰ جنوب و شمال، مشرق و مغرب کی حفاظت فرماتا ہے اور ابدال سے حق تعالیٰ ہفت اقلیم کی حفاظت فرماتا ہے، اور "قطب زمانہ" سے تمام عالم کون و فساد کے امور متعلق ہیں۔ ہر امر کا مدار اُس پر ہوتا ہے۔ وہ اماموں، اوتادوں، ابدالوں، قطبوں کا افسر ہوتا ہے۔ مولانا عبدالوہاب امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ابدال سات ہوتے ہیں، جیسا کہ خدا کی امہات صفات سات ہوتی ہیں، اور ان ابدال کی مدد انبیاء کی ارواح سے ہوتی ہے جو ایک ایک آسمان میں ہیں۔

اب جاننا چاہیئے کہ جو قطب الاقطاب ہوتا ہے اس کو تصرفات کی یا تو اجازت ہوگی یا نہ ہوگی، کیونکہ بعض بزرگ ایسے ہوئے ہیں جو قطبِ وقت تھے، مگر ان کے تصرفات بہت مشہور ہیں جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

کہ آپ سے بجد و بے شمار خوارق عادات و کرامات سرزد ہوئے اور وہ مشہور آفاق ہیں، ان کے تصرفات سے خلقِ خدا کو نفع پہنچتا ہے کیونکہ وہ ہر شے پر بحکم خدا قادر ہوتے ہیں اور قدرتِ تامہ ان کو حاصل ہوتی ہے اور وہ سب کے مقدم اور سردار ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ حق کے ساتھ رہتے ہیں اور اسی کے حکم سے ہر کام ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے بطور عطائے خاص ایک دبدبہ اور صولت ان کو حق تعالیٰ سے حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح کی شان ہمارے سرکار تاج الاولیاء تاج الملّت والدین شہنشاہ ہفت اقلیم **سیّد محمد بابا تاج الدین** کی شانِ پاک ہے مگر واضح ہو کہ جب کوئی صفتِ علم سے متصف ہوتا ہے تو اس کے مخالف بہت لوگ پیدا ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس علم میں بہت سے اسرار ہوتے ہیں جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں تو لوگ ان کو سمجھ نہیں سکتے، اگر وہ ان اسرار کو ظاہر نہ کریں تو سدّباب علم ہوتا ہے، اور مرتبۂ خلافت آدم علیہ السلام سے تا ایندم علم پر منحصر ہے۔ (علّم الاسماء) یہی امانت ہے جو سینہ بہ سینہ، سفینہ بہ سفینہ چلی آرہی ہے۔ مدینۃ العلم اور بابِ علم سے جن کو نسبت نہیں وہ لوگ ناقص العقل ہوتے ہیں، اس لئے کاملین کی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں وہ پاک لوگوں کو اپنی ذات پر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ مولانا روم مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر | گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

پاک لوگوں کو اپنے آپ پر قیاس نہ کرو، اگرچہ شیر اور شِیر ایک طرح ہی سے لکھنے میں آتے ہیں اور دیکھنے میں یکساں ہیں، مگر شِیر یعنی دودھ کو آدمی کھاتا ہے اور شیر آدمی کو کھاتا ہے۔

آں یکے شِیر است مردم می خورد | واں دگر شیر است مردم را خورد

جملہ عالم زیں سبب گمرہ شدند | انبیا را ہمچو خود پنداشتند
گفت اینک ما بشر ایشاں بشر | زانکہ میراثِ لعین است آں نظر
ہمسری با انبیاء بر داشتن | اولیاء را ہمچو خود پنداشتن

عالم میں گمراہی صرف اسی وجہ سے پھیلی ہوئی ہے کہ بدنصیب لوگ اپنی کم نگاہی سے انبیاء اور اولیاء کو اپنا جیسا بشر سمجھتے ہیں، ان کو یہ نظر شیطان سے ورثہ میں ملی ہے، شیطان اپنے علم پر اعتماد کرنے سے علمِ حق سے محجوب رہا اور خلافتِ آدم کی مصلحت اس پر نہ کھلی، علم نہ ہو تو اس مقام پر ادب سے کام لینا چاہئیے مگر جہاں علم و ادب دونوں نہ ہوں صرف گمراہی اور شیطنت رہ جاتی ہے اور خاصانِ خدا کا انکار، ان کے علم کا انکار ظہور میں آتا ہے۔ اگر اس انکار کا خطرہ نہ ہوتا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تقطع هٰذَا الْبُلْعُوْم کیوں فرماتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس علم کو راز کے انداز میں ابوہریرہؓ کو تعلیم کیوں فرماتے۔ نیز امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے ان دو شعروں کو نقل کیا ہے اس کا کیا مطلب ہوتا؟

یارب جوہر العلم ابوح بہ
اے خدا اگر میں جوہر علم کو ظاہر کردوں
لاستحل رجال المسلمین دمی
تو مسلمان میرے خون کو حلال قرار دیں
لقیل لی انت من یعبد الوثنا
مجھے بُت پرستوں میں شمار کریں
ویرون اقبح ما یاتونہ حسنا
اور اپنے اس بُرے سلوک کو میرے حق میں اچھا سمجھیں

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ علم سے علم لدنی مراد ہے اور یہ ایسے اسرار ہیں کہ ان کو اہلِ دنیا نہیں جانتے، اگر منکر کو انکار ہو تو اس کو چاہیئے کہ قرآن میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہ السلام کا قصہ غور و تامل سے پڑھے۔

کشف :-

کشف کے لغوی معنیٰ پردہ اٹھانے کے ہیں اور اصطلاحی معنیٰ امورِ غیبی کے معنیٰ و حقائق پر جو ورائے حجاب ہیں وجوداً اور شہوداً اطلاع پانے کو کہتے ہیں اور دو قسمیں ہیں، صوری اور معنوی۔

صوری کا مقصد یہ ہے کہ عالمِ مثال میں اس کو حواسِ خمسہ سے ادراک کریں اور یہ تو بطور مشاہدہ کے ہوگا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آتی تھی تو آپ کلام منظوم سنتے تھے، یا گھنٹی بجنے کی آواز یا مکھیوں کی گھن گھناہٹ کی آواز سنتے اور مطلب سمجھ جاتے، یا بطور استنشاق ہوگا، یہ نفحاتِ الٰہی کے سونگھنے سے ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ نفسِ رحمٰن کو جانبِ یمن سے پاتا ہوں۔

یا بطور ملامست کشف ہوگا جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حق سبحانہ کو نہایت اچھی صورت میں دیکھا اور حق سبحانہ نے مجھ سے پوچھا کہ اے محمد ملاءِ اعلیٰ کس چیز میں جھگڑتے ہیں، میں نے عرض کیا خداوند تعالیٰ تو ہی بہتر جانتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی کو میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا، میرے سینے میں اس ہاتھ کی خنکی ظاہر ہوئی، پھر میں نے زمین و آسمان کی سب چیزوں کو جان لیا اور پھر آپ نے وہ آیت تلاوت فرمائی :-

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض
لیکون من الموقنین۔

یہ سب اسم بصیر کی تجلیاں ہیں، البتہ سماع اسم سمیع کے آستانہ سے ہے اور
یہ سب اسم علیم کے آستانہ سے ہیں۔

کشف دو طرح کے ہیں، یا دنیا سے متعلق ہوگا یا نہ ہوگا، اگر دنیا سے متعلق ہوگا
مثلاً فلاں شخص سفر سے کب آئے گا؟ یا فلاں کام کب ہوگا؟ یا فلاں شخص کتنا زندہ
رہے گا تو یہ ادنیٰ درجہ ہے، یہ اہلِ رہبانیت اور اہلِ استدراج کو بھی حاصل ہوجاتا
ہے۔ بہت سے لوگ جو ریاضت و مجاہداتِ شاقہ کرتے ہیں ان کو بھی ان مغیباتِ
دنیوی پر اطلاع ہوجاتی ہے۔ کسے باشد، خواہ کسی ملک و قوم کا ہو۔ مگر اہلِ سلوک
فقراء اس طرف متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ ان کی ہمت اعلیٰ ہوتی ہے اور وہ اپنے
مکاشفات کو اعلیٰ کی طرف رجوع کردیتے ہیں، ادنیٰ کی طرف التفات نہیں کرتے
امورِ اُخروی کی دریافت اور کشفِ حقائق میں مشغول ہیں۔

بعض وہ لوگ ہیں جو امورِ اُخروی کی طرف بھی متوجہ نہیں ہوتے بلکہ فنا
فی اللہ اور لقاء بالحق کو اپنا مقصود سمجھتے ہیں۔ پس عارف باللہ ہمیشہ خدا کے
ساتھ قائم رہتا ہے اور دنیا و آخرت میں اُس کے مظاہر کو جانتا ہے اور ہر ایک
تجلیاتِ الٰہی سے دیکھتا ہے اور ہر ایک کو اس کی منزلت پر رکھتا ہے۔ اس کے حق
میں اس قسم کا کشف استدراج نہیں ہوتا کیونکہ استدراج اُن لوگوں کو ہوتا ہے
جو خدا سے دُور ہیں اور حق تعالیٰ سے امر خسیس پر قناعت کرتے ہیں۔

جب کشفِ صوری دنیا سے متعلق نہ ہو بلکہ لوزِ حقیقی امورِ اُخروی ارواح
عالی، حقائقِ روحانی، ملائکہ ارضی و سماوی کے مکاشفات مقصود ہوں تو یہ
کشف قابلِ اعتبار ہے کیونکہ یہ کشف صورت و معنی دونوں کا جامع ہے جب

اندرونی و بیرونی پردے اُٹھ جاتے ہیں تو فرع اصل کے ساتھ ایک ہی ہو جاتی ہے پھر وہ ان حواس ظاہری کے ساتھ ان چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو وہ حواس باطنی سے دیکھتا تھا۔ کیونکہ حواس رُوح سے مل جاتے ہیں اور کل حقائق عقل اول میں متحد ہوتے ہیں، یہ مکاشفات ابتدائے سلوک میں پہلے سالک کے خیال مقید میں واقع ہوتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ وہ مکاشفات مثال مطلق میں منتقل ہوتے ہیں اور وہ عناصر کی خاصیات پر واقف ہوتا ہے۔

مرے دلبر مرے دلدار تاج الدین بابا ہیں
مری ہستی مرا کردار تاج الدین بابا ہیں
مری خلوت، مری جلوت مری رندی مری مستی
مرے خوابوں میں گوہر بار تاج الدین بابا ہیں
مرے قلب و نظر کی عظمتوں کا کیا ٹھکانہ ہے
مرے مونس مرے غم خوار تاج الدین بابا ہیں
ادب او بے ادب حد سے تجاوز ہو گیا شاید
ترے سرکار کے دلدار تاج الدین بابا ہیں

نواب راحت سعید چھتاری یوسفی

شہنشاہ ہفت اقلیم

تمام عالم کون و فساد کا مدبر اور منتظم ہوتا ہے۔ کائنات کی ہر شے اس کے دائرۂ تصرف میں ہوتی ہے، اس معیار پہ بابا صاحب کے حالات کو جانچیں پرکھیں حالات کے آئینہ میں روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ مشرق و مغرب میں یکساں طور پر متصرف ہیں، جنگ بلقان میں فوجوں کی کمان بھی آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اور آپ واکی کے جنگل میں حاضرین کے سامنے بھی ہیں۔ اکیس روز بیت اللہ شریف میں بھی موجود ہیں اور ناگپور میں ہر وقت مُرادمندوں کے ہجوم میں بھی تشریف فرما ہیں۔ افغانستان کی پہاڑیوں میں حضرت سیّد جان شاہ سے مل کر ناگپور حاضر ہونے کی بشارت بھی فرماتے ہیں اور ناگپور سے کہیں غائب بھی نہیں ہوتے۔ بشیشور جی کی پہاڑیوں میں مارواڑی سیٹھ کو زیارت سے مشرف کرتے ہیں ناگپور بلاتے ہیں۔ مدراس میں بہادر جنگ کو مراقبہ میں حکم دیتے ہیں، تمہاری تلوار کاٹھ کی ہے یہ تلوار لو، حسام الدین کو خواب میں مُرید فرماتے ہیں۔ یہ سب کچھ خواب و خیال ہوتا، اگر بروقت حاضری ان کے خواب و خیال کو آپ نہ دہراتے۔ حاجیوں نے بیت اللہ شریف سے واپس آکر آپ کو پہچانا۔ حضرت میاں جان نے افغانستان کی پہاڑیوں سے واکی آکر آپ کو پہچانا۔

مارواڑی سیٹھ نے بشیشور جی کی پہاڑیوں میں دیکھا تھا اسی کو ناگپور میں موجود پایا۔ بہادر جنگ نے مراقبہ میں جس کو تلوار دیتے ہوئے دیکھا تھا ناگپور حاضر ہوتے ہی دیکھا کہ بعینہٖ وہی الفاظ وہی بزرگ دہرا رہا ہے۔

"بہادر جنگ یہ لو تمھاری تلوار"۔

حسام الدین کے حاضر ہوتے ہی آپ فرماتے ہیں:۔

"خواب میں ہاتھ ملالیا وہ بس ہے"۔

علی حسین تحصیلدار پر رشوت ستانی کے مقدمات تھے۔ آپ نے ان کو حاضر دربار رکھا خود بیرسٹر بن کر تمام مقدمات خارج کرا دیئے، انھوں نے یورپین لیڈی سے شادی کرنا چاہی تو فرمادیا "یہ دیسی مال اچھا نہیں ہوتا" وہ نہ مانے شادی کرلی۔

کسی مرحلہ پر میم کو تھپڑ مارا مقدمہ چلا تو پھر حاضر دربار ہوئے۔

آپ نے قدمبوسی نہ کرنے دی اور فرمایا:۔

"پہلے یہ بتاؤ ہم نے جیل کس کے لئے بنایا ہے؟"

وہ جیل گئے، اس سے بحث نہیں یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ دن رات ہزاروں افراد کو حکم دینا اور پھر اس کو یاد رکھنا کہ کس کو کیا حکم دیا ہے؟ احکام میں ربط اور تسلسل قائم رکھنا، خواب و بیداری میں جہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا علم، ہمہ وقت حاضر ہونا آپ کی کلیت، جامعیت اور شہنشاہیت پر اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ ان واقعات سے یہ امر بھی واضح ہے کہ آپ کتنے باہوش اور باخبر تھے۔ آپ کو دیوانہ کہنے والا کیا خود دیوانہ نہیں ہے۔ ان حالات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سکر و صحو کی دونوں حالتیں بیک وقت کس طرح کارفرما ہوتی ہیں اور کلی مشاہدے میں جزئی مشاہدات کس طرح رچے بچے ہوتے ہیں

یہ امر بھی منکشف ہو جاتا ہے کہ کل سے آگاہی کے معنی یہ ہیں کہ کسی جزء سے اجنبیت باقی نہ رہے کیونکہ کل اپنے تمام اجزاء پر محیط ہے۔

اس لئے خدا کے جاننے والے سے کوئی چیز انجانی نہیں رہ جاتی۔ خدا کے

پہچاننے والے سے کوئی چیز بغیر پہچانی ہوئی نہیں رہ جاتی ۔

ہزاروں انسان روزانہ حاضرِ دربار ہوتے ہیں جن کی تمنائیں مختلف ہیں، مقاصد مختلف ہیں مگر آپ سب کو ایک ہی حکم دیتے ہیں ۔

"سب بھاگ جاؤ سب کا کام ہو گیا" مقام جمع پر فائز ہوئے بغیر کسی انسان کی کیا مجال ہے جو ایسا حکم صادر کرے؟ مقام جمع میں انسان کے اقوال انسانی نہیں رہتے اس سے اس کی نسبت اُبھر جاتی ہے، وہ اللہ سے دیکھتا ہے، اللہ سے سُنتا ہے۔

تعلیم و تربیت

تذکرہ میں جابجا واقعات ملیں گے جن سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ حضور بابا صاحب کے یہاں اپنے مریدین و معتقدین کی تربیت کا کتنا بڑا اہتمام تھا۔

شغلِ میّت تعلیم کرنا

حضرت قبلہ و کعبہ کو کنویں میں بٹھایا یوسف شاہ نام رکھا۔ شغل میت تعلیم فرمایا کھانا بند رکھا۔ صرف چائے پینے کی اجازت دی، نمکین کھانے کی خواہش دل میں لے کر وہ حاضر ہوئے تو فرمایا ۔

"ہوا بول رہی ہے"

بیعت فرمانا

عبدالعزیز عرف نانا میاں ایک فیشن ایبل نوجوان تھے حاضرِ دربار ہوئے تو ایک خواب یاد آیا جو بہت پہلے دیکھا، حضور نے ان کا نام مع ولدیت اپنے زانو پر تحریر فرمایا ان کو بڑا تعجب ہوا کہ نام کیسے معلوم ہو گیا، حسنِ اعتقاد میں اضافہ ہوا مرید ہونا چاہا حضور نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا جس کو نانا میاں نے تھام لیا۔ حضور نے یہ آیت پڑھی انّ الذین یبایعونک انّما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم ۔ وہ لوگ جو آپ

سے بیعت کرتے ہیں حقیقت میں خدا سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھ پر خدا کا ہاتھ ہے بطور مثال ایک واقعہ کافی ہے۔

بانسری کی آواز

ان ہی نانا میاں کو حضور نے ایک بانسری دیتے ہوئے فرمایا اس کی آواز سے حق لگاؤ

بشنو از نے چوں حکایت میکند — واز جدائیہا شکایت میکند

اللہ اللہ

حاضر ہونے والوں میں سے اکثر افراد سے فرماتے "اللہ اللہ کرتے اچھے رہتے"۔ آپ کا ارشاد تھا مسلمان کے لئے دو عمل نہایت ضروری ہیں تلاوت قرآن اور درود شریف۔ پھر فرمایا تلاوت قرآن سے ضعیف قوی ہو جاتا ہے۔

رات کے آخری حصے میں حضور خود بھی قرآن شریف تلاوت فرماتے ہیں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے تکبیر پڑھتے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

احترامِ شریعت

نماز پڑھنے کا حاضرین کو حکم فرماتے تھے نشہ سے پرہیز کی تاکید تھی ارشاد تھا ہمارے بچے نشہ نہیں کرتے۔

محرمات سے پرہیز

خدا نے رام کو سود خوری پر سرزنش کی۔ اس سے توبہ کرائی۔ توبہ کے بعد وہ مدت العمر حاضر دربار ہی رہا۔

مجالس میلاد شریف

دربار میں وقتاً فوقتاً میلاد شریف کی مجالس وسیع پیمانے پر ہوتی تھیں۔ حضرت قبلہ و کعبہ کا بیان ہے کہ ایک مجلس وہ پڑھ ہی رہے تھے کہ حضور تاج الاولیاء کی توجہ سے آپ کا لباس رنگ برنگ کی تجلیات میں تبدیل ہوتا رہا۔ آخر میں حضور

نے فرمایا:-

بابا یوسف شاہ ہمارے خزانے کی کنجی ہے۔

مجالسِ ذکرِ حسینؑ سیدنا امام حسین علیہ السلام کے ذکر شہادت کی مجالس بھی آپ کے دربار میں منعقد ہوا کرتی تھیں ایامِ عشرہ میں آپ سبز لباس میں ملبوس ہوتے تھے، کیفیات خاص کا آپ پہ غلبہ ہوتا تھا جس سے حسینی نسبت نمایاں ہوتی تھی۔

مجالسِ سماع سماع کی مجلسیں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھیں ان مجالس میں حاضر ہونے والے فیضانِ توجہ سے مالا مال ہوتے تھے۔

غریبوں کی پرورش حضور کی زندگی مخلوق کی حاجت روائی، مشکل کشائی میں وقف تھی، وہاں بے شمار محتاج، مفلس، نادار، اپاہج لوگوں کی پرورش کا سامان بھی آپ کے دربار میں موجود تھا جن لوگوں کی مرادیں اللہ پوری کرتا تھا وہ حاضر ہو کر ایفائے نذر کرتے، مسکینوں کو کھانا کھلاتے، کپڑے تقسیم کرتے۔ حاضرِ دربار ہونے والوں میں والیانِ ریاست، عمائدینِ حکومت بڑے بڑے جاگیردار، مالدار تجار لوگ ہوتے جو بڑے بڑے قیمتی تحفے نقد و جنس کی صورت میں پیش کرتے حضور مطلق کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاتے۔ راجہ صاحب اپنے توشہ خانہ میں یہ تحائف، ہدیے، نذرانے جمع کرتے اور اخراجات مہمان نوازی میں ان کو صرف کرتے۔

انسانی ہمدردی انسانی ہمدردی کا یہ عالم تھا کہ پاٹن سالوزگی موضع میں آپ نے دیکھا کہ ایک ضعیف العمر مرد اور ایک ضعیف العمر عورت چکی پیس رہے ہیں مگر کمزوری کے مارے پیسا نہیں جا رہا ہے۔ آپ نے بہ نفس

نفیس آٹا پیا اور حاضرین کھڑے دیکھتے رہے۔ آپ نے آٹا ان کے حوالے کیا اور آگے تشریف لے گئے۔

جانوروں پر شفقت

ڈگوری پر آپ کے سامنے پانی پیش کیا گیا تو فرمایا پہلے پیاسے گھوڑے کو پانی پلاؤ، تلاش کیا گیا تو چند فرلانگ پر ایک گھوڑا املانہ جانے کب سے پیاسا تھا وہ مٹکے پانی پی گیا۔

سکر و صحو

طیفوری سُکر کے قائل ہیں جنیدی صحو کے قائل ہیں۔

مستی و ہوش

اہلِ تصوف کا کلام اس باب میں طویل ہے۔

دربار تاج الاولیاء میں سکر عین صحو اور صحو عین سکر نظر آتا ہے۔ لاکھوں تصرفات جو حضور تاج الاولیاء سے سرزد ہوئے ہیں۔ ان میں "مستی و ہوش" دونوں کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ تصرف کرنے والا اگر صاحبِ ہوش نہیں ہے تو اپنی توجہ کو ایک نقطہ پر جمع کر کے صرفِ ہمت کس طرح کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ مجرد ہوش والا ہی ہے تو اس کی ہمت خدا کے ساتھ کس طرح جمع ہو سکتی ہے جب کہ وہ بمقتضائے ہوش تفرقہ میں ہے۔

سکر یا مستی تو مشاہدہ کا ثمرہ ہے، اور مشاہدہ حاصل ہی اس کو ہوتا ہے جس کی نظر سے حجابِ خلق اُٹھ جائے یہ حجاب اس کی نظر سے اٹھتا ہے جو مقام تفرقہ سے گزر جائے مقام تفرقہ سے وہ گزرتا ہے جو مرتبۂ فنا میں متحقق ہوا اور ہوش و حواس کے قید خانے سے رہائی پا چکا ہو یہ جب ہوتا ہے کہ اعیانِ ممکنات میں اللہ کی اسمائی تجلیاں مشہود ہوں۔ یہ تجلیاں اس وقت مشہود ہوتی ہیں جب کہ خدا کی آنکھ سے خدا کو دیکھے، خدا کے علم سے خدا کو جانے۔ خدا کے علم سے خدا کو اس وقت

جانتا ہے جب کہ خود کو اور ساری خدائی کو علمِ حق سے علم حق میں دیکھے یہ اس وقت میسر آتا ہے جب کہ خود سے اور خدائی سے بالکل انجان ہو جائے۔

یہ انجان ہو جانا ہی سب کچھ جاننا ہے اپنی نسبت سے نہیں بلکہ سب کچھ جاننے والے کی نسبت سے۔

یہی وہ مقام ہے جس کو جمع کہا جاتا ہے اس مرتبہ میں علم وعین ایک نقطہ پر جمع ہیں، جاننا اور دیکھنا ایک مرتبہ میں جمع ہیں، ذات وصفات ایک مرکز پر جمع ہیں کیا اور ہو جانا ایک ہے۔

جذب و سکر

مستانِ خدا میں سے ایک بزرگ کو حضرت محی الدین ابن عربی رحؒ نے دیکھا کہ وہ عقل حیوانی و انسانی سے معذور ہوتے ہوئے بھی نماز پنجگانہ مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن ان سے پوچھا کہ آپ پانچوں وقت کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ آپ کو ہوش نہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ نہیں، خدا کی قسم میں نماز نہیں پڑھتا میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اٹھاتا ہے بٹھاتا ہے، اب میں نہیں جانتا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی کیا مُراد ہے؟ شیخ اکبر رحؒ نے پھر دریافت کیا کہ نماز کی نیت کیسے کرتے ہو؟ انھوں نے سوال کیا کہ نیت کیا ہوتی ہے؟ شیخ اکبر رحؒ نے کہا نیت اس کام کے ارادہ کا نام ہے جو قربِ الٰہی حاصل کرنے کی غرض سے کسی کام کے لئے کیا جائے۔ یہ سُن کر وہ مست ہنسے اور کہا کہ جب میں خدا کو دیکھتا ہوں کہ مجھے اُٹھاتا ہے، بٹھاتا ہے، مجھے دیکھتا ہے اور میں اسے دیکھتا ہوں کسی حال میں بھی وہ مجھ سے غائب نہیں ہے ہر وقت حاضر و ناظر ہے تو پھر اُس سے نزدیک ہونے کے لئے کسی کام کے ارادہ کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

مستانِ خدا کی عقل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی تجلّی میں جذب فرما کر محفوظ کر لیتا ہے

اور وہ عقل ان کو واپس نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ ہمیشہ اس تجلّی میں محو و مستغرق رہتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ احکام شرعی پر عقل ہی مکلف ہے۔ اسی لئے اطفال، مجانین اور نائم شرعاً مرفوع القلم ہیں۔ پس مستانِ خدا کو اللہ تعالیٰ نے اس مستی و سرشاری میں احسن عملاً کا مصداق بنایا ہے جس طرح کوئی شخص وضو کر کے ذکرِ الٰہی میں رات بھر قیام کرنے کی نیت کرتا ہے مگر نیند آجانے کی وجہ سے وہ قیام لیل سے محروم رہ جاتا ہے پھر بھی اس کے نامۂ اعمال میں قائم اللیل ہونا لکھا جاتا ہے بالکل اسی طرح وہ خدا کے خاص بندے جو خدا کی یاد میں محو و مستغرق ہو کر اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں اور اپنے تعین کی طرف واپس نہیں آتے ان کی پوری زندگی حسن اعمال اور عباداتِ الٰہی میں شمار ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی عقلیں انھیں واپس کر دیتا اور ان کو اپنے وجود کا احساس پھر سے مل جاتا تو یقیناً سوائے اعمال حسنہ کے اور پابندیٔ شرع کے ان سے کچھ بھی ظہور پذیر نہ ہوتا۔

جذب و سکر کے تین مدارج

کوئی ایسی تجلّی، جو نفس کی قوتِ برداشت سے زیادہ ہو وارد ہو کر ایسی غالب آئے کہ حال دائمی بن جائے اور اس حال میں آدمی محسوسات سے مستور ہو جائے اس کا نام جنون ہے۔ بقال المغربی مکہ معظمہ میں چالیس سال تک اس جنون میں رہے نہ کھایا، نہ پیا تا آنکہ وفات پائی، مجنوں کے یہی معنی ہیں۔

اگر اس جنون میں صرف عقل انسانی جاتی رہے اور عقل حیوانی باقی رہے تو اسے جنون والے عقلاء المجانین کہتے ہیں۔ یہ لوگ کھاتے ہیں پیتے ہیں اور عام حیوانات کی طرح طبعی زندگی گذارتے ہیں۔ بغیر سوچے سمجھے کام کرتے ہیں۔

وارد ہونے والی تجلّی اگر دائمی نہ ہو بلکہ وقتی ہو تو حال بھی دائمی نہ ہو گا اور

عقل بھی ہمیشہ کے لئے معدوم نہ ہوگی بلکہ تجلّی کا حکم رفع ہوتے ہی عقل بھی واپس آجائے گی، عقل کے ساتھ لوگوں کی طرف لوٹ آنے والے اہلِ تجلّی عقل و تدبیر سے کام لیتے ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور ہم سے کیا کہا جا رہا ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں یا اولیاء اللہ میں سے صاحبِ احوال افراد ہوتے ہیں۔ تیسری قسم میں وہ نفوس ہوتے ہیں کہ جو تجلّی ان پر وارد ہوتی ہے وہ ان کی قوتِ برداشت کے مساوی ہوتی ہے اس لئے تجلّی کا اثر ان پر غالب اور حاکم نہیں ہوتا۔

ایک گروہ ان بزرگوں کا ہے کہ تجلّی سے کہیں زیادہ قوتِ برداشت ان کی نفوس میں ہوتی ہے۔ وہ ہم میں بیٹھے ہوئے باتیں بھی کرتے ہیں اور عین اس وقت بڑے سے بڑے وارد کو قبول بھی کرتے جائیں گے جو کچھ کہنا ہوگا وہ کہتے جائیں گے جو سننا ہو وہ سنتے جائیں گے اور تجلّی وارد ہونے کی ہمیں خبر بھی نہ ہونے دیں گے۔

وارداتِ حق کی یہی تین قسمیں ہیں چوتھی قسم کوئی نہیں ہے۔

برزخ

حواسِ ظاہری پر نیند طاری ہو جانے کے بعد روحِ انسانی عالم برزخ میں جن واقعات کا مشاہدہ کرتی ہے ان کو رویاء یا خواب کہا جاتا ہے۔ اس مشاہدہ میں احتمال باقی رہتا ہے کہ کہیں خواب میں خیالات منعکس نہ ہو گئے ہوں یا کیفیاتِ نفس کی آمیزش مشاہدہ میں شامل نہ ہو گئی ہو، اس لئے صرف ایسے مشاہدوں کو نبوت سے نسبت دی گئی جو کشف و الہام کے قائم مقام ہوں ان کو چھیالیسواں حصۂ نبوت قرار دیا گیا۔

اہلِ جذب بحالتِ بیداری وہ چیزیں دیکھتے ہیں جن کو سونے والے خواب میں دیکھتے ہیں یا اہلِ کشف مراقبہ میں دیکھتے ہیں۔ یا مرنے والے مرنے کے بعد دیکھتے ہیں،

اس اعتبار سے (۱) میت (۲) نائم (۳) اہلِ کشف (۴) اہلِ جذب۔ چاروں ہی عالم برزخ کے مشاہدے میں اعلیٰ قدر مراتب شریک ہیں مگر اہلِ جذب ان سب میں اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ ان کی رُوح کو برزخ میں ہمہ وقت رسوخ حاصل ہوتا ہے پھر اہلِ جذب مراتبِ رسوخ کی مناسبت سے کشفِ اعیان اور کشفِ حقائق میں ممتاز ہوتے ہیں۔

برزخ :- برزخ دو چیزوں میں جہاں نقطۂ اتصال ہوتا ہے وہاں نقطۂ انفصال بھی ہوتا ہے جیسے دھوپ اور سایہ میں خط فاصل دونوں کو ایک نہیں ہونے دیتا۔ قرآن شریف میں وارد ہے۔

مَرَجَ البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان ــــ

یعنی دو دریا موجیں مارتے ہوئے ملے۔ ان دونوں کے درمیان ایک برزخ ہے جو دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتا۔ اگرچہ ان دونوں میں حد فاصل دریافت کرنے سے حِس عاجز ہے۔ لیکن عقل مقتضی ہے کہ ان دونوں میں کوئی حاجز ہو جو دونوں کو جُدا رکھے اور یہ حاجز معقول ہی برزخ کہلاتی ہے اور وہ برزخ جس کا ادراک حِس سے کیا جا سکے وہ برزخ نہیں ہے بلکہ وہ دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ہے جو ایک نقطہ پر جمع ہوں تمام ایسی دونوں چیزیں جو ایک دوسرے سے ملتی ہیں وہ ایک ایسے برزخ کی محتاج ہیں جو ان میں سے کسی ایک کا بھی عین نہ ہو اور وہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے یکساں قوت دینے والا ہو۔

چونکہ برزخ ایک امر فاصل ہے جو معلوم اور غیر معلوم کے درمیان معدوم اور موجود کے درمیان، منفی اور مثبت کے درمیان معقول اور غیر معقول کے درمیان خطِ امتیاز کھینچتا ہے اس لئے اصطلاح میں اس کو برزخ کہتے ہیں۔

نفس الامر میں برزخ محسوس نہیں معقول ہے اور یہ خیال کے سوا کچھ بھی

نہیں۔ جب کبھی ہم اس کا ادراک کرتے ہیں تو از روئے علم وعقل، ہم کسی امرِ وجودی کا ادراک کرتے ہیں جس کو ہماری خیال کی آنکھ دیکھتی ہے۔ اس وقت دلیل قطعی سے ہم یہ جان لیتے ہیں کہ وہ شئے جس کا ادراک ہمارے خیال نے کیا ہے یہ بعینہ وہی شے ہے جس کے لئے شیئت اور وجودیت ثابت ہے مگر اس شے کی شیئت اور وجودیت کی اس سے نفی کر کے ہم نے اپنے خیال میں اُس کو ثابت کیا ہے پس خیال نہ موجود ہے نہ معدوم ہے نہ معلوم ہے نہ مجہول ہے نہ منفی ہے نہ مثبت ہے۔ جس طرح انسان اپنی صورت آئینہ میں دیکھتا ہے اور قطعی طور پر اس وقت یہ جانتا ہے کہ اپنی صورت کا ادراک اپنے چہرہ سے کر رہا ہے حالانکہ عین اسی وقت وہ اس بات کو بھی قطعی طور پر جانتا ہے کہ وہ اپنی صورت کا ادراک اپنے چہرہ سے نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ آئینہ میں اپنی صورت دیکھ رہا ہے اور اگر آئینہ چھوٹا ہو تو وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی صورت اس سے کہیں بڑی ہے جو آئینہ میں نظر آرہی ہے اور آئینہ بہت بڑا ہو تو وہ اپنی صورت کو بہت بڑا دیکھتا ہے اور قطعی جانتا ہے کہ اس کی صورت اس سے کہیں زیادہ چھوٹی ہے جو اس کو نظر آرہی ہے مگر اس کے باوجود وہ انکار نہیں کر سکتا کہ اس نے اپنی صورت نہیں دیکھی۔

وہ یہ بھی جانتا ہے کہ آئینہ کے اندر اُس کی صورت نہیں ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اُس کی صورت آئینہ کے اور خود اس کے مابین بھی نہیں ہے۔ اس بات کا بھی اُسے علم ہے کہ جو صورت اُس کو آئینہ میں نظر آرہی ہے وہ نظر کی شعاعوں کا آئینہ میں انعکاس بھی نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو صورت اپنی اصلی مقدار پر نظر آتی۔ حالانکہ وہ اس مقدار اصلی پر نظر نہیں آرہی ہے اور اگر وہ اپنی صورت کو تلوار کے طول اور عرض میں دیکھے تو جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کی حقیقت اُس پر واضح ہو جائے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ بیشک اُس نے اپنی صورت کو دیکھا ہے وہ یہ کہتے ہیں نہ تو سچا ہے نہ جھوٹا ہے کہ اس نے اپنی صورت دیکھی ہے۔ یا اپنی صورت نہیں دیکھی ہے پھر یہ نظر آنے والی صورتیں کیا ہیں؟ ان صورتوں کا محل کیا ہے؟ ان

صورتوں کی شان کیا ہے؟ یہ صورتیں ایسی ہیں کہ ثابت ہوتے ہوئے منفی ہیں موجود ہوتے ہوئے معدوم ہیں، معلوم ہوتے ہوئے مجہول ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مثالیں اس لئے ظاہر فرمائی ہیں تاکہ ان مثالوں سے علم اور تحقیق حاصل ہو۔ جب لوگ دنیا کی مثالوں کی حقیقت کے ادراک میں متحیر اور عاجز ہوئے تو اپنے پیدا کرنے والے کی حقیقت کے ادراک سے بدرجۂ اولیٰ عاجز اور متحیر ہوں گے۔ اس کی تجلیاں تو لطیف ترین اور اعلیٰ ترین ہیں ان کے مشاہدہ میں عجز و حیرت کی یہ انتہا ہے کہ ہمیں عجز و حیرت یہ کہنے میں بھی مانع ہیں کہ ان سے کسی تجلّی کی یہ ماہیت ہے اور یہ ماہیت نہیں ہے؟ کیونکہ یہ عدم محض سے تو اس لئے ملحق نہیں ہو سکتی کہ آنکھوں نے کچھ دیکھا ہے، اور وجود محض سے اس لئے ملحق نہیں ہو سکتی کہ آئینہ میں صورت کی مثال تم جان چکے ہو اور نہ اس کو امکانِ محض کے ساتھ ملحق کہا جا سکتا ہے۔

یہی حقیقت انسان کی ہو جاتی ہے جب وہ خواب میں ہوتا ہے یا جب اُس پر موت وارد ہوتی ہے وہ اعراض کی اُن صورتوں کو دیکھتا ہے جو قائم بنفسہٖ ہیں اور وہی صورتیں مجسم ہو کر اُس سے خطاب کرتی ہیں اور وہ ان سے خطاب کرتا ہے۔ اس مخاطبت اور مشاہدے کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ قبر میں عذاب و ثواب حشر میں اعمال کو میزان میں تُلتے ہوئے دیکھنا موت کو مینڈھے کی صورت میں ذبح ہوتے دیکھنا، انہی اعراض کا صورت پذیر ہونا ہے۔ انسان جب اپنے نفسِ کلیہ کے مشاہدے میں محو و مستغرق ہوتا ہے تو وہ تمام عالم کو اپنے نفس میں حاضر پاتا ہے۔ اور جس طرح ہم اپنی کیفیاتِ نفس میں تصرف کر سکتے ہیں بالکل اسی طرح وہ پوری کائنات میں متصرف ہوتا ہے۔ بیک وقت ہر جہت میں متوجہ اور کارفرما ہونے سے جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کو دیکھنے والے جذبی حالت سے تعبیر کرنے لگتے ہیں کیونکہ اس میں یکسوئی یکروئی یکسانیت کا ربط نظر نہیں آتا۔

ذہین شاہ تاجی

اَلَآ اِنَّ اَولِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوفٌ عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُونَ

مثنوی اسرارِ تاج

درحالاتِ حضور تاج الاولیاء تاج الملّت والدّین

شہنشاہِ ہفت اقلیم سیّد محمد بابا تاج الدین

حسنی و حسینی ناگپوری قدس اللہ سرہٗ العزیز

مُصنّفہ

حضرت مولانا عبدالکریم قادری چشتی

معروف بابا محمّد یوسف شاہ تاجی

قدس اللہ سرہٗ العزیز متخلص بہ والہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

سبھی تعریف ثابت ہیں خدا کو اس خدائی میں — وہی تو پاس ہے سب کے نہیں ہے وہ جدائی میں
خدا کا نام ہر جا ہر زباں میں جاری و ساری — وہی مالک ہے سب کا خالقِ ہر نوری و ناری
وہی بے چون ہے ایسا کہ ہر چون و چرا میں ہے — عیاں تشبیہ میں تنزیہہ میں ہر دو سرا میں ہے
تفکر ذات میں موقوف ہے اوصاف میں جاری — بھلا قطرے کی کیا طاقت کرے دریا سے جو یاری
کیا کونین پیدا کُن سے تا اظہارِ قدرت ہو — مشیت کا یہ منشا تھا حقیقت عین صورت ہو
کیا ذاتِ بحت نے اپنا جلوہ خاص وحدت میں — تجلی کر کے دکھلایا اُسے رنگِ شہادت میں
یہی نورِ محمد برزخِ کبریٰ ہے وحدت ہے — یہی نورِ محمد سب حقائق کی حقیقت ہے

نعت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

خدا نے جلوہ فرمائی جو فرمائی تو پردے میں — اسی پردے کو اس نے رکھ لیا اپنے ارادے میں
جو دیکھا ذات نے خود حسن اپنا خوبصورت میں — تو اس صورت کو پوشیدہ کیا پھر نورِ کثرت میں
تو اس نے پہلے اپنے نور سے نورِ محمدؐ کو — کیا پیدا ہوا شیدا جو دیکھا نورِ احمد کو
جمیل اللہ کے حسن و جمال انداز تو دیکھو! — خدا خود شیفتہ خود کا ہے صوفی صاف ہو دیکھو
اُجالا ہے تمام اس شمع رو کا بزمِ عالم میں — ہے منظورِ نظر ہر جا وہی ہر حسن و آدم میں
اُسی کا نام ہے منقوش ہر دل کے نگینہ میں — اسی کی دید ہے کونین کے آئینہ خانہ میں
یہ کس پردے میں حسنِ لایزالی کا تماشا ہے — جہاں حیرت کو حیرت عقل کو چکر ہے رعشا ہے
یہی منشا تھا حسنِ ایزدی کا حسنِ احمدؐ سے — جہاں میں روشنی گر ہو تو ہو حسنِ محمدؐ سے
شہ بطحا کے جلوؤں سے اُجالا ہو گیا جگ میں — بسا ہے نورِ احمد دیکھ لو عالم کی رگ رگ میں

یہ سب کچھ کچھ نہ تھا ان سب کا سب کچھ نورِ احمد ہی یہاں جب کچھ نہ تھا اُسوقت سے نورِ محمدؐ ہے
اگر ہوتے نہ یہ کونین کب ہوتا کہاں ہوتا خدائی کچھ نہ ہوتی پھر خدا کا کیا نشاں ہوتا
وجودِ نقشِ کثرت ایک وحدت کی سیاہی سے ہوا موجود سب کچھ ایک فرمانِ الٰہی سے
صفائی رنگِ کثرت کی دکھا کر ساری ہستی کو کیا محوِ تماشا خود پرستی حق پرستی کو
ظہور اُس کے لطائف کا برنگ دیگراں نکلا تماشا حُسن کا اُس کے بطرزِ دلبراں نکلا
بہت سی بجلیاں چمکائی ہیں میدانِ عالم میں نیا مضمون بتایا اس نے ہر دفتر کے کالم میں
تجلّی کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَاۡنٍ سے فرمائی بہت سی صورتوں میں ایک ہی تصویر دکھلائی
سلف کی رہبری کی اور خلف میں آ گئے خود ہی وہ ماضی حال و مستقبل میں آ کر چھا گئے خود ہی
وہی ہر قرن کے مرشد ہیں اور وہ سب کے ساتھی ہیں وہی دولھا ہیں سارے انبیا اُن کے براتی ہیں
نبی جس دین کی تعلیم دینے آئے عالم میں مکمل کر دیا احمدؐ نے اس کو سارے عالم میں
صفاتِ حق کی دعوت دی تھی نبیوں نے تو بندوں کو مگر حضرت نے ذاتِ حق دکھائی حق پسندوں کو
ہدایت مطلقہ کی ذاتِ احمد ہے فقط ہادی جو قیدی ہے محمد کا فقط اس کو ہے آزادی
تو ہم ہر گھڑی صورت گری کرتا ہے ہر شے میں یقیں تو دیکھتا ہے یار کو ہر ساغر و مے میں
خدا کے مظہرِ کامل کو واللہ کوئی کیا جانے محمدؐ کو خدا جانے خدا کو مصطفٰےؐ جانے

اوصافِ ابو البشر آدم علیہ السلام

خدا کا خاص آدم اُس کے عالم کا نمونہ ہے ہے وحدت اس کی کثرت میں چگونہ بیچگونہ ہے
یہی ہے عالمِ بالا کا جوہر خاکساری میں اُسی کا نور ہے جاری و ساری کیاری کیاری میں
ہماری اور تمھاری اصل کا پہلا شجر ہے یہ خدائی کے چمن میں عین مقصد کا ثمر ہے یہ
یہی صورت میں صغریٰ ہے مگر معنی میں کبریٰ ہے ورائے عقل اگر دیکھو تو یہ سب سے مبرّا ہے
عجائب اور غرائب ہیں خدا کے اسکی فطرت میں خدا کے لطف کا مخزن ہے دیکھو اس کی طینت میں
خدا نے اپنے ہاتھوں سے بنائی شکل آدم کی فرشتوں نے کیا سجدہ جو دیکھی شانِ اعلم کی

عروج سے نزولی، نزولی جلوے کا محمل ہوئے آدم
وہاں معراج منزل ہے جہاں نازل ہوئے آدم

جمال اللہ اس کی شکل و صورت سے نظر آیا
خلیفہ ہو کے خالق کا یہی مخلوق پہ آیا

انھیں کی نسل سے لاکھوں ہوئے ہیں انبیا و آل
بڑا ہے مرتبہ ان کا جہاں میں سب سے ہیں اعلیٰ

ختم نبوّت

نبیؐ آئے نبیؐ کے بعد پہلے دور میں لاکھوں
خدا کے نور کے جلوے ہوئے ہیں طور میں لاکھوں

یہ سارے انبیاء گرچہ خدا کے برگزیدہ ہیں
مگر اک مصطفےٰؐ ان سب میں چیدہ میں چیدہ ہیں

نبوت جذب سب کی ہو گئی دورِ محمدؐ میں
رسالت ختم سب کی ہو گئی دورِ محمدؐ میں

ہوئے جب آپ ظاہر سب گئے باطن کے حجرے میں
انھی کے نام کی تاثیر ہے آدم کے شجرے میں

جو مرسل خاص تھے تھی خاص دعوت ان کے بندوں کو
مگر دعوت ہے ان کی عام انسانوں درندوں کو

یہی روزِ ازل سے سب کی روحوں کے مربّی ہیں
یہی مکّی و مدنی ہاشمی سردار عربی ہیں

یہی تھے اور یہی ہیں اور یہی ہوں گے زمانے میں
حقیقت سے نظر آتے ہیں یہی، دانے دانے میں

یہی تو فخرِ آدم ہیں یہی فخرِ دو عالم ہیں
یہ ہیں محبوب ربّ العالمین ان کے گدا ہم ہیں

مناقب پنجتن پاک و صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

محمدؐ چار یار اک تن میں ہم نے پنجتن دیکھے
تمام عترت کی فطرت ایک ہے اور ایک من دیکھے

کہا صدیقؓ نے صدیق ہو توحید کامل میں
مٹا تفریق کو فاروقؓ ہو وحدت کو لا دل میں

تلاوت کر کے قرآں مثلِ عثمانؓ باحیا ہو جا
سبق شیرِ خدا سے سیکھ لے شیرِ خدا ہو جا

خودی کو چھوڑ دیگا تو خدا کو خود میں پائیگا
خدائی میں خدا کا رنگ دیکھے گا دکھائے گا

ہیں بعد انبیاء صدیقؓ یارِ غار حضرتؐ کے
انھیں حاصل معیت ہے وہ ہیں غمخوار حضرتؐ کے

نظر عدلِ نبوت آئے گا فاروقِ اعظمؓ میں
حیا عثمان ذی النورینؓ سے آئی ہے عالم میں

علی مرتضیٰ مولائے کُل ہیں دیکھ برہان کو   نبیؐ کے علم کا دروازہ جانو شیرِ یزدانؑ کو
صحابہؓ ہیں ستارے اور اہلِ بیتؑ کشتی ہیں   جو اس کشتی میں بیٹھے ہیں یقیناً وہ بہشتی ہیں
یہ سب اصحابؓ و آلِ پاک ہیں تفصیل مجمل کی   وہاں مجنوں کو دیکھا ہے جہاں لیلیٰ ہے محمل کی

آلِ پاک پنجتن پاک

علی کی ذات سے اولادِ پیغمبر ہوئی ظاہر   کہا لحمک لحمی دمک دمی تو ہے آخر
علی زوجِ بتولِ پارسا حسنین کے والد   یہی تو پنجتن کی جان ہیں فردوس کے خالد
جنھیں اظہارِ حق اور پنجتن کونین کہتے ہیں   محمد اور علی و فاطمہ حسنین کہتے ہیں
جنابِ مصطفیٰ نے اپنی عترت اور قرآن کا   بیاں یکجا کیا تا ہو تمسک اہلِ ایماں کا
شبیہِ مصطفیٰ حسنین سے ظاہر ہے عالم میں   یہی آلِ نبیؐ ہیں سب کے ہیں حاجت روا غم میں
علی کا اور نبی کا مرتبہ حاصل ہوا ان کو   خدا کی ذات سے درجہ شہادت کا ملا ان کو
یہی تو بطنِ قرآن کی ہیں دولتیں اچھی تفسیریں   کلام اللہ سے ماخوذ ہیں دونوں کی تقریریں
یہی تو سید الشہدا ہیں ان کا دین شاہد ہے   خدا شاہد نبی شاہد شہادت عین شاہد ہے
زمین کی سبزی سرخی آسمان کی اِک شہادت ہے   مگر اہلِ نظر کی اور یہاں اندھے کی آفت ہے
بروزِ حشر سارے اصفیا جنت میں جائیں گے   مگر ان سب جوانوں کے یہی سرور کہائیں گے
ولایت ملتی ہے ان ہی کے گھر سے اہلِ عالم کو   ہدایت ملتی ہے ان سے جہاں میں جن و آدمؑ کو
عقیدت جن کو ہو ایسے خدا کے خاص بندوں سے   تو وہ محفوظ ہیں دارین میں آفت کے پھندوں سے
محبت جس کو ہو ان پنجتن کی ذات سے واللہ   مقرب ہے خدا کا اور نبی کی مے کا متوالا

ولایت

نبوت ختم حضرت پہ ہوئی باقی ولایت ہے   ولایت کی ضیا سے ہی زمانہ کو ہدایت ہے

جہاں میں روشنی تھی پہلے نبیوں کی ہدایت سے ‏ — مگر اب ہے ضیا تم دیکھو ولیوں کی ولایت سے
ہوئے امت میں حضرت کی ہزاروں اولیا ایسے ‏ — ہوئے اقوام سابق میں رسول و انبیاء جیسے
ہوئے ہیں جس قدر بھی انبیاء اتنے ولی ہر دم ‏ — رہا کرتے ہیں اس امّت میں ہر دم دائم و قائم
مدارج اولیاء کے کیا کوئی تعداد میں لائے ‏ — مقامِ فوق ہے پھر کیا کسی کے تحت میں آئے
خدائے پاک کے جلوے نمایاں ہوتے رہتے ہیں ‏ — بشکلِ اولیاء پیدا و پنہاں ہوتے رہتے ہیں
ہے اسمائے صفاتِ حق کی وہ دولت یہی انساں ‏ — کہ ہے تفصیل میں اجمال کی صورت یہی انساں
الٰہی اسماء کی دولت اور حکومت ہے زمانہ میں ‏ — انھیں کا دور تھا اور دور ہے اس کارخانہ میں
خدا نے کیف مدّ الظل کہا توصیف میں ان کی ‏ — جنھیں سب اولیاء کہتے ہیں یہ تعریف ہے ان کی
نہ ہوں گر اولیاء اللہ سب برباد ہو جائیں ‏ — سبھی اہلِ زمین و آسماں ناشاد ہو جائیں
زمین و آسماں کو فخر ہے اہلِ کرامت سے ‏ — ملک سجدے میں ہیں انساں کی خاطر قدامت سے
ملائک جن و انساں سب کی اصل انسانِ کامل ہے ‏ — یہی جامع ہے اک مخلوق میں جو سب کو شامل ہے
ہے السلطان ظل اللہ ارشادِ نبی بے شک ‏ — اسی سایہ میں مخلوقات کو راحت ملی بیشک
سمجھنے کے لئے اہلِ خرد کو نکتہ کافی ہے ‏ — نہیں تو آیہ مَثَل الحمار انہیں لانی ہے
خدا کے کارخانے کا منیجر ہے یہی کامل ‏ — یہی سرکار کا مختار ہے اسرار کا حامل
محمدؐ میں فنا جب ہم ہوگئے باقی محمدؐ ہیں ‏ — جہاں میں جس جگہ دیکھو گے تم ساقی محمدؐ ہیں
پڑھو تم لا نفرق اور اس تفریق کو چھوڑو ‏ — کہو واحد خدا کے ماسوا سے اپنا منہ موڑو
اگر توحید کی خواہش ہے خود توحید بن جاؤ ‏ — ظہورِ رنگ کثرت میں نظر وحدت صفت آؤ

تذکرہ حضور تاج الاولیاء تاج الملّت والدین شہنشاہ ہفت اقلیم سیّد محمد بابا تاج الدین حسنی حسینی ناگپوری قدس سرّہ العزیز

جہاں اک جسم ہے اس جسم کا جو جانِ جاناں ہے ‏ — یہی تو جسم و جاں اس جانِ جاناں کا شبستاں ہے

خدا کو پسند آئی ہے یہ تصویر انساں کی
بنائی اپنی ہی تنویر سے تنویر انساں کی

اسی تنویر سے تحریر ہے تحریر انساں کی
یہی تحریر تو تحریر ہے تحریر یزداں کی

جہاں میں آنا جانا روز ہے خورشید رحماں کا
نئی رفتار سے دیکھا ہے ہم نے حسن جاناں کا

گلستانِ جہاں میں پھول رنگا رنگ آئے ہیں
گلِ رعنا کے صدقے جائیے کیا گل کھلائے ہیں

گل و بلبل کا قصہ ہر زمانہ نے سنایا ہے
نیا افسانہ ہر عاشق نے عاشق ہو کے گایا ہے

سبھی گل اس رنگیلے نے رنگے ہیں اپنی رنگت سے
حسینانِ جہاں کا حسن بھی ہے اُسکی نکہت سے

کتابِ خلق کا حوالہ کہاں ہے دیکھنے والا
ہو کاتب جس کا خلاقِ جہاں ادراک سے بالا

خدا نے جب کہ چاہا ہند میں جلوہ نرالا ہو
نرالی شان کا محبوب پیدا سب سے اعلیٰ ہو

نبی کے پنجتن کے نور سے معمور یکسر ہو
شہِ بغدادؒ و اجمیریؒ کا رنگ اس میں برابر ہو

جہاں کی تاجداری رازداری میں اکیلا ہو
اسی کے در پہ ہر شاہ و گدا کا خوب میلا ہو

سلوک و جذب کے دریا میں اُن کو غرق شیدا ہوں
امیرِ ہفت کشور ہند میں ظاہر ہوں پیدا ہوں

زمینِ ہند سے ظاہر اب انوارِ مدینہ ہوں
سفینے میں جہاں کے آئیں جو اسرارِ سینہ ہوں

پرانی داستاں میں حال کا پرچہ نکل آیا
کہ جس کی ہر سطر میں یار کا چرچا نکل آیا

انبیاء و اولیاء عرفاں سے بالا مقام
خدا کا علم مخلوقات میں سب سے نرالا ہے

ولایت کے دھنی ہر جا نئی پہچان سے آئے
ذرا دیکھو کہ روح اللہ جسم و جاں سے آئے

گدائی میں شہنشاہی کا کیوں جلوہ دکھایا ہے
بلندی کو یہاں پستی میں لا کر کیوں تپایا ہے

شہنشاہ شانِ درویشی سے اس عالم میں آ نکلا
تو بولے اہلِ ایماں دیکھ لو یہ کیا تھا کیا نکلا

بلندی پستی میں پستی بلندی میں نظر آئی
شبِ مخلوق میں دیکھو کہ خالق کی سحر آئی

خدا نے اپنی قدرت کو نئے سانچے میں ڈھالا ہے
زمینِ ہند کے نافہ سے اک نافہ نکالا ہے

مہک سے جن کی ساتوں آسماں چکر میں آئے ہیں
ملائک آسماں سے ان کی خوشبو لینے آئے ہیں

بڑی ہے شان تاج الاولیاء کی کوئی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

یہ کس نے جلوے آخر دور میں ہم کو دکھائے ہیں
نبی کے نور ہی سے دونوں عالم جگمگائے ہیں

تجلیاتِ رنگارنگ میں جب ہو چکے ظاہر
تو تاج الاولیاء کی شکل میں ظاہر ہوئے آخر

جدا احول ہے اسے تو ایک کی جا دو نظر آئے
مگر وحدت کے ناظر کو تو وہ ہی وہ نظر آئے

مری بادہ فروشی بادہ نوشی رنگ لائی ہے
جہاں کی ساری مستی میرے پیالے میں سمائی ہے

جہاں کی جب کی خواہش کہ ہو امداد کی صورت
بھلا ہو جائے سب کا ہو عیاں اللہ کی نصرت

تو رکھ کر تاج سر پہ پیرِ ورِ کل تاج دیں آئے
شہنشاہ زمن دیکھو کہ بر فرشِ زمیں آئے

چلو اے بادۂ عرفاں کے مستو آؤ مستی میں
وہی پیرِ مغاں اب آگیا ہے اپنی بستی میں

جگر بندِ بتولؓ و جلوۂ شبیرؓ و شبرؓ ہیں
بہارِ باغِ احمدؐ رونقِ گلزارِ حیدرؓ ہیں

نئے خرقہ میں ایک آزاد مشرب خوب آئے ہیں
پرانی مے نئے ساغر میں بھر کر خوب لائے ہیں

مدینہ ہے وطن آبائی ان کے جدِ امجد کا
وہاں سے ہند آئے آب و دانہ تھا اب جد کا

مدینہ سے خدا کا نور ہندوستان آتا ہے
فلک سے ابرِ رحمت جانبِ بستان آتا ہے

نسب مجھکو بتایا ایک دن اپنا یہ بابا نے
محمد عسکری کا پوتا ہوں فرمایا آقا نے

امامِ عسکری کے پوتے عبداللہ مدینہ سے
چلے آئے وہ ہندوستان کی جانب سفینے سے

انہی کی نسل سے پیدا ہوئے ہند میں آکر
حقیقت میں عرب ہوں ناگپوری آج کہلا کر

اقامت کی انھوں نے ساحلِ مدراس پہ آکر
عرب تھے ہو گئے مشہور مدراسی ادھر آکر

کسی کو یہ نہیں معلوم تھا یہ کون آئے ہیں
عرب سے کونسی نعمت یہ اپنے ساتھ لائے ہیں

ولایت کا وہ جوہر ساتھ اپنے لیکے آئے تھے
مگر وہ بھید مخلوقات سے اپنا چھپائے تھے

انھیں کی نسل پھر مدراس میں پھیلی پھلی پھولی
انھیں پھولوں کی خوشبو سے وہاں ہر ایک نے تولی

چمن مدراس کا ان پھولوں کی خوشبو سے جب مہکا
تو نغمہ سنج ہو کر بلبلِ دل خوب ہی چہکا

سیادت کا شجر مدراس میں وہ بار لایا ہے
کہ جس کے سایہ میں ہر کافر و دیندار آیا ہے

شرافت اور نجابت کے دھنی مدراس جب آئے
ہوئی توقیر ان کی ہر جگہ اشراف کہلائے

سیادت کا ہی سارا فیض گر دیکھو عالم میں سیاہی کی حکومت دیکھ لو کاغذ کے کالم میں
صحابہ آئے ہیں مدراس میں اخبار میں آیا بنی کا فیض ہر جا یار اور اغیار میں آیا
اشاعت پھر ہوئی اسلام کی مدراس میں ان سے حمایت دین کی ہوتی ہے وقت یاس میں ان سے
یہ ساداتِ حسینی ہر جگہ سالارِ امّت ہیں ہے ان کا ہاتھ میں دامن تو ہم اہل کرامت ہیں
جو دیکھا قدرت باری کا نقشہ آلِ اطہر نے تعلق فوجِ انگلش سے کیا اس میں سے اکثر نے
خدا کی شان دیکھو ابن حیدر فوج میں آئے وہ اپنی موج سے دیکھو نرالی موج میں آئے
تو پھر وہ فوج ہرضیِ خدا سے کامٹی آئی خدا کی شان ہے اس فوج میں وہ موج بھی آئی
مقدس نام نامی سیّد بدر دین تھا جنکا عالم میں وہی تو آپ کے والد تھے ظاہر جنسِ آدم میں
یہ سیّد بدر دین تھے حاملِ انوار پلٹن میں جب آئے کامٹی تو تھے وہ صوبیدار پلٹن میں
ہوا پھر عقد سیّد بدر الدین کا نیک اختر سے ہماری صاحبہ دختر شہ میران میجر سے
تو وہ پشتِ پدر سے رحم مادر میں چلے آئے خدا کے نور کے سانچے میں وہ ڈھالے ڈھلے آئے
ہوئے تھے رحمِ مادر میں فقط دو ماہ جب ان کو تو سایہ اُٹھ گیا والد کا ان سے شانِ رب دیکھو
جو ہو دُرِ یتیم اس کی تو قدر و قیمت آئی ہے نئے انداز کا موتی یہ سی پی خوب لائی ہے

پیدائش

عرض بارہ سو اٹھسٹھ ہجری میں پیدا ہوئے بابا (۱۲۶۸ھ) منوّر نور سے عالم کو کرنے آگئے بابا

سی پی میں موتی!

یہ وہ نور تھا جو کامٹی مدراس سے آیا ضیائے بدر الدین کو آخر سی پی سے چمکایا
مقدر میں تھا یہ سی، پی کا موتی روزِ اول سے منوّر ہوگئی سی پی بھی اک نورِ مکمل سے

سمندر بن گئی سی پی

یہ وہ موتی ہے جس کی روشنی سب سے نرالی ہے
یہ شکل صبغۃ اللہ دیکھ لو کیا بھولی بھالی ہے

سمندر بن گئی سی پی سمندر ماجرا دیکھو
یہ قطرہ بحر سے ہے بحر قطرے میں ذرا دیکھو

سمائی دیکھ لو دریا کی قطرے میں یہاں آکر
اسے عارف سمجھتا ہے نہ سمجھے گا کوئی خودسر

حسینیؓ اور حسنیؓ رنگ سے یہ رنگ لائے ہیں
شہنشاہِ ولایت اس لئے بابا کہائے ہیں

وصال والدہ ماجدہ

ہوئے دو سال جبکہ والدہ کی گود میں کامل
تو وہ بھی چھوڑ کر بیٹے کو جنت میں ہوئیں داخل

رہے وہ تربیت میں روز و شب شاہ میراں کے
وہ بیٹے شاہ میراں کے نواسے شاہ میراں کے

بظاہر تربیت ان کی ہوئی ہے نانا کے گھر پر
حقیقت میں حقیقی نانا کی آغوش میں تھا گھر

حفاظت میں خدا کی سرلبرد رہتے تھے وہ سدا
مجازی رشتے سب ٹوٹے حقیقت کھل گئی ان پر

بظاہر جب ہوئے تعلیم کے لائق تو مکتب میں
بیٹھایا آپ کو اک روز تا ممتاز ہوں سب میں

تحصیل علم

اسی مکتب میں عبداللہ شاہ مجذوب بھی آئے
معلّم سے کہا علم لدنّی کے ولی آئے

بظاہر طفل ہیں باطن میں یہ پیرِ دو عالم ہیں
حقیقت کی نظر سے دیکھئے تو سب کے عالم ہیں

مگر پھر بھی پڑھا ہر علم کو بابا نے ظاہر میں
شریعت کی بھی حجت ختم کی اہلِ ظواہر میں

ہوئی تکمیل جب کہ علم ظاہر کی تو باطن میں
نظارہ حسنِ جاناں کا ہوا ہے ان کو کمسن میں

پڑھا ہے علم ظاہر کا تو گو استاد و مرشد سے
مگر پھر اولین و آخرین کا علم احمد سے

فوجی ملازمت

اٹھارہ سال کا جب سن ہوا ان کا تو ظاہر میں — اعزا نے کہا اب تم بھی جاؤ فوج غائر میں
خدا کی شان دیکھو ابنِ حیدر فوج میں آئے — وہ اپنی موج سے دیکھو نرالی موج میں آئے
ہوئے جب تین سال اس فوج میں نقشہ بدل ڈالا — جو باطن میں چھپا تھا راز اس کا کھول بل ڈالا
لباس معنوی موزوں کیا اک آنِ واحد میں — جو اندر تھا اسے ظاہر کیا پھر چشمِ شاہد میں
عجائب اور غرائب دیکھے ان سے فوج والوں نے — بہت سی موج اس دریا کی دیکھی موج والوں نے
رہے وہ تین سال اس حال میں شکلِ مجاہد سے — ریاضت خوب کرتے تھے سنا میں نے یہ شاہد سے
خدا کا جذبِ کامل بڑھ گیا جب آپ کے دل میں — ریاضت ظاہری یاں ختم ہے اوصافِ کامل میں
یہ دنیا دل خدا کو دیکے بس دلدار بن بیٹھے — جہاں کے اولیاؤں میں یہی سردار بن بیٹھے
نکل کر فوج سے پھر آپ ساگر سے چلے آئے — وہ ساگر بن کے خود وحدت کے ساغر سے چلے آئے
نکل کر چاہ سے یوسف سرِ بازار آ بیٹھے — نثارِ حسن ہونے کو زلیخا وار آ بیٹھے
گرفتارِ محبت ہو کے یہ آزاد آ بیٹھے — جہاں تھا آشیاں بلبل کا واں صیاد آ بیٹھے
جہاں کی قید سے یہ ہر جگہ آزاد رہتے ہیں — یہ وہ آزادِ مطلق ہیں جو ہر جا شاد رہتے ہیں
مقید اور مطلق میں محبت ہے ذرا دیکھو — چھپا خورشید کامل ذرہ میں یہ ماجرا دیکھو
وہ آئے کامٹی ساگر سے جب شکلِ قلندر میں — جو دیکھا اہلِ دنیا نے کہا سودا ہوا سر میں
مگر اہلِ بصیرت نے کہا ہاں آپ آئے ہیں — ولایت کے وصی ہو کر یہاں تشریف لائے ہیں
جو دیکھا کفر کی نظروں نے ان کو کہدیا پاگل — مگر مومن نے پایا ہے یہاں ایماں سے اچھا پھل
جو ہے دنیا میں اندھا آخرت میں بھی ہے اندھا — یہاں جس نے نہ دیکھا وہ قیامت میں نہ دیکھے گا
خدا کے نور کا آئینہ جس کے روبرو آیا — تماشا اس کی صورت کا اسی کے روبرو آیا
پھر ان کے فیض سے سب اہلِ دیں ہونے لگے کامل — جو دنیا دار تھے وہ دین میں ہونے لگے شامل

نرالا طرز ہے طرزِ گدائی فقیرانہ — کبھی بستی پسند آئی کبھی بھایا ہے ویرانہ
کبھی وہ شانِ شاہانہ بنا کر خوب بن بیٹھے — کبھی وہ حُسن کے بازاروں میں محبوب بن بیٹھے
کبھی وہ جیل میں آزادی کا جلوہ دکھا آئے — کبھی آزاد کو وہ قید میں اپنی پھنسا آئے
شہنشاہِ رضا تسلیم نے اک روز بتلایا — جہاں کی قید میں آزادی کا انداز دکھلایا
جسے کہتے ہیں پاگل خانہ اسمیں آپ جا بیٹھے — مسیح وقت بیماروں میں خود چپ چاپ آ بیٹھے

جیل خانہ

یہ کیوں محمود نے خرقہ ایازی آج پہنا ہے — ذرا آقا کو کچھ دن کیلئے بندوں میں رہنا ہے
یہ دنیا بھی تو اہلِ دین کی خاطر جیل خانہ ہے — یہ ہے قولِ محمد جن کا ہر دل میں ٹھکانہ ہے
جہاں راحت سرا ہے کافرِ بدکیش و بدبین کی — جہاں محنت سرا ہے صاحبِ عرفان و حق بین کی
خدا مومن کا مومن ہے جہاں کے جیل خانہ میں — وہی محسن کا محسن ہے جہاں کے جیل خانہ میں

پاگل خانہ دلی خانہ

وہ اپنی کارسازی سے انوکھے کھیل میں آئے — جو تھے آزاد یوسف پھر بھلا کیوں جیل میں آئے
وہی ہر کوچہ و بازار کی تفریح کو آئے — وہی دیر و حرم کے راز کی تشریح کو آئے
بتانے خوابِ غفلت کی وہی تعبیر کو آئے — سکھانے علمِ قرآن کی نئی تاثیر کو آئے
شہنشاہِ جہاں کیوں خیمہ زن ہیں قیدِ عالم میں — گرفتار بلا تا جام راحت پی سکے غم میں
وہیں دربارِ شاہی ہے جہاں سرکار جا بیٹھیں — جہاں سرکار کی مرضی وہاں سرکار جا بیٹھیں
ہوا چرچا یہ دیوانوں میں اب ہوشیار ہو جاؤ — مبارک آ گئے پیرِ مغاں بیدار ہو جاؤ
جو پاگل خانہ تھا آخر دلی خانہ کیا اُس کو — جو دیوانہ ہوا تھا اپنا دیوانہ کیا اُس کو
غرض ہر سمت شہرت ہو گئی اس آستانہ کی — دہائی چار جانب پھر گئی دیوان خانہ کی

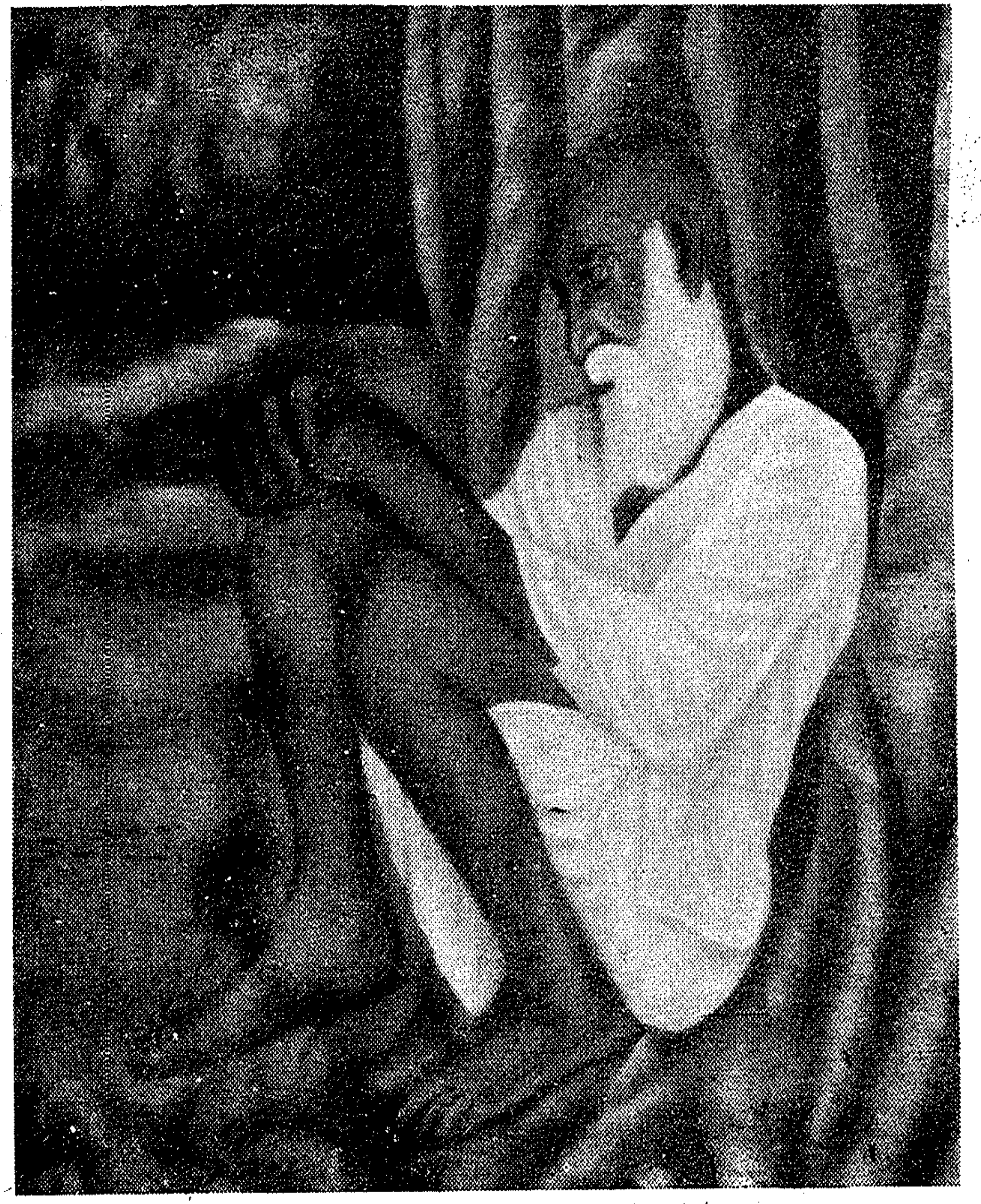

بابا صاحب محویت میں

بابا تاج الدین اولیاءؒ (ولی خانے میں)

ہوئے آزاد قیدی سینکڑوں جب قیدِ شاہی سے   نکل آئے یہ یونس بھی ہمارے قیدِ ماہی سے
اٹھارہ سال رہ کر آپ پھر شکر درہ آئے   وہ اس خلوت سرا سے جانبِ جلوت سرا آئے

خدا کے دوست

خدا کے دوستوں کی مرضی بھی حق کی مشیّت ہے   ہمیں تو ان کے قدموں میں ہی بس حاصلِ بریّت ہے
خدا کے لطف کا بادل جہاں چاہے وہاں برسے   مشیت دیکھ لو اسکی کوئی پی لے کوئی ترسے
ضیائے تاج الدین سے ہو گئی کافور گمراہی   ضلالت میں خضر سے ہو گئی جب اپنی ہمراہی
ہوئی شکر درہ سے سوئے واکی جلوہ فرمائی   لگا دربار جنگل میں عجب قدرت نظر آئی
دلا واکی کے جنگل میں شہنشاہ جہاں آئے   ہوئے جب تشنہ لب لاکھوں تو ساقی تماں آئے

واکی شریف

اقامت جب ہوئی دریا پہ دریائے کرامت کی   جو ڈوبا اس میں اس نے سیر کی بحرِ حقیقت کی
جو ویرانہ تھا وہ گلشن ہوا ایک گل کے آنیسے   ہوا واں شور برپا بلبلوں کے چہچہانے سے
ہوا جنگل میں منگل یار کے آنے سے اکدم میں   خزاں نے دیکھ پائی ہے بہارِ حسن عالم میں
قدم زندہ پڑیں جس خاک پر وہ زندہ ہو جائے   محبت زندہ کی جس دل میں ہو تابندہ ہو جائے

قرآن شریف

ہوا قرآن نازل اس زمیں پر بہر شادابی   دلوں کے کھیت میں پیدا ہوں تا انوارِ آدابی
وہاں لاکھوں کی قسمت بگڑی بابا نے بنائی ہے   مسیحا نے نئی تاثیر مردوں کو دکھائی ہے
کوئی ہے مستِ متوالا کوئی مدہوش ہستی ہے   مقیم راہِ حق کوئی بنا تو کوئی گشتی ہے
کوئی تو جامہ ہستی سے بیگانہ بنا بے خود   دو رنگی چھوڑ کر ایک رنگ میں کھولا کوئی سدبدھ

یہی وہ تقدیر ہے جو زمانے نے نہ دیکھا تھا — جہاں تھا دیر سے مشتاق اس مے کا پیاسا تھا
بچندیں سال واگی میں رہے پھر ناگپور آئے — جہانگیری ادا سے جیسے اکبر رامپور آئے
بہت سے بھید ہیں شاہوں کے پوشیدہ سیاحت میں — پھرا کرتے ہیں وہ سیر فی الارض کی رعایت میں
مرادیں مانگتے ہیں ہر جگہ پیر و جواں ان سے — متاعِ دین و ملت لیتے ہیں خورد و کلاں ان سے
جہاں ہو آبِ شیریں تشنہ لب آتے ہیں پینے کو — جو ہوں گرداب میں وہ لوگ تکتے ہیں سفینے کو

بابا کی کشتی

جہاں کے بحرِ بے پایاں میں وہ بابا کی کشتی ہے — جو بیٹھا اس میں اس کا پار ہے بیڑا بہشتی ہے
جو اس بیڑے کا منکر ہے ہوا وہ غرقِ طوفاں ہیں — پھنسا ہے اپنی بدبختی سے ناداں قیدِ شیطاں میں
مثل سچ ہے کہ کوا باغ میں ہوتا نہیں بلبل — یہ زاغِ روسیہ کیا جانے رازِ نغمۂ قلقل

خدا کے دوست

خدا کے دوستوں کی دوستی سے دوست ملتا ہے — اور ان کے بھیدوں سے رازِ مغز و پوست ملتا ہے

کامٹی شریف

وہاں سے بعد مدت کامٹی شاہ جہاں آئے — مکاں کو دیکھنے جیسے مکینِ لامکاں آئے
گئے تھے کامٹی سے ناگپور اک روز حکمت سے — مگر پھر آئے ہیں اب دیکھ لو شانِ کرامت سے
ہوئے تھے چند روز جلوہ فرما کامٹی آکر — کیا محوِ نظارہ مرد و زن کو جلوہ دکھلا کر
جو دانا تھے انھوں نے جانا ہے اس آنے جانے کو — جو ناداں ہیں وہ کیا جانیں خدا کے کارخانے کو

سفر وطن

سفر ہے در وطن اپنا وطن ہے در سفر ہر آن — یہ وہ منزل ہے جس کو جانتا ہے واقفِ قرآن

روانہ پھر وہاں سے ہوگئے واکی کے میداں میں ۔۔۔ مہ و خورشید کی گردش بنائی کیا بیاباں میں
منور پھر ہوا نورِ خدا واکی کے میدان میں ۔۔۔ بہارِ خلد کا نقشہ بنا صحرائے ویراں میں
ہوا دوبارہ قائم آپ کا دربار واکی میں ۔۔۔ تو ہر فانی کو رستہ مل گیا اسرارِ باقی میں
دلا واکی میں آیا آپ کا جب تخت شاہانہ ۔۔۔ تو ہر شاہ و گدا کو بھا گیا طرز گدایانہ
کوئی تو مغربی دنیا سے آیا دورِ ساقی میں ۔۔۔ کوئی مشرق سے آیا مغربی ہوتے کو واکی میں
دلِ خاکی ہمیشہ آبِ رحمت جذب کرتا ہے ۔۔۔ مگر جو سنگدل ہو وہ کہاں سرسبز ہوتا ہے
دلِ خاکی تو اکثر نور سے معمور ہوتا ہے ۔۔۔ شقی القلب رحمت سے ہمیشہ دور ہوتا ہے
نہ دیکھا جس نے روئے یار دنیا میں نہ دیکھے گا ۔۔۔ قیامت میں شرابِ دیدِ حق ہرگز نہ چکھے گا
ہمیں کافی ہے روئے یار دنیا اور عقبیٰ میں ۔۔۔ ہمارے یار کے دیدار کا ہے دور عقبیٰ میں
وہی ہے خلد اپنی جس کو کوئے یار کہتے ہیں ۔۔۔ یہی مطلوب اپنا ہے یہ سو سو بار کہتے ہیں
بہارِ خلد بھی جاناں کے قدموں میں بچھا دی ہے ۔۔۔ جو ہے خاکِ قدم حاصل تو قسمت اپنی یاور ہے
سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ کے مست دنیا سے نرالے ہیں ۔۔۔ خدا کی دید کی داور کے یار وہی پیالے ہیں

شرابِ دیدِ حق ان سے پیو یہ وہ پیالے ہیں

ہوا منظور پھر ایسا کہ واپس ناگپور آئیں ۔۔۔ کہ بر آئیں ہزاروں مستمندوں کی تمنائیں
جہاں چاہا وہیں دربار کر بیٹھے وہ دم بھر میں ۔۔۔ امانت زیب دیتی ہے اکیفں اللہ کے گھر میں
جہاں کے اولیاء کا تاج ہے نقشِ قدم ان کا ۔۔۔ مسیحائی کا صدقہ بٹ رہا ہے دمبدم ان کا
نہ دیکھا تھا کسی کبھی آنکھ نے وہ جلوہ دکھلایا ۔۔۔ نہ آیا تھا سمجھ میں راز اس کو خوب سمجھایا
بنائی دستِ قدرت نے یہ صورت کیا نرالی ہے ۔۔۔ خدا کے نور کی یہ شکل دیکھو بھولی بھالی ہے
زمانہ آشنا جس سے نہ تھا وہ آشنا آیا ۔۔۔ پہن کر فقر کا جامہ یہ اچھا دلربا آیا
مقدر اوج پر ہے آج دیکھو ان کے طالب کا ۔۔۔ مگر دشوار ہے معلوم میں ان کے مطالب کا

حلیہ شریف

خدا کے نور کا حلیہ بیاں کیا کر سکے کوئی ۔ ہے چھوٹا منہ بڑی باتیں ارادہ کیا کرے کوئی
بصورت عالمِ صغریٰ ہے اور معنی میں کبریٰ ہے ۔ جو ہے انسان کامل ہوش دنیا سے مبرّا ہے
یہ ہے اجمال ہر انسانِ کامل کے سراپا کا ۔ مفصّل لکھ نہیں سکتا ہے حلیہ کوئی بابا کا
جنابِ مصطفیٰ کو باصفا صدیق سمجھے ہیں ۔ مگر بوجہل کیا جانے کہ کیا صدیق سمجھے ہیں
قدِ موزوں مرے بابا کا یارو سرو بالا ہے ۔ گلستانِ جہاں میں یہ شجر سب سے نرالا ہے
تھی رنگت گندمی مائل سیاہی آپ کی دیکھی ۔ یہاں تنزیہہ کو تشبیہ سے ہم نے ملی دیکھی
جو سالک ہیں انھوں نے نور رنگیں یار کا دیکھا ۔ ہلالی نور ہم نے کالی بدلی میں چھپا دیکھا
بصیرؔ سے بصارت ہے سمیعؔ سے سماعت ہے ۔ عجب قربِ نوافل ہے عجب شانِ ولایت ہے
ہے وجہِ پاک وجہ اللہ سراپا نور اللہ ۔ تکلّم سے کلیم اللہ وہ ہر آن طور اللہ
ید اللہ ان کے ہاتھوں کو خدا نے کہدیا واللہ ۔ بھلا وسعت یہ اللہ کی کسے معلوم ہے واللہ
ہے قلبِ پاک کی وسعت زیادہ عرشِ اعظم سے ۔ بیان اللہ کے گھر کا مفصّل ہوگا کب ہم سے
زمین و آسماں میں حق سما سکتا نہیں واللہ ۔ مگر اس پاک دل میں آ کے جا سکتا نہیں واللہ

قدم اعلیٰ کی جانب ہر گھڑی جولاں رہے ان کے
مکاں سے لامکاں تک ایک منزل میں ملے اُن سے

سرکار بابا تاج الاولیاء کی جامعیت و مجدّدیت

تجلّی اولیاء کی اس لئے دنیا میں ہوتی ہے ۔ جگائیں دین کی قسمت کو جو اس وقت سوتی ہے
خدا کا دین زندہ ہے انہیں زندوں کے دم خم سے ۔ بجا ہے دین کا ڈنکا جہاں میں ان ہی کے دم سے

خدا کا جاننے والا تو سمجھے گا کلام اللہ !
خدا کے جاننے والوں پہ ہر دم ہو سلام اللہ

تجلیاتِ حق کی اولیاء جو ساتھ لاتے ہیں
جہاں میں آ کے وہ اتمامِ حجت کر کے جاتے ہیں

کہیں جذبیت سے نظمِ عالم کرتے رہتے ہیں
کہیں سالک کی صورت سے وہ ہادی بن کر رہتے ہیں

اگر ہیں جذب اور ارشاد کے مالک زمانہ میں
تو پھر ہیں مجمع البحرین وہ اس کارخانہ میں

جدائی کچھ نہیں ان میں یہ سب ہی جانِ واحد ہیں
محی الدینؒ معین الدین چشتیؒ جانِ واحد ہیں

شہاب الدینؒ بہاء الدینؒ ہیں وحدت سے گر دیکھو
معین الدینؒ تاج الدین ہیں اہلِ نظر دیکھو

محی الدین کا بھی جلوہ دیکھو تاج دین میں ہے
جھلک ساری سہروردی کی اس ماہِ مبین میں ہے

بہت سی صورتیں ہیں گرچہ سیرت ایک ہے ان کی
ہیں آنکھیں سینکڑوں لیکن بصیرت ایک ہے انکی

شہنشاہ ہفت کشور تاج دین سب جنکو کہتے ہیں
مسلسل فیض کے دریا درِ بابا پہ بہتے ہیں

علیؓ کے لاڈلے زہراؓ کی آنکھوں کے یہ تارے ہیں
حسنؓ کا دل حسینؓ ابنِ علیؓ کے ماہ پارے ہیں

جسے قربِ خدا و مصطفیٰؐ کا شوق ہو آئے
کھلا دربار ہے ان کا جو آئے مدعا پائے

جامع کل اولیاء

یہی تو جامع کلُ اولیاء ہیں وقتِ آخر میں
یہی تو مظہرِ نورِ خدا ہیں مخبرِ فاخر میں

یہاں ہر قوم کے ہر ملک کے طالب جو آتے ہیں
انھیں مطلوب ملجاتا ہے جو مانگیں سو پاتے ہیں

اسی اِک تاج والے نے ہماری لاج رکھ لی ہے
انھیں کے فیض سے ہم نے بھی لذتِ دین چکھ لی ہے

جہالت سے زمانہ کو نکالا میرے بابا نے
بطالت کے قلعہ کو توڑ ڈالا میرے بابا نے

ملامت میں سلامت کا ہمیں وہ راز بتلایا
فریب و مکر سے بچنے کا رستہ خوب دکھلایا

نبی کے دین کی پھر سادگی مسلم کو بتلائی
طریقت کی تھی جو راہِ صفا پھر صاف دکھلائی

نئی ترکیب کا قائم کیا پھر نظم دنیا میں
رہِ توحید پر اقوامِ عالم جس سے آجائیں

شریعت اور طریقت کا بنا مضمون بتلایا
ولایت کا طریقہ آپ نے آسان سکھلایا

بہت سے طالبِ دنیا ہیں دینداری کے پردے میں
یہ اپنے نفس کے بندے ہیں درویشی کے خرقہ میں

طریقت کو کیا بدنام ہے ان جیفہ خواروں نے
کیا ہے دین کو بدنام ایسے دنیا داروں نے

زبانوں پہ ہے قال اللہ پجاری بت کے ہیں دل میں
نظر آئیگا جلوہ یار کا کب رنگِ باطل میں

مسلمانوں میں جب مادہ پرستی آگئی فوراً
تو ان کی قوتِ روحانی کو وہ کھا گئی فوراً

مسلماں اب مسخر ہو گئے ظاہر پرستی کے
ہوئے معنی سے مستغنی سبھی ظاہر پرستی سے

زمانہ کو کیا برباد اس ظاہر پرستی نے
جہاں کو کر دیا ناشاد اس ساحر پرستی نے

ہو جس کی عمر ساری صرف دنیا کے اندھیرے میں
بھلا منظور ہو کیا جز شبِ تیرہ سویرے میں

تو ایسے وقت میں قائم ہوا دربار بابا کا
سمجھ میں آ نہیں سکتا ہے کاروبار بابا کا

مذبذب سے کہو دریا سے نل کو کیا تعلق ہے
یہ ہیں اسرار کی باتیں یہاں چرچا معلق ہے

وہ جو کچھ کر گئے اور کہہ گئے یہ کون سمجھے گا
بھلا از خدا بھی کوئی مردِ دوں سمجھے گا

انھیں کہتے ہیں تاج الاولیا سب اولیا کامل
قطب اور غوث ان کے ہو رہے ہیں ہر جگہ عامل

جسے چاہا اسے سردارِ دنیا کا کیا دم میں
تصرف جس کو چاہا جس طرح کا دے دیا ہم میں

یہ ہیں اسرار کی باتیں انھیں پھر کون سمجھے گا
وہی سمجھے گا واللہ جس کو یہ توفیق رب دے گا

حالاتِ وصال حضور بابا صاحب
قدس سرہ العزیز

عروجِ آدمی ہے منزلِ جاناں کو پا لینا
مکان و لامکاں کی سیر کر کے اپنی جا لینا

تمامی انبیاء و اولیاء کرنے دارِ فانی سے
رکھا محبوب دارِ آخرت کو حق بدانی سے

ہدایت کے لئے جتنے بھی ہادی آئے عالم میں
حکومت کر گئے سارے بس گئے ہیں ملک اعظم میں

ہوا پیدا زمین و آسماں جن کے لئے وہ بھی
بظاہر اس جہاں سے اس جہاں میں بس گئے وہ بھی

مگر یہ انبیاء و اولیاء زندہ بقا میں ہیں
یہی تو نورِ حق باقی ہیں دیکھو سب بقا میں ہیں

خدا ظاہر ہے اور یہ اُسکے مظہر ہر صفت سے ہیں
صفات اللہ قائم ہر جگہ ہر ہر صفت سے ہیں

خدا زندہ ہے اُس کی زندگی جو زندہ ہو جانے
جو مُردہ ہو وہ اس کی زندگی کو کیا بھلا جانے

ہے رشتہ جس کا حَیٌّ لَا یَمُوتُ سے وہ زندہ ہے
نہیں ہے موت اس کو خاص زندہ کا بندہ ہے

خدا کا دوست ہو جائے اسے پھر موت کیوں آئے
سمجھ میں کس کی یہ آئے خدا کا دوست مر جائے

خدا کے دوستوں کو موت آئے ہو نہیں سکتا
جو اپنے دوست کے گھر پہ نہ جائے ہو نہیں سکتا

یہ ہے مردار دُنیا اس کا جو طالب ہے کتّا ہے
بھلا قولِ نبی کو کب کوئی کتّا سمجھتا ہے

صفات منفی پیدا ہو گئے فانی میں حب و آلہ
گیا فانی رہا منفی یہ ہے اثباتِ الا اللہ

بھلا روزانہ یہ خورشید کیوں مغرب میں جاتا ہے
اُجالا کر کے پھر وہ کیوں اندھیرے کو دکھاتا ہے

ہوئی تیرہ سو چھیالیس (۱۳۴۶ھ) جبکہ عالم میں
محرم کی گئی چھبیس تو دُنیا گئی غم میں

بروزِ پیر رخصت پیرِ عالم ہو گئے سب سے
ہوا جب وقت مغرب نورِ ربّی مل گیا رب سے

دریغا آپ دارِ آخرت میں اب گئے ہم سے
ملک جنّ و پری انسان نے ماتم کیا غم سے

ہوئی تجہیز ستائیس کو اس شاہ عالم کی
چھپا مغرب میں جب خورشید بشکل ماتم کی

خدا دشمن کو بھی یہ غم نہ دکھلانا کبھی ہرگز
جو ہم نے وقت دیکھا ہے نہ دیکھے پھر کوئی ہرگز

ہماری یہ شبِ فرقت الٰہی ہو گی کب آخر
تڑپتا ہے قفس میں اب تو میری رُوح کا طائر

خدا مجھکو بھی باباجان کی خلوت میں پہنچا دے
بہت بے چین ہے دل وصل سے تسکین فرما دے

الگ بستی بسائی ہم سے کیوں سلطانِ عالم نے
ہمیں دُوری میں کیوں رکھا بھلا جانانِ عالم نے

نئی بندہ نوازی کے ہوں صدقے پاس بلوا لے
گرہ مشکل کی اے مشکل کُشا بلوا کے کھلوا لے

اگرچہ آپ کو نسبت نہیں ہے موت سے کچھ بھی
مگر جینے میں اب آتا نہیں ہم کو مزہ کچھ بھی

جو تھا دربار اک دن عام وہ ہے آج پردے میں — جلو میں جن کی رہتے تھے وہیں سرتاج پردے میں
کرامات و تصرف اولیاء کے زیادہ ہوتے ہیں — پسِ پردہ یہ جلوے بھی خدا کے زیادہ ہوتے ہیں
قدم سے جن کے یہ شکردرہ جنت بداماں تھا — وہ تاج آباد کی قسمت میں گویا گنج پنہاں تھا

بسیرا اس جہاں میں چند روزہ حق کی خاطر ہے
بنا گھر آخرت میں جلد وآلہ گر تو شاطر ہے

جو سمجھو مطلعِ انوار تاج الدین بابا ہیں
جو دیکھو مظہرِ اسرار تاج الدین بابا ہیں
یہ بیداری نہیں خواب اسکو کہہ نہیں سکتا
یہ میں ہوں اور یہ سرکار تاج الدین بابا ہیں
ہو الاول ہو الآخر ہو الظاہر ہو الباطن
اسی تصدیق کا معیار تاج الدین بابا ہیں
رزؔی کے جذب و مستی کی یہ کچھ بے ربط موجیں ہیں
بطونِ صوتِ گفتار تاج الدین بابا ہیں

رزؔی۔ جیپوری

تذکرہ تاج الاولیاء

مولفہ حضرت قبلہ وکعبہ مولینا بابا محمد یوسف شاہ تاجی

ماخوذ "تاج" اگست ۵۶ء

"تذکرہ تاج الاولیاء" حضرت قبلہ وکعبہ غوث محمد یوسف شاہ بابا رحمتہ اللہ علیہ کی تالیف ہے، آپ نے اصل مسودات جو دستِ مبارک سے تحریر شدہ ہیں، ناچیز کو مرحمت فرمائے تھے، اور تذکرہ تاج الاولیاء مکمل لکھنے کا حکم فرمایا تھا، اپنے قلمی مسودات کیلئے بھی ارشاد فرمایا تھا کہ یہ بھی تم لکھنا، یہ حکم اس طور پر بجا لا رہا ہوں کہ اس مسودات کی کتابت اپنے قلم سے کر رہا ہوں، حالانکہ خوش نویسی کو ترک کئے دو جگ بیت گئے، پھر بھی قلم برداشتہ لکھتا ہوں، اگر کتابت کامیاب رہی تو یہ بابا کا اعجاز ہی ہے

* ——— ذہین عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد ہے جو میں نے کلام کیا　　حمد کو میں نے یوں تمام کیا

ابتدا سازم بنامِ ذوالجلال　　منجلی شد بر دو چشمم از جمال
آنکہ ظاہر گشت در چشماں است　　و آں کہ پنہاں است اندر جانِ ماست
ایں حقیقت نور احمد اے حکیم　　گر مسمیٰ گشت اسماے قدیم

محمد گُل است و علیؓ بوئے گل　　بود فاطمہ اندر آں برگِ گُل
چو عطرش بر آمد حسینؓ و حسن　　معطر شد از وے زمین و زمن

بعد حمد و نعت، حضرات ناظرین! حضور تاج الاولیاء، تاج الملت والدین شہنشاہ ہفت اقلیم سید محمد بابا تاج الدین ادام اللہ برہانہ، کی ذات ستودہ صفات موجودہ زمانہ میں حضور رحمت اللعالمین ؐ کا مجسمہ ہے جن کی تعریف نہ کوئی کرسکا نہ کرسکے، حضور مدظلہ، کی سوانح حیات پر چند کتابیں لکھی گئیں ہیں، جیسے "تاج قطبی"۔ کرامات مبین۔ گلِ بہار وغیرہ اور وہ ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہوگئیں، اب جو حضرات حاضر ہوکر حضرت کی لائف مانگتے ہیں، تو مجبوراً خاموش ہونا پڑتا ہے۔ پہلے جو کتابیں لکھی گئیں وہ مولفین کے حسنِ عقیدت سے بیشک مقبول ہوئیں، خدا اُن کو جزائے خیر دے مگر اُن حضرات نے جتنا سمجھا، اُتنا لکھا۔

بعض احباب کے اصرار پر ناچیز نے قلم اٹھایا اور اپنی سعادت سمجھ کر سوانح لکھنا شروع کیا تو اس کتاب کا نام تذکرۂ تاج الاولیاءؒ رکھا۔

ولادت

سالِ ولادت

مادۂ تاریخِ ولادت حضور مدظلہ چراغِ دین ہے۔ جس کے اعداد ۱۲۸۶ھ ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے اس وقت جب کہ سن ۱۳۴۰ھ ہے، آپ کا سن شریف ۵۴ سال ہوتا ہے، اور کتابوں میں دیکھکر مولفین نے حضور مدظلہ کا سالِ ولادت دوسرا بتلایا ہے، مگر وہ غلط ہے۔ کیونکہ وہ ماوشما سے دریافت کرکے لکھا گیا ہے اور میں نے خود حضرت مدظلہ کے علم دینے سے لکھا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اوّل تو جب میں سفر گجرات میں تھا، دربار کی حاضری سے پانچ سال قبل حکیم بدرالدین صاحب گجراتی نے میری نوٹ بُک میں یہ عبارت لکھ دی تھی کہ حضرت ولی آخر زماں کی تاریخ ولادت کا مادہ "چراغِ دین" ہے۔ پھر پانچ سال کے بعد جب میں حاضر دربار ہوا تو کچھ دنوں بعد جناب عبدالمجید صاحب، ہیڈ ماسٹر وردھا اسکول میرے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ ہم چند لوگوں کو مادۂ تاریخ کی فکر تھی کہ سالِ ولادت صحیح معلوم ہو جائے۔ چنانچہ ہم روبرو پیش ہوئے تو ارشاد فرمایا

"ہم کو چراغِ دین[1] کہتے ہیں"

اس طرح مادۂ تاریخ خود حضور نے ہی بتلا دیا، تو مجھے گجرات کا لکھا ہوا اس وقت

---

[1] چراغِ دین میں "سراجاً منیرا" کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اس سے حضور کی نسبتِ متعدی ہونا بھی ظاہر ہے، اور یہ بھی روشن ہے کہ تاقیامِ قیامت اس چراغ سے چراغ روشن ہوتے چلے جائیں گے ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد ✿ چراغِ عاشقاں ہرگز نمیرد

یاد آیا، اور یہی سن جو حضور نے فرمایا صحیح ہے۔

حسب و نسب

حضور والا سید حسنی و حسینی ہیں۔ مدینۂ طیبہ سے آبا و اجداد روانہ ہو کر مدراس کے علاقہ میں آکر متوطن ہوئے اور پلٹن کی ملازمت کرتے رہے۔ سلسلۂ ملازمت میں آپ کے آبا و اجداد کامٹی تشریف لائے، آپ کی ولادت گو مدراس میں ہوئی تھی۔ آپ شکمِ مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد بزرگوار حضرت سیدنا مولینا بدرالدین ؒ دارِ فانی سے راہی دارالبقاؑ ہوئے، اور شیرخواری کے زمانہ میں ہی حضور کی والدہ ماجدہ مخدومہ محترمہ سیدہ اماں ھو یم بی بی صاحبہؒ رحلت فرما گئیں۔ آپ اپنے نانا بزرگوار حضرت شیخ میراں صوبیدار میجرؒ کی تربیتِ خاص میں رکھے گئے۔

امام حسن عسکری کے پوتے

ایک روز ارشاد ہوا کہ سوانح حیات قلمبند کرنے کے سلسلہ میں بابا کے نسب کی ہم کو تصدیق مطلوب تھی۔ خود بابا نے ہم سے فرمایا کہ

"میں امام حسن عسکریؑ کا پوتا ہوں"

"تاج قطبی" کی اِصلاح

ایک روز ارشاد ہوا کہ حضور بابا صاحب کے حالات میں ایک کتاب "تاج قطبی" شائع ہوئی تھی۔ اس میں مصنف نے آپ کا نسب صدیقی لکھا تھا۔ جب یہ کتاب حضور کو پیش کی گئی تو آپ نے اس کتاب کو ہاتھ میں لیتے ہی از راہ کشف فرمایا کہ۔

"اس کتاب میں میرا نسب غلط لکھا گیا ہے، میں صدیقی نہیں امام عسکریؑ کا پوتا ہوں۔"

تعلیمِ ظاہر و باطن

عِلمِ لدُنّی

متواتر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ مکتب میں پڑھنے کو بٹھائے گئے۔ اسی زمانہ میں ایک بزرگ حضرت مولینا سید عبداللہ شاہ صاحب مجذوب سالک ؒ کامٹی میں رونق افروز تھے، وہ اس مکتب میں جہاں آپ پڑھتے تھے، تشریف لائے اور اُستاد کو مخاطب کر کے آپ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "یہ لڑکا پڑھا پڑھایا ہے، اسے پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے"[۱]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ازلی ابدی نسبت تھی اور آپ عالِمِ لدُنّی تھے، مگر بپاسِ ظاہر داری، اردو، انگریزی عربی، فارسی کی بھی تکمیل فرمائی۔

مُلازمت

کسی حکمت اور مصلحت سے، ایّامِ شباب میں آپ بھی پلٹن میں ملازم ہو گئے۔ اور تین سال تک پلٹن کی ملازمت کر کے، پلٹن کے قواعد وضوابط کا علم بھی حاصل کرلیا۔ کیونکہ ایک زبردست جنگ کا "انتظام" کرنا تھا۔

جب دنیا کے تمام علومِ ظاہری کی تکمیل ہو گئی تو بعد تین سال، ملازمت پلٹن کے، باطن کی طرف متوجہ ہو گئے اور دریائے جذب وسلوک کی سیر، ظاہری طور سے کرنے لگے۔

---

[۱] بالائے سرش زہوشمندی ؛ می تافت ستارۂ بلندی

حضرت بابا کے ابتدائی حالات

ابتدائی حالات
پاگل جھونپڑی
راجہ رگھوجی راؤ کی حاضری
ڈاکٹر روتی راؤ سپرنٹنڈنٹ پاگل خانہ
پاداش
پاگل جھونپڑی سے شکر درہ محل
پیاسے
سیٹھ گوبردھن داس
شیر اور بابا
امامت

حضرت مولانا محمد عبدالاحد صاحب بھوپالی ۔ مقیم حال روہڑی (سندھ)
نے تحریر فرمایا ہے کہ کراچی سے شائع ہونے والا ماہنامہ تاج ایک مرتبہ
نظر سے گذرا، جس پر مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے بابا ذہین شاہ تاجی کا نام
لکھا تھا۔ رسالہ پڑھ کر عشاقِ حضرت بابا صاحب علیہ الرحمتہ کے حالات
معلوم ہوئے ۔ دل پر ایک سرور و کیفیت طاری ہوا۔ دل چاہا کہ
بابا ذہین شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ تمام واقعات
جو میری موجودگی میں، بشکل کرامات ظاہر ہوئے ہیں اور عوام الناس
نے جس طرح حضرت قبلہ بابا صاحب سے فیض حاصل کیا ہے قلمبند
کر کے تاج کو بھیجوں ۔ اسی شوق میں ایک مرتبہ کراچی گیا۔ اور بابا
ذہین شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حرفِ مطلب زبان پہ
لایا۔ بابا صاحب نے کمالِ شوق سے وہ حالات مجھ سے سُنے اور فرمایا
کہ یہ حالات لکھ کر دیدیں تاکہ عوام و خواص مستفیض ہوسکیں۔

مُشتے نمونہ از خروارے

ابتدائی حالات

جب حضور بابا تاج الدین صاحبؒ قبلہ برٹش گورنمنٹ انڈیا کی فوجی ملازمت کے دوران ناگپور کے قریب
کامٹی ملٹری کیمپ میں (میگزین)، اسلحہ کے ذخیرے پر پہرہ دینے کے لئے متعین تھے!
ایک رات دو بجے کے قریب ملٹری کا ایک کیپٹن اچانک معائنہ کے لئے آیا اور حضور بابا

صاحب کو اپنی ڈیوٹی پر مستعد و موجود پایا۔ ضروری سوال وجواب وجائزے کے بعد واپس ہوا تو نصف فرلانگ کے فاصلہ پر لبِ سڑک ایک چھوٹی سی مسجد کا صحن جو چاندنی رات سے پُرنور تھا میں بڑے حضور کو نماز میں مشغول پایا۔ یہ کیپٹن چونکہ انگریز تھا کچھ دیر دیکھنے کے بعد پھر واپس (میگزین) اسلحہ کے ذخیرے پر پہنچا اور حضور بابا صاحب کو وہاں اپنی ڈیوٹی پر موجود و مستعد پایا۔ آپ نے فوراً آواز دی کہ کون! کیپٹن نے پوری تسلّی کی اور واپس ہوا تو پھر اُسی مسجد کے صحن میں بڑے حضور کو مشغول عبادت دیکھا۔ قریب جا کر غور سے دیکھا اور پھر واپس میگزین پر آیا اور حضور بابا صاحب کو بدستور اپنی ڈیوٹی پر موجود پایا اور پھر گفتگو کے بعد حیرت زدہ واپس ہوا تو پھر بڑے حضور صاحب کو مشغول عبادت پایا۔

غرض کہ تیسری بار وہ کیپٹن خاموشی سے واپس ہوگیا اور دوسرے روز اپنے بڑے آفیسر کے سامنے بڑے حضور کو بلایا گیا۔ اور رات کا سارا واقعہ دوہرانے کے بعد کہا کہ ہم نے تم کو رات میں دو دو جگہ پر دیکھا ہے۔ ہم سمجھتا ہے کہ تم خدا کا خاص بندہ ہے۔ اتنا سننا تھا کہ بڑے حضور کو جلال آگیا، اور واپس ہوکر حضور تمام سرکاری سامان وردی وغیرہ لے آئے اور ہر دو آفیسران کے سامنے رکھکر اپنے مخصوص لہجہ میں فرمایا "لو جی حضرت اب دو دو نوکریاں نہیں کرتے جی حضرت"۔ اور وہاں سے آپ نکل گئے۔

ناگپور اور جبل پور شہروں کو ملانے والی قومی شاہراہ جو کامٹی اور رام ٹیک کے قریب سے گذرتی ہے اور جہاں سے ست پڑا پہاڑ کا سلسلہ جو اپنی گود میں بشمار جنگلات جن میں درندے اور دیگر جانور کافی ہیں لئے ہوئے پھیلا ہوا ہے۔ اس میں بڑے حضور گم ہوگئے یہانتک کہ لوگوں کے دلوں سے حضور کی یاد بھی دھندلی ہو چلی تھی کہ یکایک تین چار سال کے بعد حضور بابا صاحب کبھی کامٹی اور کبھی ناگپور

میں دکھائی دینے لگے۔ لیکن یہ وہ دور تھا جب کہ حضور پر حالتِ جذب شدّت سے طاری تھا اور اسی عالمِ مجذوبیت میں بدن ڈھانپنے یا کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہتا تھا، اور شہرِ ناگپور اور کامٹی کے آوارہ لڑکے اور خراب بدقماش لوگ حضور کو چھیڑتے اور تنگ کرتے۔ کوئی پتھّر مارتا، کوئی لکڑی مارتا۔ غرضیکہ اس طرح کئی کئی دن گذر جاتے، لیکن اسی دوران کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بہ نظرِ غائر حضور بابا صاحب کے اندر خاص کیفیتیں دیکھکر آپ کا بڑا احترام کرتے اور حضور کی خدمت گذاری کرتے رہتے انھیں میں یہ عاجز فقیر بھی ایک تھا جو ہمیشہ حضور کی ہمراہی تلاش کرتا رہتا اور بیشتر اپنی فرصت کا وقت حضور کے ساتھ ہی گذارتا۔

پاگل جھونپڑی

ان ہی دنوں ایک عجیب واقعہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ ہمیں بہت ستاتے ہیں اب ہم پاگل جھونپڑی چلے جائیں گے، چنانچہ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ حضور بابا صاحب کو ناگپور کے پاگل خانہ میں داخل کردیا گیا جہاں آپ نے قیام فرمایا لیکن وہ شمع نوری وہاں بھی اپنی ضوفشانیاں دکھلانے لگی اور پاگل خانہ کے لوگ عموماً اور سپرنٹنڈنٹ پاگل خانہ ڈاکٹر مارونی راؤ آپ سے بہت متاثر ہوا اور خاص نگرانی میں حضور کے خورونوش وصفائی بستر وغیرہ کا انتظام کراتا تھا، اب وہ وقت آیا کہ جب حضور بابا صاحب پر کبھی جذب اور کبھی سلوک کی کیفیت طاری رہنے لگی اور خاص کر عالمِ سلوک میں حضور سے نمایاں کرامات ظاہر ہوتی رہتیں، یہاں تک کہ ایک دن شام کو جب آپ کو اپنے کمرے میں بند کردیا گیا جو باہر سے مقفل تھا اور پاگل خانہ کا صدر دروازہ جو شام چھ بجے روزانہ قطعی بند کردیا جاتا اور ایک محافظ ہمیشہ وہاں موجود رہتا، وہ بھی بند ہوچکا تھا لیکن دوسری صبح جب بڑا دروازہ کھولا گیا تو حضور بابا تاج الدین صاحب قبلہ باہر سے اندر آنے کے لئے منتظر کھڑے تھے۔ اس خبر سے سارے پاگل خانہ میں ہلچل مچ گئی۔

سپرنٹنڈنٹ اور دیگر عملہ آن موجود ہوئے اور حضور کو اندر لے آئے اور جب آپ کے کمرے کو دیکھا تو وہ بھی باقاعدہ مقفل پایا گیا جس پہ اظہار حیرت کے بجائے لوگوں میں حضور کے لئے بڑی عقیدت بڑھ گئی اور اس واقعہ کا سارے شہر ناگپور اور اطراف وجوانب میں چرچا ہو گیا۔ لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے اور حضور بابا صاحب کی شان بے نیازی یہ تھی کہ خواہ بڑے سے بڑا امیر کبیر ہو یا معمولی آدمی ہر ایک سے بالکل ایک طریقہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد حضور اکثر وبیشتر صبح کو صدر دروازہ کھلنے پہ باہر سے تشریف لاتے اور خاموشی سے اندر داخل ہو کر اپنے مخصوص کمرے کے سامنے جو ایک چھوٹا سا پائیں باغ تھا اور اس میں کچھ بینچیں اور کرسیاں سپرنٹنڈنٹ پاگل خانہ نے رکھوائی ہوئی تھیں بیٹھ جاتے اور ورد وظائف میں آپ کی زبان رطب اللسان رہتی، اس کے بعد کم وبیش روزانہ کوئی نہ کوئی کرامت حضور سے ظہور پذیر ہوتی رہتی۔

راجہ رگھوجی راؤ کی حاضری

شہر ناگپور کا مشہور معروف گونڈ راجہ رگھوجی راؤ جس کو برٹش گورنمنٹ نے سالانہ نقد وظیفہ کے علاوہ شکردرا۔ واکی وغیرہ وغیرہ کئی گاؤں اور بہت سی آباد و غیر آباد زمین جاگیر میں دیئے ہوئے تھے اور جس کا ایک عالیشان محل بمعہ ایک بڑے باغ کے جو چند میل تک پھیلا ہوا ہے (ناگپور کے رہنے والے تصدیق کریں گے) اور راجہ صاحب نے خود اسی میں سکونت اختیار کی ہوئی ہے۔ راجہ رگھوجی راؤ کا لڑکا ونایک راؤ کی بیوی حاملہ تھی اور اُس کو درد زہ شروع ہوا اور وہ بہت بے چین ہوئی، چنانچہ اسی تکلیف میں سارا دن گذر گیا، شہر ناگپور کے مشہور و معروف سرجن اور لیڈی ڈاکٹر جمع تھے لیکن بچہ پیدا نہیں ہو رہا تھا، لاکھ جتن کئے گئے لیکن ہر کوشش ناکامیاب رہی اور ونایک راؤ کی بیوی یعنی چھوٹی رانی بالکل بیہوش ہو چکی

تھی، سارا دن گذر چکا تھا، غرضیکہ شام کے بعد تمام ڈاکٹروں اور لیڈی ڈاکٹروں نے حالات کو دیکھتے ہوئے یکجائی معائنہ کیا اور یہ فیصلہ دیا کہ بچہ پیٹ میں مر چکا ہے اور بچے کو پیٹ سے کاٹ کر نکالا جا سکتا ہے ورنہ دوسری صورت میں بچے کی ماں کی بھی خیر نہیں ہے یہ بھی مر جائے گی۔

بچے کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہر نکالا جائے اس پر راجہ رگھوجی راؤ اور بڑی رانی یعنی رگھوجی راؤ کی بیوی رضامند نہیں ہوئے اور انھوں نے یہ کہدیا کہ اگر چھوٹی رانی خود مرتی ہے تو مر جانے دو ہم لوگ اپنی طرف سے (آتما ہتھیا) کی اجازت نہیں دیں گے۔ غرضیکہ رات پوری اسی عالم میں گذر گئی۔ صبح کو چھ بجے جب راجہ رگھوجی راؤ اپنی پوجا پاٹ سے فارغ ہوا ہی تھا کہ راجہ صاحب کا موٹر ڈرائیور جو ایک مسلمان تھا اور حضور بابا صاحب کا بڑا معتقد تھا راجہ صاحب کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضور ان داتا اب تو اگر چھوٹی رانی کی جان بچانی ہے تو میری ایک عرض قبول کریں اور میرے ساتھ پاگل خانہ چلیں وہاں پر ایک بڑے ولی اللہ ہیں اور ان کا نام حضور بابا تاج الدین صاحب ہے اور سارے شہر کے اور باہر کے لوگ بھی حضور بابا صاحب سے بڑے فیض اٹھا رہے ہیں۔ بس اب تو آپ میری عرض سن لیجئے اور میرے کہنے سے حضور بابا صاحب کی خدمت میں چلئے۔

چنانچہ قدرت کو بھی کو یہ منظور تھا، راجہ رگھوجی راؤ کی قسمت اچھی تھی وہ کچھ ایسا متاثر ہوا کہ وہ پوجا کا وہ کپڑا جس کو یہ لوگ پوجا کے وقت پہنتے ہیں اور ان کی اصطلاح میں پتامبر کہلاتا ہے وہی پہنے ہوئے ننگے پیر فوراً موٹر میں آکر بیٹھ گیا اور ڈرائیور موٹر کو ہوا میں اڑاتا ہوا صدر اور چھاؤنی سے آگے سیدھا پاگل خانہ کے صدر دروازے پر رکا جہاں پاگل خانہ کا سپرنٹنڈنٹ اور دوسرے لوگ راجہ صاحب کے آنے کی خبر سن کر دوڑے آئے، لیکن ڈرائیور راجہ صاحب کو موٹر ہی میں

چھوڑ کر اندر پاگل خانہ میں حضور بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔

حضور بابا صاحب اس وقت اپنے مخصوص کمرے کے باہر پائیں باغ میں ایک شانِ بے نیازی سے بیٹھے ہوئے تھے اور بالکل عالمِ سلوک میں تھے۔ ڈرائیور نے حضور کے قدم چوم لئے اور دست بستہ عرض کیا حضرت جی، حضور کی خدمت میں شکر درا سے راجہ رگھو جی راؤ آئے ہیں اور قدمبوسی کے لئے حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ یہ سُن کر حضور بابا صاحب نے سر اُٹھا کر دیکھا اور فرمایا" ہم فقیر جی حضرت ہمارے سے راجہ کا کیا کام جی حضرت"۔ ڈرائیور نے پھر حضور کے قدم پکڑ لئے اور عرض کیا حضور قدمبوسی کی اجازت دیجیے بڑا اکرم ہوگا، اس پر حضور خاموش رہے۔ اور ڈرائیور بھاگا بھاگا راجہ کے پاس گیا اور کہا کہ بس جلدی چلو اور چل کر فوراً حضور بابا صاحب کے قدم پکڑ لو راجہ فوراً موٹر سے باہر آیا اور اندر جا کر حضور بابا صاحب کے قدم پکڑ لئے، حضور نے ایک نظر دیکھا اور فرمایا:۔

"ادھر کیا کرتے جی حضرت، ادھر جانا لڑکا پیدا ہوا تو خوشیاں منانا"۔

حضور بابا صاحب کا مخصوص لہجہ یہی تھا۔ موٹر ڈرائیور حضور بابا صاحب کا سچّا عاشق اور بڑا گرویدہ تھا، فوراً ہی راجہ صاحب سے بولا کہ بس اَن داتا چلو کام ہوگیا ساتھ ہی ڈرائیور نے جیب میں سے گھڑی نکالی اور جس وقت حضور بابا صاحب کی زبانِ مبارک سے مندرجہ بالا جملے ادا ہوئے تھے وہ وقت منٹ، سکنڈ اور گھنٹے کے حساب سے نوٹ کر لئے اور وہاں سے راجہ کو لیکر شکر درا روانہ ہوگیا۔ محل کے دروازے پر پہنچنے سے کچھ دور ہی سے ڈھول اور نفیری، شہنائیاں، باجے وغیرہ کی آوازیں آنے لگیں۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو سارے لوگ خوش وخرم بھاگے دوڑے پھر رہے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو خوشخبریاں دے رہے ہیں۔ موٹر کے رُکتے ہی سارے لوگ بھاگے ہوئے راجہ کے پاس آئے اور ہنستے ہوئے ہر ایک نے کنور

صاحب کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی۔ راجہ خوشی کے عالم میں بیخود اپنے آپ کو بھول گیا۔ غرضیکہ بڑی رانی اور راج کماریاں غرضیکہ سارا محل ہی امڈ آیا اور خوب دان پن ہوا لیکن ڈرائیور نے فوراً ہی راجہ صاحب سے عرض کیا کہ ان داتا سرکار اندر جو پنڈت اور مہاتما لوگ ہیں اور جو کنور صاحب کے پیدا ہونے کی جنم پتری اور جنم کنڈلی بنائیں گے ان سے اور اندر لو کرانیوں اور ڈاکٹرنیوں سے صحیح وقت مجھے معلوم کرا دیجئے۔ چنانچہ پوری جانچ پڑتال سے یہ بالکل صحیح ثابت ہوا کہ جس وقت حضور بابا کی زبان سے وہ جملہ نکلا تھا کہ ادھر کیا کہ تنے جی حضرت ادھر جانا لڑکا پیدا ہوا تو خوشیاں منانا، اسی وقت لڑکا تولد ہوا ہے اور جس پر سارے ڈاکٹر، ڈاکٹرنیاں اور دوسرے لوگ انگشت بدنداں ہیں۔

ڈاکٹر روتی راؤ سپرنٹنڈنٹ پاگل خانہ

دورانِ قیام پاگل خانہ ڈاکٹر روتی راؤ جو کہ پاگل خانہ کا سپرنٹنڈنٹ تھا اور اس کے پانچ لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں لڑکا کوئی نہیں تھا اور وہ اولاد نرینہ سے محروم تھا اس نے جب حضور بابا صاحب کی کچھ کرامتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور لوگوں کو فیض پہنچتے ہوئے دیکھا تو اس نے اپنی بیوی سے گھر میں ذکر کیا تو اس کی بیوی کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ میں چل کر حضور بابا صاحب سے عرض کروں شاید بھگوان مجھے لڑکا دیدے، یہ سوچ کر اس نے ایک دن اپنے خاوند سے کہا کہ مجھے بابا صاحب کے پاس پاگل خانے لے چلو۔ اس کا خاوند چونکہ پاگل خانہ کا سپرنٹنڈنٹ یعنی ایک اعلیٰ افسر تھا لیکن مذہباً مرہٹہ برہمن تھا (یہ مرہٹے خصوصاً مسلمان لفظ سے دشمنی رکھنے والی قوم ہوتی ہے) اپنی بیوی سے یہ الفاظ سن کر پہلے تو کچھ ہچکچایا بعدہ، اس نے یہ چاہا کہ کسی طرح بابا صاحب کو اپنے گھر لائے، لیکن وہ اس میں ناکامیاب رہا اور بابا صاحب کو اپنے گھر نہیں لیجا سکا، آخر ایک دن

اس کی بیوی بمعہ اپنی پانچوں لڑکیوں کے پاگل خانہ پہنچ گئی اور بابا صاحب کے قدم پکڑ لئے اور عرض کیا کہ حضور میرے کوئی لڑکا نہیں ہے میرے لئے دعا کریں حضور نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ :-

"ڈاکٹروں کی دوائیاں تو بہت کھاتے جی پن لڑکا نہیں ہوتا"

یہ سُن کر وہ بیچاری رونے لگی اور پھر عرض کیا کہ حضور بابا صاحب یہ سب لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں میرے لئے بھی مہربانی فرمائی جاوے۔ آپ نے سُن کر پوچھا کہ لڑکیاں کتنی جی تو اس نے جواب دیا کہ لڑکیاں تو پانچ ہیں جی بابا صاحب، تو آپ نے فرمایا کہ اگر لڑکیاں پانچ ہیں تو لڑکے بھی پانچ ہو جاتے جی۔ یہ سُن کر وہ دیوی آپ کی قدمبوسی کرنے کے بعد واپس آ گئی۔ خدا کی شان کہ اس تاریخ کے پورے نویں مہینہ اس کے لڑکا پیدا ہوا اور ڈاکٹر ماروتی راؤ کی بیوی نے غسل کے بعد لڑکے کو لا کر حضور بابا صاحب کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضور نے ایک نظر دیکھا اور تبسم فرمایا اور کہا کہ ابھی تو چار اور آتے جی۔ لیجانا یہ خوش رہے گا غرض کہ حضور بابا صاحب کے شکردرہ آنے سے پہلے پہلے دو لڑکے ڈاکٹر ماروتی راؤ کے یہاں پیدا ہو چکے تھے۔

پاداش اسی دوران شہر کے ایک بہت بڑے آدمی نے جو ہمیشہ حضور بابا صاحب سے اظہار نفرت کیا کرتا تھا اپنے ایک ملنے والے کے مجبور کرنے پر پاگل خانے کے اندر قدم رکھا تو یہاں حضور بابا صاحب کو عجیب عالم میں دیکھا کہ حضور بابا صاحب اپنا ہی بول و براز اپنے جسم پر مل رہے ہیں تو وہ فوراً ہی اظہار کراہیت کرتا ہوا واپس بھاگا۔ اس کے دوست نے مجبور کیا کہ میاں ٹھہرو یہ کیا حماقت ہے ذرا صبر کرو اور دیکھو تو یہ بھی ایک رمز فقرانہ ہے ادھر حضور بابا صاحب جب اپنے عمل سے فارغ ہوئے تو فوراً ہی چار

پانچ آدمی جو حضور کے پاس کھڑے ہوئے تھے انھوں نے حضور کو نہلانا شروع کیا اور ان میں یہ عاجز فقیر بھی شامل تھا۔ غرض کہ جب ہم لوگ حضور کو نہلا چکے اور آپ کو دوسرا چغہ پہنا دیا گیا تو یکایک ہم لوگوں کے ہاتھ خوشبو سے مہک اُٹھے اور خوشبو کا بڑھتے بڑھتے یہ عالم ہو گیا کہ ساری فضا اور اطراف پاگل خانہ معطر ہو گیا، تمام لوگ حیران رہ گئے کہ اتنی زبردست اور تیز خوشبو کہاں سے آرہی ہے اور ہم لوگوں کو جو حضور کے نہلانے والے تھے یہ احساس یکایک پیدا ہوا کہ ہم لوگوں کے ہاتھ خوشبو سے کس قدر مہک اٹھے ہیں، اور قریباً ایک ہفتہ تک میرے اور ان تمام آدمیوں کے ہاتھوں سے جو حضور بابا صاحب کو نہلانے میں شریک تھے خوشبو نہیں گئی۔ اسی دوران اکثر و بیشتر لوگ یہ واقعہ سُن سُن کر ہمارے ہاتھ سونگھنے آتے تھے اور ہماری دست بوسی کرتے تھے۔ غرض کہ ہر روز روزِ عید کی طرح ناگپور کا شہر معطر و معنبر رہا اور وہ شخص جو بابا صاحب کی یہ حالت دیکھکر چلا گیا تھا اور کراہیت کا اظہار کیا کرتا تھا لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ بُری طرح بیمار ہے اور اس کے پاس سے بدبُو ہی بدبو آرہی ہے یہاں تک کہ اس کے گھر والوں نے بھی اس کے پاس آنا جانا بند کر دیا ہے اور دور سے ہی کھانے پینے کو دیتے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شخص دسویں یا گیارھویں روز مر گیا۔

پاگل جھونپڑی سے شکردرہ محل

بابا تاج الدین صاحب قبلہ کو راجہ رگھوجی راؤ نے اپنے گھر میں پوتے کی پیدائش کی خوشی میں چیف کمشنر صاحب ناگپور سے کہکر اور اپنی ذاتی طور پر ایک لاکھ روپیہ کی ضمانت دے کر چھڑا کر لے گیا تھا۔ غرض کہ جب حضور بابا صاحب کو راجہ رگھوجی راؤ اپنے محل شکردرہ لے جا رہا تھا وہ منظر بھی عجیب و غریب اور دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا اور اس قدر عوام کا ہجوم کہ جس میں ہندو، مسلمان، اہلِ تشیع

عیسائی، سکھ اور ہر فرقہ کے لوگ برابر کے شریک تھے۔ یہ سب لوگ ایک جلوس کی شکل میں تھے اور راجہ رگھوجی راؤ ہاتھی پر قبلہ حضور بابا تاج الدین صاحب کو لئے ہوئے بیٹھا تھا، اور آگے اور پیچھے گھوڑوں اور اونٹوں کی قطاریں جن پر زرق برق پوشاکیں پہنے ہوئے راجہ کے نوکر سوار اور شاہی بینڈ آگے آگے اور پاگل خانہ سے چھاؤنی اور چھاؤنی سے صدر بازار تک ایک ہجوم بابا کی زیارت کے لئے ساتھ ساتھ تھا ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتا تھا۔ پھولوں کی ہر طرف اس قدر بارش تھی کہ بس بیان سے باہر تھی اور یہ سارا سماں دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا غرض کہ اسی شان وشوکت سے وہ شہنشاہِ ولایت جو ایک فقیر کے بھیس میں تھے شکردرہ پہنچے، راجہ رگھوجی راؤ کی رانیاں اور دیگر عورتوں نے اور راجہ کے خاندان کے کئی سو آدمیوں نے آگے بڑھکر راجہ رگھوجی راؤ کی موجودگی میں بابا صاحب کی قدمبوسی کا شرف حاصل کیا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ یہ خادم راقم الحروف اس جلوس میں شریک تھا اور پاگل خانہ سے شکردرہ تک جلوس کے ہمراہ پیدل سفر کیا اور سارا منظر آنکھ سے دیکھا۔ اس کے بعد بابا صاحب شکردرہ میں مستقل طور سے رہنے لگے اور راجہ رگھوجی راؤ ہمیشہ حضور کے درشن کرنے کو آتا رہتا تھا، حضور کو رہائش کے لئے راجہ نے اپنے محل کا بالکل سامنے والا بڑا حصّہ مخصوص کر دیا ہوا تھا اور حضور کے اطراف دن رات ایک ہجوم رہتا تھا اور بے حد لوگ آتے جاتے تھے، دربار حضور بابا صاحب سے فیض عام جاری تھا اکثر ایسا ہوتا کہ حضور بیٹھے ہوئے ہوتے اور اپنے مخصوص لہجہ میں کوئی ذکر فرماتے یا کسی کا نام لیتے اور اس کے متعلق فرماتے اور کچھ دیر کے بعد وہ شخص حاضر ہوتا اور بالکل وہی باتیں حضور سے کرنے لگتا جو ایک گھنٹہ یا دو گھنٹہ پہلے حضور نے کہہ دیا ہوتا۔

خادم یعنی اس غلام کی ڈیوٹی یہ ہوتی تھی کہ میں جب بھی خدمت میں حاضر

رہا حضور بابا صاحب بیڑی ہمیشہ میرے ہاتھ سے پیتے تھے اس لئے میں بیڑی اور ماچس ہمیشہ اپنے ہاتھ ہی میں رکھا کرتا تھا جہاں حضور نے فرمایا (بیڑی) میں فوراً ہی بیڑی حضور کے مُنہ سے لگا دیا کرتا تھا۔ اور اگر حضور نے بیڑی طلب کی اور کسی نے بیڑی جیب سے نکال کر پیش کی تو پھر حضور بابا صاحب بیڑی نہیں پیتے تھے۔ کھانے کا آپ کے یہ عالم تھا کہ کھانے کے لیئے راجہ رگھوجی راؤ کا خاص انتظام تھا، اس طرح کہ راجہ کا ایک ملازم دو بڑے بڑے ناشتہ دان بھرے ہوئے ہر وقت حضور بابا صاحب کے عقب میں موجود رہتا تھا اور پانی کی چھاگل ہمیشہ ملازم کے کاندھے پر ہوتی تھی ہر چھ گھنٹے کے بعد کھانا تبدیل کر دیا جاتا تھا اور تازہ کھانا آجایا کرتا تھا۔ حضور بابا صاحب کا جب جی چاہا دو تین لقمہ کھالئے ورنہ اکثر دو دو اور تین تین دن تک کھانا نہیں کھاتے تھے۔ پانی آپ کبھی پیتے تھے اور کبھی نہیں پیتے تھے۔

پیاسے ایک مرتبہ میری موجودگی میں آپ نے پانی مانگا، اور پینا شروع کیا آپ گلاس پہ گلاس پیتے جاتے تھے اور لوگ دوڑ کر لا لاکر دیتے جاتے تھے، پیتے رہے، پیتے رہے یہانتک کہ اندر محل کا اور مٹکوں کا گھڑوں کا پانی ختم ہو گیا۔ جب ڈھائی تین گھنٹہ کا عرصہ گذر گیا تب لوگوں نے دیکھا کہ حضور خاموش بیٹھے ہیں، خدا جانے وہ پانی کدھر گیا اور کہاں گیا اور اپنی وہی محمدی بیٹھک بیٹھے رہے پھر شام کے وقت فرمایا کہ سارے ہی پیاسے تھے جی وہ حضرت اور زخمی بھی تھے ان کو وہاں پانی کہاں ملتا جی، وہ جنگ کا میدان جی حضرت۔ یہ دورانِ جنگ کا واقعہ ہے اور اس وقت عالمگیر جنگ لگی ہوئی تھی جس وقت یہ کرامت ظہور پذیر ہوئی۔ عام طور پر بلا تخصیص مذہب و ملّت خواہ ہندو، خواہ مسلمان، سکھ، عیسائی، برہمن، پارسی وغیرہ سارے لوگ اپنی اپنی مُرادیں عرض کرتے اور جھولیاں بھر لیجاتے، روتے ہوئے آتے اور ہنستے ہوئے جاتے۔

سیٹھ گوبردھن داس

عرض کہ اب حضور بابا صاحب کا مستقل قیام شکردرہ میں راجہ رگھوجی راؤ کے محل میں ہو گیا اور اطراف و جوانب بلکہ غیر ممالک سے بھی لوگ حضور کا نام سُن سُن کر آتے اور برابر مستفیض ہوتے چلے جا رہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا، کئی لوگ حضور کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے کہ بابا صاحب نے یکایک فرمایا۔

"دیکھنا جی، بدمعاش لوگ خود ہی ریل گاڑی میں آگ لگوا دیتے اور پھر ریلوے والوں سے روپیہ بھی وصول کرتے جی اور جب پکڑ جاتے تو پھر ادھر آتے اور روتے کہ بابا صاحب ہم کو سزا ہو گئی اپن کیا کرنا جی۔"

جس وقت بابا صاحب نے یہ فرمایا اس وقت کوئی بھی کسی قسم کا سائل یا حاجت مند وہاں موجود نہیں تھا، ہم لوگ سب اس بات سے واقف تھے کہ کوئی نہ کوئی نیا واقعہ پیش آنے والا ہے۔ عرض کہ چند گھنٹوں کے بعد ایک شخص سیٹھ گوبردھن داس آکولہ کا رہنے والا بڑا آدمی تھا، آیا اور حضور کے قدم پکڑ لئے اور عرض کیا کہ حضور مجھ پر ریلوے والوں نے اور پولیس نے جھوٹا مقدمہ ڈال دیا ہے اور مجھے سیشن کورٹ سے سزا ہو گئی ہے اور مجھ پر الزام ہے کہ میں نے ریل کے ڈبوں میں آگ لگوائی ہے۔ عرضکہ اتنا کہکر وہ شخص ہاتھ باندھ کر خاموش کھڑا رہ گیا۔ کچھ دیر بعد حضور بابا صاحب نے فرمایا کہ "دیکھنا جی شہر میں نہیں جانا ادھر ہی پڑے رہنا" ہم لوگوں نے اس سیٹھ کو سمجھایا کہ بابا صاحب کا حکم ہے کہ تم ابھی یہیں پر رہو جاؤ مت وہ شخص شکردرا میں ہی رُک گیا، دوسرے دن صبح پھر بابا صاحب کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور آج یہاں ناگپور کے چیف کورٹ یعنی جوڈیشل کمشنر کے عدالت میں میری تاریخ ہے اور مجھے دس بجے صبح یہاں حاضری دینا ہے۔ آپ نے

فرمایا کہ "نہیں جی نہیں جاتے، یاں ہی پر پڑے رہتے بس۔" اتنا حکم سن کر وہ بڑا پریشان ہوا اور پھر عرض کیا کہ حضور والا میری پچاس ہزار کی ضمانت ہے اور میرے کئی وکیل اور بیرسٹر میرے انتظار میں ہوں گے اب میں کیا کروں۔ حضور بابا صاحب نے پھر زور سے فرمایا کہ "بس جی ہم نے بول دیا نہیں جاتے جی واں" اور بابا صاحب خاموش ہو گئے۔

سیٹھ گوبردھن داس دیوانہ وار چاروں طرف دیکھنے لگا کہ اب کیا کروں۔ جوڈیشل کمشنر ناگپور کی عدالت میں اپیل کی تاریخ اور بابا صاحب جانے سے منع فرما رہے ہیں، بڑا پریشان، چہرے پر ایک رنگ آتا ہے اور ایک رنگ جاتا ہے ہکا بکا کھڑا ہے، کبھی اپنی موٹر تک جاتا ہے اور پھر واپس آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا میاں پاگل ہو گیا ہے یا دماغ خراب ہو گیا ہے، دیکھتا ہی نہیں کہ حضور بابا صاحب جانے سے منع فرما رہے ہیں اگر تیرا اعتقاد اتنا کچا تھا تو پھر اس درگاہ پر کیوں حاضر ہوا اپنے وکیلوں اور بیرسٹروں پر ہی بھروسہ کیا ہوتا اور ان لوگوں کے سہارے ہی مقدمہ لڑا ہوتا، یہاں کیوں آیا، اب یہاں آگیا ہے تو تیری خیر اسی میں ہے کہ جیسا بابا صاحب فرمائیں ویسا کر ورنہ بڑا نقصان اٹھائے گا۔

غرض کہ وہ شخص اسی عالم میں نیم پاگل کی طرح وہیں پر رکا رہا۔ قریباً گیارہ بجے دو موٹر کاریں آئیں اور اس میں سے سیٹھ کے وکیل لوگ اور بیرسٹر اور سیٹھ کا منیم اور دوسرے کارندے باہر آئے اور سیٹھ سے کہا کہ جوڈیشل کمشنر صاحب یکایک سخت بیمار ہو گئے ہیں اور تاریخ پیشی آج سے چھٹے روز تک بڑھا دی گئی ہے۔ سیٹھ کو بڑا تعجب ہوا اور دوڑ کر آیا اور بابا صاحب کے قدموں میں گر گیا اور کہا کہ حضور بابا صاحب بس اب تو آپ ہی بچائیں۔ حضور نے حکم دیا کہ پانچ دن یہیں پڑے رہتے جی۔ غرض کہ پانچ دن تک حضور نے اس سیٹھ کو وہیں رکھا اور کھانا پینا بند کر دیا

اس نے بھی پانچ دن تک سوائے ایک پاؤ دودھ کے کچھ نہیں کھایا پیا اور چھٹے دن بابا صاحب کے حکم سے تاریخ پیشی پر عدالت میں حاضر ہوا اور وہاں سے اس کو ایک دم رہائی کا حکم ہو گیا، اور جو اس کو پانچ سال سزا اور کئی ہزار روپیہ جرمانہ ہوا تھا اس سے بری کر دیا گیا، پھر تو وہ سیٹھ ایک دم حضور بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور شکردرہ میں ایک ہفتہ تک خوب کھانے وغیرہ پکوائے اور غریبوں اور مسکینوں کو خوب ہی دیا اور بابا صاحب کا ایک عاشق جیسا بن گیا اور ہمیشہ آکولہ سے اپنی موٹر پر بمعہ بچوں کے آتا تھا اور کئی کئی دن تک شکردرہ میں بابا حضور کی خدمت میں رہتا تھا۔

شیر اور بابا

غرض کہ وہ تاجدار ولایت بڑی شان و کرّوفر کے ساتھ شکردرہ میں رونق افروز رہے۔ محل کے دروازے پر دائیں اور بائیں بڑے گیٹ سے ملحق دو کمرے تھے جن میں دو شیر راجہ رگھوراؤ کے پالے ہوئے رہتے تھے، اکثر جب جی چاہا حضور بابا صاحب ان شیروں کے کمروں کے دروازوں پر جا کر کھڑے ہو جاتے اور شیر آ کر حضور بابا صاحب کے پیر چاٹنے لگتا کبھی قدموں میں لوٹ جاتا، کبھی دُم اور کبھی اپنی تھوتھنی حضور کے قدموں میں رگڑتا اور جس طرح ایک پالتو بلی اپنے مالک سے رگڑتی اور غوں غوں کرتی ہے بالکل اسی طرح شیر بھی حضور کے ساتھ کھیلتے رہتے، یہ عالم دو دو گھنٹے جاری رہتا۔

امامت

راجہ رگھوجی راؤ نے دو گھوڑوں کی بگھی جسے وہاں کی اصطلاح میں بینس کہتے ہیں ہمیشہ جُتی ہوئی تیار کھڑی رہنے کا حکم دے رکھا تھا۔ غرض کہ بگھی ہمیشہ جُتی ہوئی تیار کھڑی رہتی تھی اور جب بھی بابا صاحب کا جی چاہا بگھی میں جا کر بیٹھ جاتے تھے کوچوان کو بابا صاحب کا حکم تھا کہ گھوڑوں کو مارنا نہیں اور نہ لگام سے کوئی اشارہ کرنا جی گھوڑے اپنی مرضی سے جہاں چاہتے

گھوم جاتے اور جدھر چاہتے چلے جاتے۔

ایک شام بگھی سنیا منڈی جو سول لائن کی طرف کی بڑی پُر رونق آبادی ہے اور لب سڑک ایک مسجد بیچ بازار میں واقع ہے، نماز مغرب کی اذان ختم ہوئی اور بگھی مسجد کے دروازے پر آکر رُک گئی۔ بابا صاحب بگھی سے اُتر کر مسجد میں داخل ہو گئے۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد جو نماز مغرب ادا کرنے کے لئے وہاں موجود تھی خاموش کھڑی رہی۔

پیش امام صاحب نے بابا صاحب سے عرض کیا کہ حضور نماز پڑھا دیجیے، بابا صاحب امام کی جگہ ننگے سر کھڑے ہو گئے اور تکبیر کے بعد اللہ اکبر کہکر نیت باندھ لی۔ پھر اللہ اکبر کہکر نیت باندھی، غرض کہ پانچ یا سات بار آپ نے نیت باندھی اور اس کے بعد کچھ پڑھا اور اللہ اکبر کہکر رکوع میں چلے گئے، پھر اللہ اکبر کہکر کھڑے ہو گئے اور پھر اللہ اکبر کہکر رکوع میں چلے گئے، پھر اللہ اکبر کہکر کھڑے ہو گئے اور پھر اللہ اکبر کہکر رکوع میں چلے گئے۔ غرض کہ پانچ یا سات بار رکوع اور قیام فرمایا، پھر اللہ اکبر کہکر سجدے میں چلے گئے، پھر اللہ اکبر کہکر قعدے میں بیٹھ گئے اور پھر اللہ اکبر سجدے میں چلے گئے، پھر اللہ اکبر کہکر بیٹھ گئے۔ غرض کہ پانچ یا سات سجدے کئے اور پہلی رکعت میں قعدہ فرمایا اور کچھ پڑھا اور سلام پھیر دیا اور بغیر دعا مانگے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ مقتدی لوگوں میں سے زیادہ لوگوں نے نماز دُہرائی لیکن کچھ ایسے نمازی بھی تھے جنھوں نے نماز نہیں دُہرائی، بابا صاحب نے فرمایا کہ تم لوگ جیسا کتاب میں لکھا ہے ویسی ہی نماز پڑھتے ہو جی اور ہم کو جیسا کتاب والا بولتا ہے ویسی نماز ہم پڑھتے جی حضرت۔

اب سنئے وہ لوگ جنھوں نے اپنی نماز نہیں دُہرائی تھی بلکہ بابا صاحب کی اقتدا کی تھی اور خاموش تھے ان میں سارے کے سارے بڑے درجوں پر پہنچے اور کچھ بڑے مالدار ملک التجار بن گئے، ان کے گھروں میں بڑی برکت آل واولاد اور مال میں بے حد فراوانی ہوئی اور دیکھتے دیکھتے کیا سے کیا ہو گئے۔

مرتبہ ولایت وقطبیت

سوالاکھ ولی۔
باباصاحب کی جامعیت۔
تاج محی الدین۔
تاج الدین کسی سے کم نہیں ہے۔
تاج معین الدین
خواب میں مُرید فرمانا
خواجہ حسن نظامی اور باباصاحب
شاہ حیات صاحب ردولی شریف
کاٹھ کی تلوار
حضرت کلو پاشا قطب اجمیر
حنانہ پڑی
ایک دوسرا واقعہ
کیفِ خودی!
شہنشاہ ہفت اقلیم
پانچ پیسے

سوالاکھ ولی

بابا کا ارشاد ہے کہ میں سوالاکھ تاج الدین بنا کر چھوڑوں گا۔

باباصاحب کی جامعیت

بابا ریدنا حضرت سید محمد بابا تاج الدینؒ کو پنجتن پاک سے اُولیت حاصل ہے۔ اور ہر سلسلہ کے بزرگ سے براہ راست فیض اخذ کیا ہے۔ جس سلسلہ کا طالب حاضرِ دربار ہوا اُس کو اُسی سلسلہ کے انوار و برکات سے مالامال فرمایا۔ قادری کو قادری، چشتی کو چشتی، نقشبندی کو نقشبندی، سہروردی کو سہروردی مشہور ہوئے۔ یہ باباصاحب کی جامعیت اور کلّیت کی روشن دلیل ہے ؎

اے ترا بر ہر دلے رازِ دِگر
ہر گدارا بر درت نازِ دگر

تاج محی الدین

ایک روز فرمایا کہ بابا کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ "میرا نام تاج محی الدین ہے"

میں نے مودب استفادہ کی درخواست کی، تو ارشاد ہوا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے "ہمعات" میں لکھا ہے کہ ہر دور میں ایک بزرگ، اس اُمت میں ایسا ظاہر ہوتا ہے جو دین کو زندہ کرتا ہے۔ اُس کی علامت یہ ہے کہ وہ اس عالم میں ہر قسم کا تصرف کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ مُردے کو زندہ کرنا، مغیبات سے اطلاع دینا، مریضوں کو اچھا کرنا، نامُرادوں کو مُرادیں دینا، اور ہر قسم کے خوارق عادات اُس سے بے شمار سرزد ہوتے ہیں۔ جب اس قسم کے بزرگ کا ظہور ہوتا ہے تو یہی قطب مدار عالم ہوتا ہے پچھلے اقطاب کی دعوتیں منسوخ ہو جاتی ہیں، اور وہ تمام سلاسل جو پہلے سے چلے آتے ہیں، مُردہ ہو جاتے ہیں اور یہ بزرگ جس سلسلہ کو چاہے پھر سے زندہ کرتا ہے۔ تمام سلاسل اس کی روحانیت سے فیض یاب ہوتے ہیں یہ ہر سلسلہ کا "مُحیّ الدین" ہوتا

ہے، اور جب تک کہ اسی شان کا دوسرا بزرگ ظاہر نہ ہو۔ اُس کی حکومت تمام عالم میں جاری وساری رہتی ہے۔ اسی طرح شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؓ نے "فتوحات المکیہ" میں بیان فرمایا ہے کہ جب قطبِ مدارِ عالم کا ظہور ہوتا ہے تو سابقہ اقطاب کی حکومت دعوت اور تاثیر منسوخ ہوجاتی ہے۔

پھر قبلہ وکعبہ نے فرمایا کہ جاننے والے جانتے ہیں کہ باباصاحب کی شان کا بزرگ اس وقت تک ظاہر نہیں ہوا، آئندہ کا علم اللہ کو ہے۔ "خاتم الاولیاء" ہیں۔ خاتم الاولیاء کے یہ معنیٰ ہیں کہ اب کوئی شخص مرتبۂ ولایت پر اس وقت تک فائز نہیں ہوسکتا، جب تک کہ حضور سے اس کو نسبت حاصل نہ ہو اور حضور کی روحانیت اُس کی مدد نہ فرمائے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت شیخ اکبرؒ، یہ دور حضرت باباصاحب کی حکومت کا دور ہے۔ اور آپ ہر سلسلہ کے تاج محی الدین ہیں۔ اسی وجہ سے آپ میں وہ جامعیت ہے کہ جس سلسلہ کا سالک حاضر دربار ہوا، آپ نے اسی سلسلہ کے انوار وبرکات سے اس کو سرفراز فرمایا۔ چشتی کو چشتی، قادری کو قادری، سہروردی کو سہروردی، نقشبندی کو نقشبندی مشہود ہوئے ؎

جہانِ کثرت و دُنیائے اضداد — تجلیات اسمائی سے آباد
تجلّی کیا، ظہورِ اسمِ رب ہے — مُسبّب آپ ہی اپنا سبب ہے
قدم جب راہِ حق میں ڈگمگائے — اعانت کو مُعین الدین آئے
اعانت کا ظہور اس رنگ میں ہے — تجلّی طور کی ہر سنگ میں ہے
مُحیِ الدّین کو دلبر بنایا — حیاتِ دین کا مظہر بنایا
برنگِ نقشبندی، سہروردی — خدا کی فوج نے بدلی ہے وردی
شہِ احمیر ہی جیلان میں ہے — دلوں کی زندگی عرفان میں ہے
ہمارے دور کی معراج دیکھو — وہ آئے رکھ کے سر پہ تاج دیکھو

ظہورِ اولیں و آخریں ہے
وہ جس کا نام بابا تاج الدّین ہے

~~~✶~~~

تاج الدین کسی سے کم نہیں ہے

ایک روز فرمایا کہ حضور بابا صاحب نے ایک روز فرمایا

"تاج الدین کسی سے کم نہیں ہے"

یہ جملے حضور ایسے مواقع پر فرماتے جب بزرگانِ دین کا تذکرہ ہوتا یا محفلِ سماع میں کسی بزرگ کی منقبت سُنائی جاتی ۔ مثلاً ایک بار خواجۂ خواجگان حضور غریب نوازؒ کا ذکر آگیا تو بابا صاحب نے بڑے جوش و خروش سے فرمایا

"مُعین الدین بہت بڑے آدمی ہیں"

یہ جُملے آپ نے بہت پُر جلال لب و لہجہ میں کئی بار دُہرائے، آخر میں فرمایا

"مگر حضرت! یہ تاج الدین بھی کسی سے کم نہیں ہے"

تاج معین الدین

حضور اپنا نام اکثر تاج محی الدین، تاج معین الدین، بھی فرماتے تھے۔

صوفی محبت شاہ صاحب جو آجکل حیدر آباد سندھ، گاڑی کھاتے میں مطب کرتے ہیں، بیان کرتے تھے کہ میں ایک عرصہ تک درگاہِ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ میں معتکف رہا اور حضور سے مجھے ایک خصوصی نسبت حاصل تھی۔ میرا ایک مُرید ناگپور سی پی کے علاقہ سے آیا اور وہاں مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ میں نے منظور کر لیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے قیام کیا ہی تھا کہ حاضرین میں سے کسی نے بابا صاحب کا ذکر چھیڑ کر کہا کہ آپ اُن کے علاقہ میں آئے ہیں تو وہاں حاضری دینا بھی ضروری ہے"۔

بدقسمتی سے میں نے کہدیا کہ ہم خواجہ صاحبؒ کے نام لیوا ہیں، ہمیں بابا صاحب
~~~

سے کیا لینا ہے؟ بات آئی گئی ہوگئی ۔ ہم نمازِ عشا سے فارغ ہو کر سو رہے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اجمیر شریف کی خانقاہِ عالیہ کا سماع خانہ ہے، وہاں دربارِ شاہی منعقد ہے، صدرِ مقام پر ایک تخت بچھا ہوا ہے، اس پر بابا تاج الدینؒ بیٹھے ہوئے ہیں۔ رعب وجلال شاہانہ آپ کے چہرے سے ٹپک رہا ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور غریب نوازؒ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، ایک طشت میں تاج زرنگار ہے، وہ تاج زرنگار بابا کی طرف بڑھایا۔ بابا نے وہ تاج اپنے سرِ مبارک پر رکھتے ہوئے میری طرف دیکھا اور فرمایا:-

"کیوں محبت شاہ! یہی ہیں تیرے معین الدینؒ؟"

حضور غریب نوازؒ نے تنبیہہ آمیز نظر سے مجھے دیکھا، پھر اکر میری آنکھیں کھل گئیں اور ایسا معلوم ہوا کہ سکون واطمینان، محبت وعقیدت کی سب کیفیتیں ایک دم سلب ہوگئیں۔ بے چینی، اضطراب اور وحشت طاری ہوئی۔ میزبان سے ہم نے کہا، جلد سے جلد ہم کو بابا کے دربار میں لے چلو۔ ابھی رات باقی تھی، بیل گاڑی کا انتظام ہوا، ناگپور پہنچے۔ دربار میں حاضری کا موقعہ ملا۔ ہمیں دیکھتے ہی بابا صاحب نے فرمایا:-

"یہاں دماغ لے کر نہیں آتے"

دو مبین و دو مگو و دو مخواں
خواجہ را در خواجۂ خود محو داں
گر جدا دانی ازاں ایں خواجہ را
گم کنی ہم متن و ہم دیباچہ را

میں نے دل ہی دل میں معافی چاہی، حضور نے حاضرِ خدمت رہنے کا حکم دیا۔ عرصہ تک سعادتِ قدم بوسی اور دولتِ تربیت حاصل کی بات سمجھ میں آگئی کہ ؎

نیرنگیوں سے یار کی حیراں نہ ہوجیو
ہر رنگ میں اُسی کو نمودار دیکھنا

خواب میں مُرید فرمانا

ایک صاحب، حسام الدین نامی تاج آباد شریف میں مجھ سے ملے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں رائے پور میں اکسائز انسپکٹر تھا۔ اس زمانہ میں باباصاحب کی شہرت سُن کر مجھے خیال آیا کہ میں آپ کا مُرید ہو جاؤں۔ اُسی رات خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ بابا صاحب ایک حوض پہ وضو کر رہے ہیں۔ اُس پانی کی عجیب تاثیر ہے کہ اعضائے وضو آئینہ کی طرح شفاف ہو جاتے ہیں۔ وضو کرنے کے بعد باباصاحب نے مجھ سے فرمایا کہ "تم بھی وضو کر لو" میں نے بھی وضو کیا تو میرے ہاتھ پاؤں، مُنہ آئینہ جیسے ہو گئے اُس کے بعد حضور نے اپنا دایاں ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں نے دونوں ہاتھوں میں آپ کا دستِ مبارک تھام لیا۔ آنکھ کھُل گئی۔ میں سمجھا کہ مُرید ہونے کا جو خیال آیا تھا اُس کی منظوری باباصاحب کے یہاں سے ہو گئی۔ فوراً چھٹی لی اور مُرید ہونے کے لئے ناگپور شکردرہ حاضر ہوا۔ اُس وقت باباصاحب کی سواری نمودار ہوئی۔ آپ تانگہ میں سوار تھے مخلوق کا ہجوم تھا جو آپ کے تانگہ کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ میں نوجوان تھا، دوڑنے میں سب سے آگے نکل کر تانگے کے قریب جیسے ہی پہنچا باباصاحب نے فرمایا۔

"کیوں دوڑتے ہو؟ حضرت خواب میں ہاتھ ملایا ہے وہ بس ہے"

خواجہ حسن نظامی اور باباصاحب

مگر اس کے باوجود حسام الدین صاحب نہ مانے اور باباصاحب کی خدمت میں اس نیت سے ایک دن حاضر ہوئے کہ شربت پلایا جائے۔ آپ نے پانی طلب کیا۔ تھوڑا سا پینے کے بعد اُن کو مرحمت فرمایا۔ یہ پھر بھی نہ مانے۔ دل ہی دل میں کہا شجرہ بھی مرحمت ہو۔ حضور نے فرمایا "جاؤ شجرہ حسن نظامی سے لے آؤ"

یہ پھر بھی نہ مانے تو حضور نے عتاب آمیز لہجہ میں کہا "جاؤ تعمیلِ حکم کرو" اب

تعمیلِ حکم انھوں نے ضروری سمجھی مگر دل تھا کہ خواجہ صاحب کی طرف رجوع نہ ہوتا تھا، حکمِ حاکم، انھوں نے خواجہ صاحب کو ایک خط لکھا، اس میں اپنی سرگذشت لکھی اور بابا صاحب کا جو حکم ملا تھا اس کا ذکر بھی کیا، خواجہ صاحب سے دریافت کیا کہ میں کب اور کہاں شجرہ لینے کو حاضر ہوں؟ اور یہ بھی لکھا کہ میں اپنا نام، نشان، پتہ وغیرہ کچھ بھی نہیں لکھ رہا ہوں، اگر آپ سچے پیر ہیں تو خود معلوم کر لیں گے کہ میں کون ہوں، کہاں ہوں۔ آپ کا جواب ملنے پر صدقِ دل سے بابا کے حکم کی تعمیل کروں گا۔"

چند روز بعد اُن کو خواجہ صاحب کا گرامی نامہ ملا، جس میں اُن کا نام اور پورا پتہ درج تھا اور تحریر یہ تھا کہ "سترھویں شریف کے موقعہ پر آپ دہلی حاضر ہو جائیں۔"

خط ملتے ہی ان کی بدگمانیاں دور ہو گئیں اور خواجہ صاحب سے عقیدت و محبت پیدا ہوگئی۔ سترھویں شریف میں دہلی حاضر ہوئے، خواجہ صاحب کے یہاں محفل سماع گرم تھی۔ یہ ایک طرف کھڑے تھے کہ چپراسی نے آکر کہا کہ خواجہ صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ یہ حاضر ہوئے تو خواجہ صاحب نے فرمایا "حسام الدین تم آگئے"۔ یہ سنتے ہی اُن پر کیفیت طاری ہو گئی۔ خواجہ صاحب کے پہچان لینے پر اُن کو بڑی حیرت تھی۔

سماع ختم ہونے کے بعد خواجہ صاحب نے حسام الدین صاحب کو خلوت میں بُلایا اور فرمایا۔ کہ حضور بابا صاحب نے مجھے تمھارے نام، حُلیئے اور پتے سے مطلع فرما دیا تھا اور تمھیں دکھلا کر بتا دیا تھا کہ یہ شرارتاً اپنا نام چھپا رہا ہے۔ ہم نے اس کو تمھارے پاس حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ جو کچھ بھی میں نے کہا یہ سب کرامت بابا صاحب کی ہے۔ تم اپنے آپ کو اُن ہی کا مُرید سمجھنا۔ تعمیلِ حکم میں تم کو شجرہ دیتا ہوں۔ اور سلسلۂ نظامیہ میں داخل کرتا ہوں۔

شاہ حیات صاحب ردولی شریف

سرحد سے کچھ پٹھان لوگ حاضر دربار ہوئے ان کے کسی عزیز

کو قتل کے جرم میں پھانسی کا حکم ہو چکا تھا، اپیل درپیش تھی۔ اپیل سے پہلے حضور بابا صاحب کا حکم حاصل کرنا مقصود تھا۔ اس غرض سے یہ لوگ حضور کے سامنے پیش ہوئے تو حکم ہوا۔

"ردولی جاکر ہمارے سجادہ نشین سے دعا کراؤ"۔

یہ لوگ ردولی شریف پہنچے۔ حضرت قبلہ شاہ حیات احمد صاحب، سجادہ نشین ردولی کے درِ دولت پہ حاضر ہوئے جو خان بہادر اور آنریری مجسٹریٹ بھی تھے، بہت بڑی جاگیر کے مالک بھی تھے۔ اتفاق سے وہاں برج ہو رہا تھا۔ اُن لوگوں نے سلام کیا مگر توجہ نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد یہ لوگ بدگمان ہو کر شکر دیدہ واپس آگئے۔ بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے ان کو دیکھتے ہی عرضِ حال کا موقعہ دیئے بغیر، برہمی کے انداز میں فرمایا۔

"ہمارا سجادہ چاہے تاش کھیلے، کچھ کرے، تم کون ہو؟ جاؤ پھانسی سے بچانا ہے تو اُس سے دعا کراؤ"۔

مجبوراً یہ لوگ پھر ردولی شریف گئے اور سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس مرتبہ سجادہ نشین صاحب نے پوچھا کہ پہلے بھی تم آئے تھے، اور بغیر کچھ کہے چلے گئے، اور اب پھر آئے ہو، کیا بات ہے؟ اپنا حال کہو۔ انھوں نے مقدمہ کا حال، دربارِ تاج الاولیاء کی حاضری اور ردولی شریف حاضر ہونے کا حکم مفصل بیان کیا اور عرض کیا کہ دار و مدار آپ کی دعا پہ ہے۔ یہ حال سُن کر سجادہ نشین صاحب پہ کیفیت طاری ہوئی آپ نے دو رکعت نماز ادا کی اور بہت دیر تک سجدے میں سر رکھ کر روتے رہے۔ اس کے بعد سر اُٹھا کر فرمایا کہ جاؤ تمھارا بھی کام ہو گیا اور میرا بھی کام ہو گیا۔

پیر و مرشد حضرت قبلہ و کعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شاہ حیات احمد صاحب قبلہ کو اس واقعہ سے بابا صاحب کے ساتھ ایک خاص قسم کی عقیدت اور نسبت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ بابا نے بڑے لطیف پیرائے میں مجھے توجہ دلائی کہ تمھارا کام اور تمھارا منصب خلقِ خدا کی مشکل کشائی ہے نہ کہ برج و تاش میں مشغولیت۔ چنانچہ

اس تنبیہ کے بعد اُن کی زندگی میں ایک حسین تغیر رونما ہوا۔

کاٹھ کی تلوار

بلور، مدراس کے رہنے والے بہادر جنگ نامی ایک بہت بڑے سوداگر تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں کسی بزرگ سے بیعت تھے اور اوراد، اشغال، ذکر، فکر اور مراقبہ کا اہتمام رکھتے تھے۔ ایک رات بعد نماز عشا مراقب بیٹھے تو دیکھا کہ ایک بزرگ نمودار ہوتے ہیں اور ایک تلوار اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"بہادر جنگ! یہ تلوار لو، تمھاری تلوار بیکار ہے، کاٹھ کی ہے۔"

یہ فرما کر وہ بزرگ غائب ہو گئے۔ اُن کو ہوش آیا تو طبیعت اُچاٹ، نسبت غائب۔ دل پر وحشت کی عجیب و غریب حالت طاری ہوئی۔ اتفاق سے تجارتی کاروبار کے سلسلہ میں اُن کو بمبئی جانا پڑا۔ وہاں کے ایک سیٹھ نے ان کو رات کے کھانے میں مدعو کیا ۔ یہ وہاں پہنچے تو کمرے میں قدم رکھتے ہی ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔

میزبان پریشان، ملازمین حواس باختہ کہ یہ کیا ہوا؟ بڑی جدّ و جہد کے بعد ہوش آیا تو پہلا سوال میزبان سے یہ کیا کہ یہ فوٹو کس کا ہے جو کمرے میں آویزاں ہے؟ میزبان نے جواب دیا کہ یہ ہمارے بابا تاج الدین صاحب کا فوٹو ہے۔ بہادر جنگ نے کہا "یہ کہاں ہیں؟" — میزبان نے کہا کہ ناگپور سی پی، تعجب ہے کہ آپ ان کو نہیں جانتے؟

بہادر جنگ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ پہلی ٹرین سے ناگپور چلا جاؤں، یہ دعوت میرے لئے نہایت مبارک اور کامیاب ثابت ہوئی کہ میں جس بزرگ کی تلاش میں تھا اُن کا پتہ چل گیا۔ اس کے بعد اپنا تمام حال انھوں نے سیٹھ صاحب کو سنایا جو مراقبہ میں معلوم ہوا تھا۔ اُس کے بعد جو کیفیت دل پر گذر رہی تھی، بیان کی، سیٹھ صاحب نے تسلّی دی اور تھوڑا بہت کھانا کھلانا چاہا مگر یہ نہ مانے، اور ہدایت کی کہ میرے ملازمین سے کہدیا جائے کہ وہ جائیں اور کاروبار جانے، اب میرا انتظار نہ کریں۔ سیٹھ صاحب

نے کہا ہوٹل، سامان، اسباب تجارتی تو ملازمین سنبھال لیں گے، مگر آپ دن میں دو بار کپڑے تبدیل کرنے کے عادی ہیں، کپڑوں کے بکس تو ساتھ لے لیجئے۔ انھوں نے جواب دیا کہ "ضرورت نہیں"۔ اور پہلی ٹرین سے ناگپور روانہ ہو گئے۔

ناگپور پہنچ کر حضور بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت بابا صاحب ندی کے کنارے تشریف فرما تھے، زائرین آپ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے، انھیں میں بہادر جنگ کھڑے ہوئے تھے۔ حضور نے اُنگلی سے زمین پر ایک تلوار بنائی اس طرح۔

اور بلند آواز سے فرمایا:۔

"بہادر جنگ! یہ تلوار لو، تمھاری تلوار بیکار ہے، کاٹھ کی ہے"

بہادر جنگ ہجوم سے آگے نکلے، بڑھکر قدمبوسی کی اور دفعتاً سے

گل اُس نظر کے زخم رسیدوں سے مل گیا
یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا

نین چھپائے نا چھپیں سِٹ گھونگھٹ کی اوٹ
چتر نار اور سوما کریں لاکھ میں چوٹ

چند روز بعد یہ بہت بڑے سوداگر، ایک بڑے سودائی کی صورت میں "کامٹی ہرکچن مندر" میں نظر آئے۔ دن میں دو بار کپڑے بدلنے والے خوش پوش انسان کے بدن پر وہ لباس زیب تن تھا، جس میں الٹا سیدھا کچھ بھی نہیں۔ سراپا وارفتگی، مکمل

بے خودی، مجسم جذب، مندر کے ایک کونے میں دن رات پڑے رہنا، نہ کسی سے کوئی کام نہ کوئی کلام سہ

نہ کچھ غرض اُن کو جسم و جاں سے، نہ کام کچھ اُن کو این و آں سے
گذر چکے ہیں وہ دو جہاں سے، جو تیرے کوچے میں آچکے ہیں

بہ رندی و بشوخی ہمچو خسرو
ہزاراں خانماں بر کندہ باشی

حضرت کلّو پاشا، قطب اجمیر

فرید صاحب فضا نے ایک جُبّہ بناکر بابا صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے قبول فرمایا، زیب تن کیا۔ اس کے چند روز بعد فرید صاحب اجمیر شریف حاضر ہوئے۔ وہاں حضرت کلّو پاشا کی قطبیت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یہ اُن کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے اُن کو دیکھتے ہی کہا "کیوں ہمیں جُبّہ نہیں پہنایا؟"

انھوں نے جُبّہ تیار کرایا اور قلاقند، جو بادشاہ کو بہت مرغوب تھی، دونے میں ساتھ لے گئے۔ آپ نے جبّہ پہن لیا اور قلاقند کا دونہ دونوں ہاتھوں میں لیکر مُنھ سے لگالیا اور جتنا منھ میں آیا کھاکر دونہ ان کی طرف بڑھایا۔ فضا صاحب کہتے ہیں کہ میں لینے کو آگے بڑھا تو ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا "نہیں، نہیں، نہیں، نہیں"۔ اُس کے بعد پھر دونے کو مُنھ سے لگایا اور بڑی محبت سے فرمایا "لے لے" ــــ میں آگے بڑھا تو پھر "نہیں نہیں" کہتے ہوئے ہاتھ کھینچ لیا۔ تیسری دفعہ بھی بالکل یہی صورت پیش آئی۔ البتہ اس مرتبہ آپ نے "نہیں نہیں" کہتے ہوئے دونے کو زمین پر پھینک دیا۔

حسانہ پری

میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا کہ خود ہی دونہ کیوں دینا چاہتے تھے خود ہی "نہیں" کہہ کہکر ہاتھ کیوں کھینچ لیتے تھے؟

رات عالمِ خواب میں، میں نے دیکھا کہ ایک لق دق دشت میں ہوں، ہر طرف ریت ہی ریت ہے، کہیں کسی طرف کوئی درخت دکھائی دیتا ہے نہ آدمی کی صورت نظر آتی ہے۔ میں ننگے سر، ننگے پاؤں اس صحرا میں چلا جا رہا ہوں، اچانک کلّو پاشا نمودار ہوئے۔ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ "آپ یہاں کہاں؟" جواباً فرمایا "چوک بنا رہا ہوں، خانہ پُری کر رہا ہوں" ــــ بادشاہ کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی لکڑی تھی، اس لکڑی سے انھوں نے ریت پر مُربع شکل میں چار لکیریں کھینچیں اور مجھ سے فرمایا "اس میں بیٹھ جاؤ" میں نے حُکم کی تعمیل کی۔ دفعتاً ایک کلاہ میرے سر پر خود بخود آگیا، اور کلّو پاشا کی لکڑی اُسترے میں تبدیل ہوگئی۔ بادشاہ نے کہا "ٹوپی اُتار دو تاکہ میں تمھارا سر مونڈ دوں"۔ میں نے ٹوپی سر سے اُتار دی اور کلّو پاشا نے مونڈنے کے لئے اُسترا سر پر رکھا۔ اچانک ایک رُعب دار آواز سُنائی دی "ٹھیرو! ٹھیرو!!"

کیا دیکھتا ہوں کہ حضور "تاجُ الاولیاءؒ" تشریف لا رہے ہیں۔ آتے ہی پہلے کلّو پاشا کو ڈانٹا "تم کس کے حُکم سے یہ کام کر رہے ہو؟ کیا مجھ سے تم نے دریافت کر لیا تھا؟" ــــ اس کے بعد مجھ سے فرمایا کہ "تم کس کی اجازت سے یہاں آئے، اس خانہ سے باہر آجاؤ" صبح میں کلّو پاشا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے دور ہی سے فرمایا۔

"جاؤ، جاؤ، بڑے کا ہاتھ سر پر ہے"

اس واقعہ سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضور تاجُ الاولیاء کے احکام، اقطاب پر بھی جاری ہوتے تھے۔ یہ آپ کے قطبِ مدارِ عالم ہونے کا بدیہی ثبوت ہے۔

ایک دوسرا واقعہ | حضرت قبلہ وکعبہ بابا یوسف شاہ تاجیؒ فرماتے

تھے کہ ابتدائی زمانہ میں ایک مرتبہ ہم ناگپور سے اجمیر شریف آئے، اور حضرت کلو پاشا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمیں اپنا جُبّہ اُتار کر پہنا دیا۔ جبّہ پہننے کے بعد ہماری آنکھیں کھل گئیں، کان کھل گئے۔ جانے کہاں کہاں کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ اور جانے کیسی کیسی صورتیں نظر آنے لگیں۔ زمان و مکان کے فاصلے سمٹ گئے حاضر و غائب ایک ہوگیا۔ جذب و مستی کا غلبہ ہوا۔ تمام دن اسی کیفیت میں گذرا۔ دن رات ہم مجبوبِ منزل، درگاہ معلیٰ اجمیر شریف میں مست و بے خود پڑے رہتے کہ حضور تاج الاولیاء تشریف لائے اور مجھے اپنے ساتھ حوض پر لے گئے وہاں حضور نے وضو فرمایا، تمام اعضاء وضو صاف و شفاف آئینہ کی طرح تابناک ہو گئے۔ مجھے بھی وضو کا حُکم دیا۔ میں نے وضو کیا۔ وہی کیفیت میری ہو گئی۔ اُس کے بعد فرمایا "دلوانے نہیں ہوتے"۔ معاً ہمیں ہوش آگیا اور وہ بات جاتی رہی۔

کیفِ خودی

ایک رات حضور جنگل میں رونق افروز تھے۔ چودھویں کا چاند آسمان پر چمک رہا تھا۔ مجمع حضور سے بہت دُور رہ گیا تھا۔ حضور ایک اونچے ٹیلے پر چڑھے، چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا:-

"جیسے بارہ سری کا سورج رہے"

سیّد ضیاء الحق ساتھ تھے۔ اُن پر ایک رعب، جلال طاری ہوا، ذرا دُور کھڑے ہو گئے۔ حضور نے فرمایا:-

"حی القیوم میرا نام ہے"

کئی بار حضور نے اس جُملے کو دوہرایا۔

شہنشاہ ہفتِ اقلیم

کبھی کبھی حضور تنبیہہ و تعلیم کے طور پر فرماتے تھے:-

"ہمارا نام تاجُ الاولیاء تاج الملّت والدین شہنشاہ ہفت اقلیم
سیّد محمد بابا تاج الدین ہے۔"

پانچ پیسے

حضور بابا صاحب کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "آج تک کسی ولی سے پانچ پیسے نہیں بنے، ہم پانچ پیسے بنا کر دکھائیں گے۔ ہم تاج الدین ہیں۔"

ایک رات حضور نہایت پُرتکلف لباس زیب تن کئے ہوئے تھے، سر پر سبز عمامہ تھا جسم پر سبز ریشمی جُبّہ تھا، ڈھیلا پاجامہ غرارہ پہنے تھے اور زرین جوتہ پاؤں میں تھا، شکردرہ محل سے برآمد ہوئے۔ مجمع ساتھ ہو گیا، آپ سب سے آگے آگے تیز تیز جا رہے تھے۔ ہم ساتھ ساتھ تھے، چاندنی رات تھی، خاموش سنسان جنگل، شجر و حجر لباسِ نور میں ملبوس تھے۔

چلتے چلتے بابا صاحب ایک باغ کے دروازے پر ٹھیرے جو گاؤں سے دور تھا، باغ کے دروازے پر ایک سہ دری بنی ہوئی تھی، اس سہ دری کی چھت پر جانے کے لئے زینہ بھی باہر بنا ہوا تھا، آپ اس زینہ سے چھت پر تشریف لے گئے، ہم بھی ساتھ ساتھ اوپر گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ حضور پر ایک کیفیت طاری ہے، آپ دونوں ہاتھوں سے اپنا عمامۂ مبارک سر سے اُٹھا کر اونچا کرتے ہیں اور عالمِ وجد میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہے ہیں :-

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ   کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ   صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

تھوڑی دیر میں مجمع جو پیچھے رہ گیا تھا آ گیا، حضور کی کیفیت میں افاقہ ہوا، اور آپ وہاں سے اُتر کر دوسری طرف چل دیئے۔

نسبتِ طریقت

قادری نسبت
شجرہ قادریہ نوشاہیہ
پیغمبرِ زہرا رضی اللہ عنہا
دربارِ زہرا رضی اللہ عنہا
اُویسی نسبت
براہ راست نسبت
نسبتِ حسینی
(پلیگ دفع، عشرۂ محرم)
نسبتِ محمدی
(شق القمر)

قادری نسبت

ایک روز فرمایا، باباکی نسبت ابتداً قادری ہے حضرت عبداللہ شاہ قادریؒ جن کا مزار کامٹی میں ہے بڑے صاحب باطن بزرگ تھے، اوائل عمر میں بابا نے اُن سے استفادہ کیا ہے۔ اس نسبت سے سلسلۂ قادریہ کی نسبت بھی بابا صاحب کو حاصل ہے۔ شجرۂ قادریہ حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا حضرت تاج الاولیاء تاج الملت والدین شہنشاہ ہفت اقلیم سید محمد بابا تاج الدین اغثنی و امددنی باذن اللہ

هو القادر — ## شجرۂ قادریہ نوشاہیہ طیبہ مبارکہ — هو القادر

یا الٰہی رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے
مرتضیٰ مولا علی مشکل کشا کے واسطے

پنجتن کی ذات کا صدقہ ملے بہرِ حسینؑ
شاہ زین العابدینؑ صاحب رضا کے واسطے

ہو دعا مقبول بہرِ حضرت باقرؑ امام
جعفر صادقؑ شہِ صدق و صفا کے واسطے

طور کا جلوہ دکھا، طورِ تجلی دل بنا
موسیٰ کاظم علی موسیٰ رضا کے واسطے

بخش اپنی معرفت معروفِ کرخی کے لئے
سری و سقطی ولی الاولیاء کے واسطے

واسطۂ دیگر

مرتضیٰ مولائے عالم کا تصدق رحم کر
شہ حسن بصری، امام الاولیاء کے واسطے

حضرت خواجہ حبیبِ عجمیہ کی حُب ملے
خواجۂ داؤد طائی پیشوا کے واسطے

اپنا عرفاں کر عطا معروف کرخی کے لئے
خواجۂ سرّی وسقطی بے ریاکیواسطے

شیخ ابوالقاسم، جنید و شاہِ شبلی کے لئے
جام وحدت کا پلا کیفِ بقا کیواسطے

عبدِ واحد کے لئے مستِ مئے توحید کر
بوالفرح طرطوسیؒ مستِ خدا کیواسطے

بوالحسن ہنکاری و مخدوم شاہِ بوسعید
ان کے صدقے میں سعادت دے گدا کیواسطے

حضرتِ محبوبِ سبحانی غوثِ اعظم کے طفیل
بخش دے مجھکو شہِ کلُ اولیا کیواسطے

حضرتِ عبدالعزیز و الصناک وشمسِ دیں
شاہِ شرف الدین شرف الاولیاء کیواسطے

شاہ زین الدین، ولی الدین، نورالدین حق
شہ حسام الدین تیغِ ماسوا کیواسطے

شاہ نور و سیّدِ محمود و سیّد قادری
حضرتِ عبدالجلیل حق نما کیواسطے

سیدعبداللہ شاہِ قادری نوشاہِ ما
بابا تاج الدین تاج الاولیا کیواسطے

شاہِ یوسف تاجدار طالبان وعاشقاںؒ!
رحم کر اپنے ذہینؔ بے نوا کیواسطے

پیغمبرِ زہراؓ ایک روز فرمایا کہ تباؤ باباکے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ "ہم کو جنابِ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔"

میں نے عرض کیا، پیشِ خبیر کیا مجھے حاجت خبر کی ہے۔ فرمایا، کوئی ولی قوسِ ولایت میں اُس وقت داخل نہیں ہوسکتا، جب تک جنابِ سیدہؓ تربیت نہ فرمائیں اور جنابِ سیدہؓ کی توجہ شاملِ حال ہوتی ہے تو طالب مرتبۂ ولایت پر فائز ہوجاتا ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس میں عصمت آجاتی ہے۔ یہ قاعدۂ ولایت جاری ہے — اب سنئے! بابا صاحب کو جنابِ سیدہؓ نے جو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قوسِ ولایت میں باباصاحب کی تربیت جنابِ سیدہؓ نے

فنائی تو آپ مرتبۂ ولایت پر فائز ہوئے، پھر اس مرتبۂ ولایت سے آپ کو جناب سیدہ رضؓ نے اتنی ترقی دی کہ آپکو اپنا پیام رساں بنا کر بھیجا، عالم خلق میں مامور فرمایا۔ سندِ عصمت و ولایت دینے کے بعد آپ کو یہ منصب عطا فرمایا گیا۔ بحکم النائب المنیب کہ آپ جس کو چاہیں، ولایت کے مرتبہ پر فائز فرما دیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی نسبت اتنی متعدی تھی کہ نزدیک و دور کے لاکھوں بندگانِ خدا کو مرتبۂ ولایت و عصمت پر فائز کر دیا۔ الیا لغدیہ دنیا نے کہیں دیکھا نہ سُنا ؎

جو من موہن سے ملے سو من موہن ہوئے

دربارِ زہراؓ

ایک مرتبہ شکردرہ میں فرقۂ ملامیتہ کے فقیر نے، جن کا لباس اور حالت ایسی تھی کہ جو بھی دیکھے نفرت کرے، قاضی امین الدین صاحب سے دریافت کیا کہ کیوں جی! یہاں فاطمہ زہراؓ کا دربار ہے؟ انھوں نے جواب دیا نہیں، یہاں تو حضرت بابا صاحب قبلہ رہتے ہیں۔ وہ ناگپور تشریف لے گئے ہیں۔ وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ حضور تشریف لائے جونہی حضور سے آنکھیں چار ہوئیں یہ پلٹے اور قاضی صاحب کے دیکھتے دیکھتے غائب ہو گئے۔

اُویسی نسبت

ایک روز فرمایا ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کیں دولت از گفتار خیزد

ہمارے بابا کی نسبت اویسیہ ہے۔ جس طرح حضرت اُویس قرنی رضی اللہ عنہ نے آنکھوں سے تاجدارِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہ دیکھا تھا مگر آپ کا ذکر سُن کر نادیدہ عاشق ہو گئے اور عشق میں کمالِ صدق اور انتہائی مقام حاصل ہو گیا، تا آنکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دندانِ مبارک شہید ہوا اور

حضرت اُویس قرنیؓ کو یہ واقعہ معلوم ہوا۔ مگر یہ نہ معلوم ہوسکا کہ کون سا دندانِ مبارک شہید ہوا، تو آپ نے متابعت و مناسبت محبوب کے خیال سے اپنے تمام دانت شہید کر ڈالے۔ اس نادیدہ عشق و محبت کا درجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیا تھا؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور نے اپنا خرقۂ مبارک اپنے مقربینِ بارگاہ میں سے کسی کو عطا نہیں فرمایا جو ہمہ وقت حاضرِ دربار رہتے تھے بلکہ یہ خرقۂ مبارک حضرت اُویس قرنیؓ کو عنایت فرمایا گیا جو بظاہر حاضر نہ ہوئے تھے ؎

در راہِ عشق مرحلۂ قرب و بعد نیست

می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

اُویسیہ نسبت سے بڑی کوئی نسبت نہیں ہے مگر یہ چیز اکتسابی نہیں ہے وہبی ہے۔ اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ۔ یہ آیت تلاوت فرما کر ارشاد ہوا کہ اس آیتِ کریمہ میں جذب و سلوک دونوں کا بیان ہے، اور فقرہ اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، کیونکہ جذب کے معنیٰ ہیں، اصل کا اپنی فرع کی طرف متوجہ ہونا ـــــ دوسرا فقرہ وَ یَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ کے معنیٰ یہ ہیں، اور (اللہ) اپنی طرف اُس کو ہدایت فرماتا ہے جو انابت اختیار کرے، یہ سلوک ہے، سلوک کے معنیٰ ہیں، فرع کا اپنی اصل کی طرف متوجہ ہونا۔ جذب و سلوک کے یہی معنیٰ محمد علی ترمذی، صاحبِ "تذکرۃ الاولیاء" نے لکھے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ سلوک تمام تر اکتساب ہے اور جذب تمام تر عطائے الٰہی ہے ؎

تاکہ از جانبِ معشوق نباشد کششے   کوششِ عاشقِ بیچارہ بجائے نرسد

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ　　　کہ لگائے نہ لگے اور بُجھائے نہ بنے

براہ راست نسبت

ایک دن فرمایا کہ پنجتن پاک رضؓ سے بابا کو براہِ راست نسبت خاص حاصل تھی۔ بابا کے یہ ارشادات بیان فرمائے:۔

(۱) جس نے ہم کو دیکھا اُس نے بڑے سرکار (یعنی سرکارِ دو عالمؐ) کو دیکھا۔
(۲) حضرت علی رضؓ نے ہم کو آلو کھلا دیا تو ہم ایسے ہو گئے۔
(۳) جنابِ سیدہ رضؓ نے ہم کو پیمبر بنا کر بھیجا۔

نسبتِ حسینی

ایک روز فرمایا کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے فدائیت کی نسبت بابا کے تمام حالات میں نمایاں تھی، ناگپور میں پلیگ شدت سے پھیلا اور لوگوں نے اس بلا سے نجات کے لئے آپ سے استدعا کی تو ایک جلوس مرتب فرمایا گیا، سب سے آگے حضور بہ نفسِ نفیس اپنے ہاتھ میں سبز عَلَم اٹھائے روانہ ہوئے اور ؎

امامِ دیں سلطانِ مدینہ شاہوں کے سردار حسینؑ

زبانِ مبارک پر جاری تھا۔ شہر کے گلی کوچوں میں گشت لگا، پلیگ معاً شہر سے دفع ہو گیا۔

عشرۂ محرم

ایک روز فرمایا کہ عشرۂ محرم میں بابا پر پنجتنی نسبت کا غلبہ ہوتا تھا۔ آپ سبز لباس زیب تن فرماتے تھے اور مجلسیں دربار میں منعقد ہوتی تھیں اکثر یہ مجالس ہم پڑھتے تھے، بابا ہم کو حکم دیتے تھے، ان مجالس میں ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا، حاضرین کیف و مستی میں سرشار ہوتے تھے۔

شق القمر (نسبتِ محمدی)

ایک روز فرمایا کہ حضور بابا صاحب کے حالات انسانی عقل و فہم سے بالاتر ہیں۔

مذہبی شعور رکھنے والوں کو تو کوئی تردّد لاحق نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک اولیاء اللہؒ کی کرامت حق ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کرامت اور معجزہ دونوں حقیقتاً ایک ہی چیز ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ نبی کے ہاتھ پر جو خرقِ عادت ہو وہ معجزہ کہلاتی ہے اور ولی کے ہاتھ پر جو خرقِ عادت ہو وہ کرامت کہلاتی ہے۔ مگر مادہ پرستوں کے نزدیک وہ معجزات و کرامات محض افسانہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خدا کی شان ہے کہ اس مادہ پرستی کے دور میں حضور بابا صاحب نے ظاہر ہو کر اپنے وجود سے اسلام کی حقانیت آشکارا فرما دی۔ آپ کی کرامتیں شہرۂ عالم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کروڑوں بندگانِ خدا اس کے شاہد ہیں۔ پھر بھی آپ کی کچھ خاص کرامتیں ہیں جو بیان کی جائیں تو مشہور عام نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیں گی۔ ہم مثال کے طور پر ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔

واکی شریف کے جنگل میں نصف شب کے بعد دریا کے کنارے حضور رونق افروز تھے۔ چودھویں کا چاند اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ ندی کے پانی میں جھلمل جھلمل کر رہا تھا۔ شجر، حجر، لباسِ نور میں ملبوس تھے۔ فضا خاموش تھی، حضور نے ماہِ نیم ماہ کی طرف دیکھا اور یہ شعر پڑھا ؎

ایک اشارے میں کیا چاند کا دل دو ٹکڑے
عاشق اس آن کو برچھی کی انی کہتے ہیں

اور انگشتِ شہادت سے چاند کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے "اس آن کو برچھی کی انی کہتے ہیں" زوردار لہجہ میں فرمایا

چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور چند لمحوں میں ایک ہو گئے

بگوشِ معنیٰ ز حق شنیدم منم محمد منم محمد
جمالِ خود را خود آفریدم منم محمد منم محمد

محمد میں فنا جب ہو گئے باقی محمد ہیں
جہاں میں جس جگہ دیکھو گے تم ساقی محمد ہیں[۱]

بے نیازی ایک روز قبلہ و کعبہ نے فرمایا کہ منشی جمال الدین صاحب ہمارے پیر بھائی ہیں۔ یہ حضور بابا صاحب کے خادم خاص ہیں۔ ان کے بچے کا انتقال ہو گیا تو حضور بابا صاحب کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے کہ بچہ زندہ ہو جائے۔ حضور سے عرض کیا تو آپ نے توجہ نہ کی۔ مگر ان کو اپنی نیازمندی پہ ناز تھا۔ اڑے رہے، کھڑے رہے۔ حضور بابا صاحب نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ انہیں سمجھاؤ، لیجاؤ، یہاں کسی کی نہیں چلتی۔

گرچنیں بنماید و گہ ضد ایں — جز کہ حیرانی نباشد کار دیں

---

۱ عبدالغنی صاحب، فلائنگ آفیسر ایر فورس سکنہ ناگپور، حال فیڈرل ایریا مکان نمبر G31/1 کراچی نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ "ایک شب واکی میں کنہان ندی کے سامنے حضور بابا صاحب نے چاند کی طرف دیکھ کر انگلی سے اشارہ کیا تو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد مل گئے"۔

عبدالمجید سکنہ فردوس کالونی 317/A منیجر نیشنل کمرشیل بینک اپنے والد شیخ فرید آرمی کنٹریکٹر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ "کنہان ندی، واکی شریف کا واقعہ ہے کہ حضور بابا صاحب نے کچھ دیر چاند کی طرف دیکھا اور انگلی سے اشارہ کیا تو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے"۔

سلسلۂ طریقت

باباصاحب کا سلسلۂ طریقت

اس نسبت کے بزرگ کا پیر و مرشد عالم ظاہر میں کون ہو سکتا ہے ؟ جو ہر سلسلہ میں ہوں اور ہر سلسلہ اُن سے ہو۔ ہاں ! ایک مرتبہ خود بابا نے حضرت داؤد مکی قطبِ جہاں رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا (آپ کا مزار پُر انوار ساگر، سی پی میں ہے) آپ اُمتِ محمدیہ کے جلیل القدر اولیاء اللہ میں سے گذرے ہیں اور حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رحؒ کے مُرید اور خلیفہ ہیں۔

فوج کی ملازمت کے دوران میں جب کہ بابا کا قیام ساگر میں تھا، مولا علی کے پہاڑ پر اور حضرت داؤد مکی ساگری قطبِ جہاں رحؒ کے مزارِ اقدس پر جو پہاڑی پر واقع ہے، باباصاحب رات کو چلے جاتے تھے اور اللہ اللہ کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ حالت میں تغیر رونما ہونے لگا ــــــ اس مشہور اور متواتر روایت سے باباصاحب کی اشارت کی بنا پر چشتی نسبت کے طالبوں کے لئے ہم نے شجرہ شریفہ چشتیہ، صابریہ داؤدیہ، تاجیہ مرتب کیا اور اپنے دوسرے شجروں کے ساتھ تاج شجر کے نام سے شائع کیا۔ جن لوگوں کو بابا مُرید فرماتے اُن کو یہ شجرہ دیا جاتا تھا۔

شجرہ چشتیہ، صابریہ، تاجیہ، اویسیہ مُبارکہ

یا الٰہی ذاتِ تاج الکبریا کے واسطے
صاحبِ معراج تاج الانبیاء کے واسطے

یا علی اکرام بہرِ فاطمہ حسنین کر
یازدہ اصحاب تاج الاولیاء کے واسطے

حُسن سے خواجہ حسن بصری کا صدقہ ہو عطا — عبدِ واحد زید، تاج الاصفیاء کے واسطے

فضل ہو بہرِ فضیل ابن عیاضِ رہنما — تقویٰ ابراہیم تاج الاتقیاء کے واسطے

نشہ ہو خواجہ سدید الدین حذیفہ کے طفیل — شہ ہبیرہ بصری تاج الازکیاء کے واسطے

دے علوِ تمکین علو ممشاد دینوری مجھے — شاہ بو الاسحاق تاجُ الاغنیاء کے واسطے

حضرت احمد ابو ابدال ہو لطف و کرم — بو محمد چشتیِ تاج الوریٰ کے واسطے

فتح یاب اے ناصر الدین یوسف محمودِ حق — زندنی حاجی شریفُ الاولیاء کے واسطے

دولتِ دارین حضرت خواجۂ عثمانِ دیں — شہ معین الدین معینُ الاولیاء کے واسطے

استقامت خواجہ قطب الدین کاکی کے طفیل — شہ فرید الدین زہدُ الانبیاء کے واسطے

رتبۂ اعلیٰ علاؤ الدین صابر کے طفیل — نورِ شمس الدین شمس الاولیاء کے واسطے

موم ہو دِل سید داؤد مکی کے طفیل — بابا تاج الدین شہِ تاج العُلا کے واسطے

ہفت کشور کے شہنشاہ سیدِ عالم پناہ — رحم فرما اپنے یوسف دلربا کے واسطے

آپ کا بندہ ذہینؔ یوسفی طاسین شاہ
اس کی سُن لے ہر دعا ہر مدعا کے واسطے

گلدستہ شریف

گلدستہ پنجتن

گلدستہ پنجتن کی مقبولیت

گلدستہ شریف

امام دیں سلطانِ مدینہ شاہوں کے سردار حسینؑ

گلدستۂ پنجتن ایک روز فرمایا کہ گلدستہ پنجتن جو شجرہ شریف کے ساتھ طبع ہوتا ہے وہ بابا کا پسندیدہ اور مقبول ہے اور فاتحہ سے پہلے جماعت کے ساتھ بالجہر اس کو ہم پڑھتے ہیں۔ یہی طریقہ بابا کی حیاتِ ظاہری میں معمول یہ رہا ہے اور بابا نے اس کو منظور فرمایا ہے۔ دین و دنیا کی مرادیں اس کے ورد سے حاصل ہوتی ہیں ؎

پوری سب آج تمنا ہوں گی مرادیں تیری
دیکھ یہ حاتمِ دوراں بنے بیٹھے ہیں

گلدستہ کی مقبولیت ایک روز فرمایا کہ گرجی طوائف جو مر چکی تھی اُس کو بابا نے زندہ کیا۔ یہ مشہور واقعہ ہے۔ جب وہ زندہ ہو گئی تو اُس نے یہ منقبت جو گلدستہ شریف میں شامل ہے، پڑھی ؎

تاجِ دیں، نورِ مبیں عظمت والے بابا

بابا نے سمع قبول سے سُنا اور فرمایا

"ہم نے اپنی عمر سے دس سال تجھے دیئے"

یہ واقعہ اس منقبت کی مقبولیت پر دلیل ہے۔

گلدستہ شریف

بندۂ پروردگارم اُمّتِ احمد نبی ۔۔۔ دوستدارِ چار یارم تابہ اولادِ علی
مذہبِ حنفیہ دارم، ملّتِ حضرتِ خلیل ۔۔۔ خاکپائے غوث الاعظم زیرِ سایۂ ہر ولی

گل گفت کہ من مذہبِ دینی دارم ۔۔۔ بارُوحِ رسول ہم نشینی دارم

رنگم چوں محمد است و بویم چو علی
خلقِ حسن و خوئے حسینی دارم

محمد گُل است و علی بوئے گُل
بود فاطمہ اندراں برگِ گل
چو عطرش برآمد حسین و حسن
معطر شد از وے زمین و زمن

اوصافِ علی بگفتگو ممکن نیست
گنجائشِ بحر در سبو ممکن نیست
من ذاتِ علی بواجبی کے دانم
اِلّا دانم کہ مثل او ممکن نیست

بس است حُبِّ حسین و حسن لبینۂ ما
ہمیں زمرد لعل است در خزینۂ ما

شاہ است حسین وبادشاہ است حسین
دیں است حسین دین پناہ است حسین
سرداد و نداد دست بردستِ یزید
واللہ کہ بنائے لا الٰہ است حسین

امامِ دیں سُلطانِ مدینہ شاہوں کے سردار حسینؑ

میرے مولیٰ قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَد کیواسطے
اسمِ اعظم اور اَللّٰہُ الصَّمَد کیواسطے
اپنی ماں کے، باپ کے، بھائی کے جد کیواسطے
یاحُسین ابنِ علی! پہنچو مدد کیواسطے

یَا مُحِیَّ الدِّیْنُ تَرْحَمْنَا بِلُطْفٍ وَّاسِعٍ
اَنْتَ کَافِیْ کُلِّ مَقْصُوْدٍ بِاَبْوَابُ الْکَرَمْ
وز دورہزن را بیک دم ساختی ابدالِ حق
یاشہ دنیا و دیں برحالِ من ہم کُن کرم

غوث الاعظم بمنِ بے سروساماں مددے — قبلۂ دیں مددے، کعبۂ ایماں مددے
ماگدائیم تو سلطانِ دو عالم شدۂ — از تو داریم طمع یا شہِ جیلاں مددے
مصطفےٰ داد ترا خلعتِ غوث الاعظم — ہادیِ راہِ ہدیٰ جانِ مریداں مددے

یا معین الدین زبہرِ مصطفےٰ فریادرس — دستگیرِ ما توئی جز تو ندارم ہیچ کس
حرمتم داری نگہ بہرِ حسین ابنِ علی — ایں غلامت را نسازی غیرِ خود محتاجِ کس

تمہاری زلف سے ہے سلسلہ غریب نواز — اسیرِ دامِ محبت ہوں یا غریب نواز
تمہیں کو لاج ہے میری کہ میں تمہارا ہوں — برا ہوں یا کہ بھلا خواجۂ غریب نواز
معین الدین ولی دستگیر محتاجاں — غریب پرور و مشکل کشا غریب نواز

تاجِ دیں، نورِ مبیں، عظمت والے بابا
واکی والے، میرے دنیا سے نرالے بابا
کشتیِ عمر فنا بحرِ خطا میں ڈوبی
بادباں ٹوٹ گئے کون سنبھالے بابا
شمعِ عرفاں سے میرا صدر منور کردو
نور کے سانچے میں اللہ کے ڈھالے بابا
جادۂ راہِ طریقت میں ہوں میں آبلہ پا
دور منزل ہے مجھے کون سنبھالے بابا
عرصۂ حشر ہے اور مجھ سا گنہگار کلام
سایۂ دامنِ رحمت میں چھپالے بابا

وہ جہاں مخزنِ قرآن بنے بیٹھے ہیں
وہاں جبریل سے دربان بنے بیٹھے ہیں
تاجِ دیں زیب دہِ ارض وفلک ہیں واللہ
بلکہ کونین کی وہ جان بنے بیٹھے ہیں
ذاتِ واجب نے کیا شکل میں ان کی جلوہ
گرچہ تشبیہ میں انسان بنے بیٹھے ہیں
جس نے دیکھا ہے انھیں اُس نے اُسی کو دیکھا
ہم بھی اس دید سے حیران بنے بیٹھے ہیں
لطف ہے شاہی کا دربار میں ان کے ہم کو
ان کے دربان بھی سلطان بنے بیٹھے ہیں
ہو فنا ذاتِ رسولِ عربی میں واللہ
احمد پاک کی کیا شان بنے بیٹھے ہیں

شہنشاہِ جود و سخا میرے بابا
مجھے بھی تو کچھ ہو عطا میرے بابا
نبی و علی کا مِلا بھید ان سے
عیاں رازِ حق برملا میرے بابا
ہیں شاہ و گدا تیرے در کے بھکاری
ہیں عالم کے مشکل کُشا میرے بابا
میرے تاج والے میری لاج رکھ لے
نہیں میرا تیرے سوا میرے بابا

[1] بابا یوسف شاہ تاجی رحمۃ اللہ علیہ

رہِ عشق میں تیرا ہندو ہے مومن
ہیں مومن ترے اولیار میرے بابا
خطاپوش ہے تیرا دامن مبارک
تو دامن میں ہم کو چھپا میرے بابا
تیرے در کا ادنیٰ گدا ہے یہ واؔلہ
اسے ہے ترا آسرا میرے بابا

محمد شانِ یوسف شاہ بابا — علی کی جان یوسف شاہ بابا
میری دنیا، میرا عقبیٰ، میرا دیں — میرا ایمان یوسف شاہ بابا
حقیقت میں خدا کی معرفت ہے — ترا عرفان یوسف شاہ بابا
سراپا شرحِ آیاتِ الٰہی — خوشا قرآن یوسف شاہ بابا
پسِ پردہ ہیں تاج الدین بابا — علی الاعلان یوسف شاہ بابا
بہر صورت ذہینِ یوسفی ہے
تری ہی شان یوسف شاہ بابا

تعلیم و طریقۂ تربیت

تعلیم و تزکیہ
ہوا الٹ رہی ہے
خیر و شر
کیمیا
خطرات
پنجرہ میں کبوتر
تعلیمِ ایثار
کیفیاتِ باطنی پر اطلاع
اللہ ہی اللہ ہے
ہم سے کم کسی کو نہیں سمجھتے
یک در گیر
کُتا مار کر لاؤ
طلب کی کتاب
خدا پر احسان

تعلیم و تزکیہ

ایک روز فرمایا کہ نفس کی اصلاح کے بغیر اعمال کی اصلاح ناممکن ہے۔ اہلِ شریعت اصلاح اعمال کا تو اہتمام کرتے ہیں، اصلاحِ نفس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ نفس کی جڑ کامل کی تلوار کے بغیر نہیں کٹتی۔

بابا کے دربار میں بظاہر اذکار و اشغال اور اوراد وظائف معمول بہ نہیں تھے مگر ہر شخص کی تربیتِ باطنی اور تزکیۂ نفس کا بڑا اہتمام تھا۔ کسی کو حکم تھا کہ وہ کھانا چھوڑ دے، کسی کو ترکِ خواب کا حکم تھا، کسی کو ترکِ کلام کا حکم تھا، کسی کو گوشہ نشینی کا حکم تھا۔ غرضیکہ ہر شخص اُس کے مناسب حال حکم ملا ہوا تھا اور وہ اس پر عمل پیرا ہو کر فائز المرام ہوتا تھا۔ یہ سب امور اہلِ ظاہر کی نظر میں خلافِ شرع معلوم ہوتے تھے، وہ یہ اعتراض کرتے تھے کہ کھانا، پینا، سونا، عوام سے ملنا جُلنا شرعاً جائز ہیں تو ان کو منع کرنا مخالفِ شرع ہوگا، مگر وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ؎

ہرچہ گیرد علتی علت شود
کفر گیرد کاملے ملت شود

جس طرح طبیبِ حاذق کسی مریض کو مُباح اور جائز چیزوں سے پرہیز کا حکم دیا کرتا ہے، بالکل اسی طرح طبیبِ روحانی بھی سالک کے امراضِ باطنی کا علاج جائز امور کی ممانعت سے کر سکتا ہے۔ پھر ترکِ غذا کیا ہے؟

الجوع طعام الانبیاء (بھوک نبیوں کا کھانا ہے)

الجوع مخ العبادۃ (بھوک عبادت کا مغز ہے)

ابیت عند ربی فھو یطعمنی ویسقنی (میں اپنے رب کے پاس شب باش ہوتا ہوں وہ مجھے خوب کھلاتا پلاتا ہے۔)

ترکِ خواب فتھجد بہ نافلۃ لك (رات کو جاگ یہ تیرے لئے ذریعہ

قرب ہے)، کی تکمیل ہے۔

تتجافی جنوبھم عن المضاجع (ان کے پہلو نرم بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں یعنی جاگ اٹھتے ہیں)، کی تکمیل ہے۔

ترکِ کلام مَنْ سکت سَلَمَ (جو چپ رہا سلامت رہا)، کی تعمیل ہے۔

عُزلت نشینی السلامۃ فی الوُحدۃ (سلامتی تنہائی میں ہے)، کی تعمیل ہے۔

ہوا بول رہی ہے

ایک روز فرمایا کہ بابا کے دربار میں کسی کو کچھ کہنے سُننے کی ضرورت نہیں تھی۔ بغیر عرض معروض کے سب کو جواب مل جاتا تھا۔ مُریدین کے خطرات سے بھی حضور باخبر تھے مگر نہایت لطیف انداز میں تنبیہ ہوتی تھی۔ مثلاً جس زمانہ میں ہمارا کھانا حکماً بند تھا، چائے پیتے پیتے مدت ہو گئی تھی، جی چاہا کہ اجازت مل جائے تو نمک مرچ کی بھاجی اور ترکاری کھائیں۔ یہ خیال لیکر حاضر دربار ہوئے تو بابا صاحب اس وقت ایک ایسے مکان میں رونق افروز تھے جس میں ہوا تیزی سے آ رہی تھی۔ ہم جیسے ہی حاضر ہوئے بابا نے فرمایا۔ ہم فوراً سمجھ گئے کہ مرچ، نمک کھانے کی خواہش جو پیدا ہوئی ہے، یہ ہوائے نفس کی آواز ہے۔ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الھَویٰ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْویٰ ط افرایت من اتخذ الٰھہ ھواہ۔ دل میں مستغفر ہوئے اور پھر کبھی اس قسم کی خواہش کو دل میں نہ آنے دیا۔

خیر و شر

ایک روز فرمایا بُرائی ہو یا بھلائی، ہزاروں پردوں میں چھپ کر کی جائے تو بھی نہیں چھپتی۔ بابا کے دربار میں ہر مذہب و ملّت کے ہر خیال کے لوگ آتے تھے، مختلف عقائد و خیالات مختلف اعمال و احوال کے افراد وہاں جمع ہوتے تھے مگر وہاں ہر شخص خواہ وہ کسی خیال یا عقیدہ کا آدمی ہو، بابا کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوتا، شادکام

بامُراد واپس جاتا۔ ہر شخص یہی سمجھتا کہ بابا میرے ہیں۔ بابا کا یہ عالم تھا کہ نہ اچھوں سے اختلاط نہ بُروں سے اجتناب، بلا امتیاز ہر خاص و عام پر یکساں نوازش۔

ایک شخص نے رات بھر ذکر و شغل، عبادت و مُناجات میں گذاری، دوسرا شام کو چادر تان کر سویا تو صبح کو اُٹھا۔ دونوں بابا کی خدمتِ اقدس میں قدمبوس ہو، نہ اُس سے خوش نہ اس سے ناخوش، دونوں کو "اچھے رہتے ہیں" فرمادیا کرتے۔ یہ دیکھکر ہمیں خطرہ ہوا کہ یہاں کسی کی بُرائی بھلائی پر بابا کی نظر نہیں ہے۔ صبح کو یہ خطرہ دل میں لئے ہوئے حاضر ہوکر قدمبوس ہوئے تو بابا نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی۔

فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ شراً یرہ۔

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

کیمیا

ایک روز فرمایا کہ فقر و توکل اور عزلت کی منازل سے جن دنوں ہم گذر رہے تھے تو شکردرہ میں ایک درویش سے راہ و رسم پیدا ہوگئی۔ وہ رفتہ رفتہ ہم سے مانوس ہو گئے۔ وہ کیمیا جانتے تھے ہم کو بتلادیا۔ ہم نے سوچا اگر بابا اجازت دیدیں تو اپنی ضروریات بلا مشقت پورا کرنے کا یہ اچھا ذریعہ ہے۔ ہم طلبِ اجازت کی نیت سے حاضر ہوئے، تو ہم کو دیکھتے ہی فرمایا۔

"غلاظت کھانا چاہتے ہو"

وہ کیا خاک ہے جو بناتی ہے سونا
بِلا دے خُدا سے وہ اکسیر میں ہوں

خطرات

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است ہُشدار گوشِ دل بہ پیامِ سروش کُن

خُداکی یاد میں انسان دل لگانے کی جتنی کوشش کرتا ہے طرح طرح کے خیال اور وسوسے پیدا ہوتے ہیں، اُن کو اصطلاح میں "خطرات" کہتے ہیں۔ یہ خطرات یکسوئی اور حضوریٔ قلب میں مانع ہوتے ہیں، اور چونکہ سالک کا مقصود خدا کی یاد میں یکسوئی اور بارگاہِ حق میں حضوری ہے، اس لئے جب دِل میں خطرات کا ہجوم ہوتا ہے تو یادِ الٰہی سے انس ہونے کے بجائے وحشت ہونے لگتی ہے، اس مرحلہ سے بغیر شیخِ کامل کی مدد کے سالک کا نکلنا دُشوار ہے۔

مدت العمر ریاضتِ شاقہ اور مجاہداتِ کثیرہ کے باوجود قلب خطرات سے خالی نہیں ہوتا اور حضورِ قلب پر ہی دار و مدارِ عبادت ہے، یہانتک کہ :۔

"لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ"

اگرچہ اس کے معنیٰ صاف صریح یہ ہیں کہ نماز بغیر حضورِ قلبی کے نہیں ہوتی، مگر حضورِ قلب کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ بہر حال نماز بالکل ادا نہ ہونا یا نا مکمل ادا نہ ہونا دونوں صورتیں ہی پسندیدہ نہیں اور یہ دونوں صورتیں قلبی غیر حاضری کا نتیجہ ہیں۔ خدا اس سے محفوظ رکھے۔

تیرے دم کا ظہور

دربارِ تاج الاولیاء میں ایک سالک نے خطرات کی شکایت پیش کی۔ ارشاد ہوا۔

"ارے یہ سب تیرے ہی دم کا ظہور ہے"

جاننے والے جان سکتے ہیں کہ اس ایک جملہ میں بابا صاحب نے کتنے وسیع مضمون کو سمیٹ کر کوزہ میں دریا کو بند کر دیا ہے۔ نفسِ کلیہ کی طرف متوجہ کرنے کا کتنا حسین انداز اختیار فرمایا گیا ہے۔

پنجرہ میں کبوتر

ایک دوسرے سالک حاضرِ خدمت ہوئے، اُن کے قلب میں، خطرات کا ہجوم تھا، ارشاد ہوا :۔

"ارے پنجرے سے کبوتروں کو اُڑا دے"

قلبِ انسان کو پنجرے سے اور خطرات کو کبوتروں سے جو مثال دی گئی ہے، یہ مثال صورتوں کے کشف پر مبنی ہے۔ پھر اس ارشاد کے ساتھ سالک کو وہ قوت بھی عطا فرمائی جاتی تھی کہ عمل پیرا ہو کر فائز المرام ہو۔ خلاصہ ارشاد یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی سے خطرات دُور ہو جاتے ہیں۔

تعلیمِ ایثار

ایک بار کسی مُرید نے حضرت قبلہ و کعبہ بابا یوسف شاہ تاجی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں روپئے پیش کئے تاکہ کچھ مٹھائی حضور کی خدمت میں پیش کی جائے، پھول پیش کئے جائیں۔ حضور بابا صاحب چونکہ کسی چیز کو کبھی ہاتھ نہ لگاتے تھے بلکہ حاضرین پر تقسیم فرما دیتے تھے، حضرت قبلہ و کعبہ نے اس روپئے کی مٹھائی اپنے پیر بھائیوں کے مشورے سے منگوا کر اُن کو کھلائی، خود کھائی، فرماتے تھے کہ اس کے بعد جب ہم حاضرِ خدمت ہوئے تو حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

یوثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصہ

(وہ لوگ اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہیں اگرچہ خود ضرورتمند کیوں نہ ہوں)

کیفیاتِ باطنی پر اطلاع

منشی جمال الدین صاحب تاجی ایک مرتبہ حاضرِ خدمت ہو کر قدمبوس ہوئے تو حضور نے اُن کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:۔

"دیکھو جی، یہ تثلیث پرست آئے"

مُریدین کی باطنی کیفیات گویا حضور کے پیشِ نظر رہا کرتی تھیں۔ اس چھوٹے سے جملے میں جہاں تنبیہہ موجود ہے وہاں توحید کی تعلیم و تلقین بھی موجود ہے۔ حضور کے اس چھوٹے سے جملے میں حقائق و معارف کے خزانے چھپے ہوئے ہیں۔ جانے سو پائے، عام فہم

معنیٰ یہ ہیں کہ اسلام کا پہلا رکن لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ہے۔ یہ کلمۂ توحید کہلاتا ہے، حالانکہ اس میں اللہ اور رسول دونوں کا اقرار شامل ہے۔ اس لحاظ سے یہ کلمہ، کلمۂ تثلیث اور کلمۂ دوئی ہوا۔ خدا اور رسول کے دو وجود کلمہ گو کے ذہن میں موجود ہوتے ہیں۔ تیسرا وجود کلمہ گو کے ذہن میں خود اپنا ہوتا ہے۔ یہی وہ تثلیث ہے جس میں وہ غیر شعوری طور پر مبتلا رہتا ہے۔

اللہ ہی اللہ ہے

حضور بابا صاحب نے منشی جمال الدین صاحب کو فرمایا۔ بقول مولینا روم علیہ الرحمتہ ؎

چیست توحیدِ خدا آموختن
خویشتن را پیشِ واحد سوختن
تو مباش اصلا کمال این است و بس
رو در گم شو وصال این است و بس

(خدا کی توحید کا علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی ہستی کو ہستئ حق میں فنا کر دو، تم اور تمھاری ہستی کی ساری نسبتیں بالکل فنا ہو جائیں گی، اسی کا نام کمال ہے۔ اپنے وجود سے گذر کر وجودِ حق میں روپوش ہو جاؤ، اسی کا نام وصال ہے)

ہم سے کم کسی کو نہیں سمجھتے

ایک روز فرمایا، ہمارے ایک پیر بھائی تھے، وہ جنگلات میں ملازم تھے۔ اُنھیں یہ زُعم تھا کہ میں بابا کا بچّہ ہوں۔ اس لئے اعلیٰ افسران کو وہ خاطر میں نہیں لاتے تھے، اس وجہ سے اعلیٰ افسران اُن سے ناخوش تھے اور اُن کو علیحدہ کرنے کی فکر میں تھے۔ جب اُنھوں نے یہ سُنا کہ میرے خلاف کارروائی ہونے والی ہے تو بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے جیسے ہی قدمبوس ہوئے حضور نے فرمایا:-

"ہم سے کم کسی کو نہیں سمجھتے"

مردمی باید کہ شہ شناسں
تا شناسد شاہ را در ہر لباس

یہ صاحب متنبہ ہوئے اور اپنا انداز بالکل تبدیل کردیا، بابا صاحب جیسی تو نہیں مگر پھر بھی افسروں کی بہت کچھ تعظیم و توقیر کرنے لگے۔ افسروں کو اس روش سے تعجب ہوا، سبب دریافت کیا تو اپنی سرگذشت سُنائی اور بابا کا ارشاد سُنایا کہ "ہم سے کسی کو کم نہیں سمجھتے"۔ یہ سُن کر افسروں کو بھی بابا صاحب سے محبّت و عقیدت پیدا ہوئی اور حاضرِ دربار ہونے کی سعادت حاصل کی۔

یک در گیر

بابا صاحب اپنے بچّوں کی تربیت خود ہی فرماتے تھے اور کسی بزرگ کی طرف اپنے کسی بچّے کو متوجہ نہیں ہونے دیتے تھے، جن کی تربیت آپ کو ملحوظ ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت بابا یوسف شاہ تاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ اجمیر شریف کے عرس میں ہم نے ناگپور سے اجمیر شریف جانے کا ارادہ کیا اور حصولِ اجازت کی غرض سے حضرت بابا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہمیں دیکھتے ہی خود بابا نے ہمیں ڈانٹ دیا۔

"معین الدین ترا باپ لگتا ہے"

ہم متنبہ ہوئے اور ارادہ منسوخ کر دیا۔

جملہ مشائخِ طریقت اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ وہ مُرید جو اپنے پیر کے سوا کسی اور طرف متوجہ ہوتا ہے وہ طلب میں صادق نہیں، ہمیشہ محروم اور ناکامیاب رہتا ہے۔ اس لئے ابتدائے طلب میں مُرید کو ہر طرف سے توجہ ہٹا کر صرف پیر ہی کو مرکزِ توجہ بنانا لازم ہے۔

ہم نے ابتدائے طلب کی شرط اس لئے عائد کی ہے کہ مُبتدی زیرِ تربیت ہوتا ہے اور شیخ کی آغوشِ تربیت میں جاتا رہتا ہے اگر وہ جگہ جگہ مارا مارا پھرے تو کہیں

کا بھی نہ رہے گا۔ البتہ منتہی جو اپنے سلوک میں پختہ ہو چکا ہے اُس کو دوسروں کی صحبت سے ضرر نہیں ہوتا ؎

برنگِ پختہ رنگِ خام ناید

کُتّا مار کر لاؤ

اکثر مشائخ وصوفیاء حاضرِ دربار ہوکر طالبِ دعا ہوتے تھے۔ حضور اُن کی تعلیم، تلقین فرماتے، ان کی باطنی کیفیات پر اُن کو متنبہ فرماتے۔ چنانچہ ایک شیخِ طریقت حاضرِ دربار ہوئے اور عرض کیا کہ حضور دعاء فرمائیں تاکہ میری روحانیت میں ترقی ہو۔ حضور نے فرمایا۔

"کُتے کو مار کر لاؤ، ہم دونوں کھائیں گے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

الدّنیا جیفۃٌ وطالبُھا کلاب

(دُنیا مردار ہے اور اس کے طالب کُتے ہیں)

دوسری حدیث ہے:۔

طالب الدنیا مؤنثٌ وطالبُ العُقبیٰ مخنثٌ وطالبُ المولیٰ مذکرٌ

(دُنیا کا طالب عورت ہے، آخرت کا طالب مخنث ہے، خدا کا طالب مرد ہے)

حضور بابا صاحب کے ارشاد کا مطلب ان احادیث کی روشنی میں یہ ہے کہ ترقی روحانی کی خواہش بھی خدا کی راہ میں اسی طرح حجاب بن جاتی ہے جس طرح دنیاوی خواہشیں خواب ہو جاتی ہیں۔ دُنیا اور آخرت کی خواہشوں کو فنا کر دینا دونوں کو کھا جانا ہے۔ مردانِ خدا کی غذا صرف مشاہدۂ جمالِ حق ہے۔

خواہش بقائے نفس کی دلیل ہے اور نفس کی مثال کُتے کی سی ہے نفس کو مارنے کا مطلب یہ ہے کہ ادنیٰ اور خسیس صفات کو ترک کیا جائے۔

طلب کی کتاب

ایک اور شیخِ طریقت حاضرِ دربار ہوئے، عرض کیا کہ

کہ مجھے اپنا جیسا بنا لیجیئے۔ حضور نے جواب میں فرمایا۔

" طلب کی کتاب لیکر آؤ بنا دیں گے"

حضور کا ارشاد حق ہے، سچی طلب ہو تو سب کچھ ملتا ہے۔ حضور نے جہاں سوا لاکھ اولیاء اللہ بنائے ہیں وہاں طالبوں کے صدقِ حال پہ بھی ہر آن نظر رہتی تھی۔ آپ کا طرزِ عمل ایک طرف یہ تھا کہ دریائے فیض ہر وقت جاری تھا ؎

کم نخواہد گشت دریا زیں کرم

از کرم دریا نگہ دو بیش و کم رومؒ

(دریا کا اس کرم سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، بخشش سے دریا میں کوئی کمی نہیں ہوتی)

دوسری طرف دیکھ بھال کا یہ عالم تھا ؎

دائما دارم کرم بر جائے او

جامۂ ہر کس بُرَم بالائے او رومؒ

(میں ہمیشہ بخشش حسب موقعہ کرتا ہوں، ہر شخص کا کپڑا اُس کے قد کے موافق بیونتا کرتا ہوں)

خُدا پر احسان

ایک روز فرمایا کہ حاضرینِ دربار میں علماء، فضلاء، اُمراء سب ہی قسم کے لوگ ہوتے، ان میں وہ لوگ بھی تھے جو اپنی جائدادیں، ملازمتیں اور بڑے بڑے کاروبار چھوڑ کر صرف حاضرِ دربار ہوتے رہنے کو سرمایۂ دارین سمجھتے تھے، منزلِ تسلیم و رضا کی دشوار گذار گھاٹیوں سے گذرتے ہوئے کبھی کبھی یادِ ماضی اگر عیشِ رفتہ کی یاد دہانی ہو جاتی۔ ایک روز آپس میں ذکر چھڑ گیا۔ ہر ایک نے اپنے اپنے ترک کی اہمیت جتلائی، گویا بلا واسطہ ایک نے دوسرے پر اپنی فوقیت ظاہر کی اور بالواسطہ بابا صاحب پر احسانِ خدمت کا اظہار کیا۔

حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ محل کے اندر سے برآمد ہوئے اور اُس مقام پر تشریف لائے جہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ ان لوگوں کے پاس آکر یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی

یمنون علیك ان اسلموا، قل لا تمنوا علیّ اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان پ۲۶ (لوگ اسلام لانے کا آپ پر احسان دھرتے ہیں، کہہ دو اے نبیؐ! تم اپنے اسلام لانے کا احسان مجھ پر نہ رکھو۔ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تم کو ایمان کی طرف رہنمائی فرمائی)

سامعین کو بہت تنبیہہ ہوئی۔

خدا کا ہاتھ

حضرت محمد عبدالعزیز عرف نانا میاں، واکی شریف حاضر ہوئے تو حضور نے اُن کا نام معہ ولدیت اُن کی ران پر ایک تنکے سے تحریر فرمایا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے، نوجوان فیشن ایبل تھے مگر مُرید ہونا چاہا۔

ایک دن حضور انتہائی جلال میں تھے عین اُس وقت نانا میاں حاضر ہوئے تو حضور نے اپنا دستِ مبارک اُن کی طرف بڑھایا انھوں نے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا، حضور نے یہ آیتِ مبارک تلاوت فرمائی۔

اِنّ الذین یبایعونك اِنّما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم۔

(یقیناً وہ لوگ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے) جب یہ آیت ختم ہوئی تو حضور نے نانا میاں کا ہاتھ چھوڑا[1]

---

[1] یہی نانا میاں ہیں جو اپنی اس کرامت کے ساتھ آج بھی زندہ ہیں کہ بچّوں کو چند روز میں قرآن شریف پڑھا دیتے ہیں ___ خود انھوں نے قرآن بابا صاحب کی کرامت سے پڑھا تھا۔ یہ ناخواندہ تھے مگر حضور نے جب قرآن پڑھنے کا حکم دیا تو قرآن شریف کھول کر اُستاد کے سامنے خود بخود پڑھنے لگے۔ یہی نسبت ان بچوں میں آجاتی ہے جو آپ سے قرآن پڑھتے ہیں۔

اوراد و اشغال

شغل میت
اسم اللہ ہو
بانسری کی آواز
شغل پاس انفاس

شغلِ میت

حضرت قبلہ وکعبہ بابا یوسف شاہ تاجی علیہ الرحمتہ فرماتے تھے کہ بابا نے ہمیں کنوئیں میں بٹھاکر یوسف نام رکھا، وہاں ہمیں شغلِ میت تعلیم کیا۔

یہی شغل حضرت نے مجھے بھی تعلیم فرمایا تھا اور بابا فرید الدین کریم بابا تاجی مولف "تاج مرادی" کو میں نے یہ شغل حسب الحکم بمقام نادوتی ریاست جے پور بتلایا تھا۔

اسمِ اللہ ہُو

حضور بابا صاحب اپنے بچوں کو مختلف اوراد واشغال تعلیم فرماتے تھے۔ مہاراجہ صاحب قرولی کے گروہ کو اسم اللہ ہُو تعلیم فرمایا تھا۔

بانسری کی آواز

نانا میاں کو حضور نے ایک بانسری دیتے ہوئے فرمایا "اس کی آواز سے جی لگاؤ"۔

بشنو از چوں حکایت می کند
واز جدائی ہا شکایت می کند

شغلِ پاسِ انفاس

آپ کا ارشاد تھا "اللہ اللہ کرتے، اچھے رہتے"۔ بہت سے مریدوں کو شغلِ پاسِ انفاس کا حکم تھا۔ کم کھانا، کم بولنا، ہر طالبِ حق کے لیئے آپ کے یہاں لازم تھا۔

بعض اوراد واشغال تبرکاً تحریر ہیں کیونکہ یہ چیزیں بغیر اجازتِ شیخ کامل نافع نہیں۔

حضور کی نشست اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طغرا تھی۔ محمد مشرب فقرا نشست وبرخاست میں اس امر کا اہتمام خاص رکھتے ہیں جو آپ کا معمول تھا۔

طے ارض

بابا صاحب سوات شریف میں

الکریم اذا وعد وفا

بابا صاحب حج میں

اکیس روز مکہ معظمہ میں

لہو خورشید کا نکلے اگر ذرے کا دل چیریں

بابا صاحب کوٹڑی میں

بابا صاحب میرپور خاص میں

اولیاء اللہ کے ساتھ یہ روایت ہمیشہ سے وابستہ چلی آتی ہے کہ وہ آنِ واحد میں جہاں چاہیں پہنچ سکتے ہیں۔ زمان و مکان کے فاصلے سمٹ کر، لپٹ کر چشم زدن میں طے ہو جاتے ہیں۔

یہ کرامت معراج کے واقعہ کی صداقت پر دلیل بن کر مادہ پرستوں کے سامنے آتی ہے تو یہ حاضر کی اس کرامت کو دیکھکر عہدِ گذشتہ کے معجزات کی تصدیق پر از خود مجبور ہو جاتے ہیں۔

زمانۂ حال میں تاج الاولیاء بابا تاج الدین رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی سے وہ سب کرامتیں علی الاعلان سرزد ہوئیں جو تمام اولیاء اللہ سے فرداً فرداً سرزد ہوئی تھیں، اس سے حضور کی جامعیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پلک جھپکنے میں دور دراز مقامات پر آپ کا پہنچ جانا، کبھی دفعتاً اپنی جگہ سے غائب ہو جانا، کبھی اپنی جگہ پر موجود ہوتے ہوئے دوسری جگہ پہنچ کر ملاقاتیں کرنا، حکم دینا، مشکل کشائی کرنا دربارِ تاج الاولیاء کی مشہور عالم خصوصیت اور روزمرّہ کی بات ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

"ہم اپنے نام کے ساتھ رہتے ہیں"

اندازہ کیجئے، آپ کے کتنے نام لیوا ہوں گے؟ صحیح تعداد کا علم اللہ ہی کو ہے۔ سوا لاکھ اولیاء اللہ آپ نے بنائے ہیں تو مریدین و معتقدین کا کیا شمار ہو سکتا ہے؟ پھر بیک وقت کہاں کہاں اپنے نام کے ساتھ ہوں گے؟

اے طالباں، اے طالباں من باشما ہر جا ہستم
ہم جلوہ گر در دیدہ ہا ہم مضمر دلہا ستم
ایں دوریٔ مہجوریم از دہم و پندار شماست
من نسبتِ خود باشما دریا و موج آسا ستم

بابا صاحب سوات بُنیر میں

سید جان شاہ صاحب، ساکن سوات بُنیر

خاندانی سیادت اور آبائی ولایت کی نسبتوں سے مشرف ہوتے ہوئے خود بھی زاہد مرتاض تھے۔ افغانستان کی پہاڑیوں میں چلّہ کشی کر رہے تھے کہ ایک درویش اُن کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"یہاں پہاڑیوں میں کیا بھٹک رہا ہے؟ چل واکی[1]، تاج الدین کے یہاں، وہاں سب کچھ ملے گا۔"

سیّد صاحب اس درویش سے بابا صاحب کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی غرض سے اُن کے ساتھ ساتھ چلے۔ کچھ دُور چل کر وہ غائب ہو گئے تو اُنھیں خیال ہوا کہ شاید یہ درویش خود ہی تاج الدین تھے یا پھر میرے بزرگوں میں سے کسی نے آکر میری رہنمائی فرمائی ہے۔

غرضیکہ سیّد صاحب واکی تشریف لائے اور حضور کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی وہ درویش ہیں جو افغانستان کی پہاڑیوں میں مجھ سے ملے تھے۔

اَلْکَرِیْمُ اِذَا وَعَدَ وَفَا

حضور نے سیّد صاحب کو الطافِ کریمانہ سے نوازا۔ سیّد صاحب چندے واکی میں مُقیم رہے، پھر کلیر شریف چلے گئے۔ اس کے بعد جن دنوں حضور شکردرہ میں رونق افروز تھے پھر حاضر ہوئے۔ بابا صاحب سے آپ کا راز و نیاز خاص تھا۔

بابا صاحب حج میں

رڑیاں کے رہنے والے، ایک معمر حاجی صاحب عرفات میں کنکریاں پھینک رہے تھے۔ اُنھوں

---

[1] نام موضع جہاں حضور مُقیم تھے۔

نے دیکھا کہ ایک بزرگ سبز جُبّہ پہنے، دونوں ہاتھ باندھے اس انداز سے کھڑے ہیں کہ اُن کا دِل گواہی دینے لگا کہ یہ ضرور کوئی درویش کامل ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اُن کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ کچھ دیر بعد وہ چلنے لگے تو میں نے قدمبوس ہونا چاہا مگر آپ نے مدراسی لہجہ میں فرمایا۔

"یہاں نکّو رے، نارنگی کے ناگپور کے قریب واکی ہے وہاں"

سفرِ حج سے واپسی کے بعد حاجی صاحب ناگپور آئے، وہاں سے واکی کا پتہ چلایا۔ اتفاقاً اُن کو احمد خاں صاحب، نواب پورہ والے مِل گئے۔ انھوں نے کہا کہ جس بزرگ کی تلاش میں آپ ہیں وہ ہمارے بابا صاحب ہیں۔ آپ ناگپور سے حال ہی میں واکی تشریف لے گئے ہیں۔ یہ سُن کر حاجی صاحب بہت خوش ہوئے احمد خاں صاحب نے ان کو اتوارہ اسٹیشن سے ریل میں سوار کردیا۔ یہ واکی اسٹیشن سے واکی موضع کی طرف روانہ ہو رہے تھے، ادھر بابا صاحب نے حاضرین سے فرمایا "چلو حاجی ملاقات کو آ رہے ہیں" اور اسٹیشن پر تشریف لے آئے۔ انھوں نے دیکھتے ہی حضور کو پہچان لیا، قدمبوس ہوا تو فرمایا۔

"یہیں رہتے"

چنانچہ تا حکمِ ثانی آپ مقیم دربار رہے ؎

تا مہر تو دیدیم ز ذرات گذشتیم

از جملہ صفات از پئے آن ذات گذشتیم

اکیس روز مکہ معظمہ میں [۳۱]

حاجی سردار خاں، قلعہ ناگپور میں رہتے تھے ۳ر جون ۱۹۴۹ء بعمر اسّی سال مولف "تاج مراری" کے سامنے ایک مشہور عام واقعہ کی عینی شہادت ادا کی۔ واقعہ یہ تھا کہ بابا صاحب مکہ معظمہ میں ۲۱ دن رہے۔ حالانکہ آپ اس زمانہ میں ناگپور پاگل

خانہ میں موجود تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حاجی سردار خاں کا ایک ہاتھ بالکل خشک ہو چکا تھا، جس میں بڑی جلن بڑا درد رہتا تھا۔ حضور بابا صاحب کی شہرت ہر چہار طرف عالم میں پھیل رہی تھی اور دُور دُور سے لوگ فیض یاب ہو رہے تھے۔ حاجی سردار خاں کو بھی ان کے خسر بابا کی خدمت میں لے گئے۔ اتنے میں ایک حاجی صاحب حضور کا نام دریافت کرتے ہوئے پاگل خانہ میں آئے۔ ہم لوگوں نے اُن سے حاضر ہونے کا سبب پوچھا تو کہا کہ میں مکہ معظمہ سے حج کر کے آیا ہوں۔ مکہ معظمہ میں بابا تاج الدین اکیس دن تک میرے ساتھ رہے اور مجھے پتہ دیا تھا کہ "میں ناگپور پاگل خانہ میں رہتا ہوں"۔ یہ بات پاگل خانہ کے ڈاکٹر کاشی ناتھ راؤ کو جب معلوم ہوئی تو اس کو حیرت ہوئی کیونکہ وہ حضور کو برابر پاگل خانہ میں دیکھتا رہا تھا مگر حضور کے اعجازی کارناموں سے واقف تھا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور لوگوں کے سامنے حضور کی تعریفیں بیان کرنے لگا۔ دفعتہً حضور اپنے کمرے سے باہر تشریف لائے۔ ڈاکٹر کے پاس آکر مدراسی لہجہ میں فرمانے لگے۔

"لمبی نکو کرو رے، لمبی نکو کرو رے"

یعنی اس بات کو طول نہ دو ـــــ اُس کے بعد حضور، سردار خاں کی طرف متوجہ ہوئے۔

لہو خورشید کا نکلے اگر ذرّے کا دل چیریں	اور خود اپنی اُنگلی پکڑ کر فرمانے لگے۔

"بڑی جلن رے، بڑا درد رے"

جیسے جیسے یہ فرماتے جا رہے تھے، میرے ہاتھ کی درد اور جلن میں کمی ہوتی جا رہی تھی تا آنکہ اِدھر حضور نے ایک جھٹکے کے ساتھ انگلی چھوڑی اُدھر میرے

ہاتھ کادرد اور جلن کافور ہو گیا۔ وہ ہاتھ جو سوکھ گیا تھا معاً کام کرنے لگا۔ حضور نے خود بخود نام لیتے ہوئے فرمایا۔

"حاجی سردار خاں جاکر آؤ"

"جاکر آؤ" یہ حکم جن لوگوں کو تھا وہ جاکر پھر حاضر ہوتے تھے، شرف نیاز حاصل کرنے کا انھیں موقع ملتا تھا۔

باباصاحب کوٹڑی میں

سید ضیاء الحق صاحب ایڈوکیٹ حیدرآباد سندھ میں وکالت کر رہے تھے، میں حیدرآباد میں اُن کے پاس مقیم تھا۔ وہ عدم حصول کی شکایت کرتے رہے۔ میں نے کہا کوئی مانع ہوگا، اس کو دور کردو۔ جواب دیا کہ معلوم ہونا چاہیئے۔ میں نے کہا اگر بتایا جائے تو کیا ضمانت ہے کہ آپ اس کو مان بھی جائیں۔ وعدہ کیا کہ صحیح بات ہوگی تو ضرور تسلیم کی جائے گی۔ مجھے جو علم دیا گیا تھا اُن پر ظاہر کر دیا۔ انھوں نے کہا سچ ہے، یہ راز وہ ہے جو میرے اور میرے خُدا کے سوائے کسی کو معلوم نہ تھا۔ مگر اس واقعہ کے فوراً بعد سے ہی اُن میں تغیر رونما ہوا، گریاں طاری ہوا، ہچکیاں بندھ گئیں، تمام رات روتے روتے گذاری، دفتر کا وقت ہوا، موکل آئے، مگر کیفیت فروع نہ ہوئی۔ کسی دوسرے وکیل کو فائلیں دیدیں، خود کورٹ بھی نہ جاسکے۔ میں اُن کو حیدرآباد سے کوٹڑی لے آیا، وہاں مولینا اسمٰعیل رزمی تھے۔ ایک اسکول کی خالی عمارت میں قیام ہوا، تین پلنگ بچھے، میرے دائیں ہاتھ کی طرف رزمی صاحب کا پلنگ تھا، بائیں طرف ضیاء الحق صاحب کا پلنگ تھا، اُن پر بدستور گریہ طاری تھا، اسی حالت میں کہنے لگے یہ زمانہ جو آپ سے دوری میں گذرا اس میں مجھے حضور باباصاحب کی زیارت نہیں ہوئی، حضرت قبلہ وکعبہ کا بھی دیدار نصیب نہیں ہوا۔

میں نے کہا آپ دیکھتے نہیں وہ تو سامنے ہی ہیں ۔ میرے کہتے ہی وہ اپنے پلنگ سے اٹھے اور دیر تک زمین بوس ہوتے رہے، پھر سر اٹھایا اور فرمایا کہ الحمدللہ! بڑے دنوں میں زیارت نصیب ہوئی ؎

این دوری و مہجوریم از وہم و پندار شماست
من نسبت خود با شما دریا و موج آساستم

باباصاحب میرپور خاص میں

کوٹڑی سے میرپور خاص روانہ ہوا تو وکیل صاحب بھی ساتھ ہو گئے

میرپور خاص میں قیام الدین میرے ایک مخلص دوست تھے اُن کا سب گھر داخلِ سلسلہ ہے، اُن کے گھر قیام ہوا۔ رات کو کھانے کے بعد میں اور وکیل صاحب ایک ہی کمرے میں سو رہے تھے، اچانک وکیل صاحب نے مجھے پکارا۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ حضور باباصاحب مجھے دبا رہے ہیں، نچوڑ رہے ہیں، میرا بدن ہلکا ہوتا جا رہا ہے، میرا بدن بالکل غائب ہو گیا ہے ۔ اب میں بالکل نہیں ہوں ۔ میں نے کہا خاموشی سے دیکھتے رہو، جو کچھ ہو رہا ہے اچھا ہے۔

اس واقعہ کے بعد سید ضیاء الحق صاحب تقریباً ہر شب باباصاحب کے دیدار سے مشرف ہونے لگے اور حیدرآباد چھوڑ کر کراچی تشریف لے آئے۔

ہر دم بہ لباسِ دِگر

محبوب کے سراپا میں
مریضہ وخیرات
عیسیٰ مسیحؑ کی شکل میں
پنجتن کی شکل میں
بزرگانِ دین کی صورت میں
گرونانک اور زرتشت کا سراپا
اوتار روپ
دیوتاؤں کے درشن
تیرتھ یاترا
بشیشوا جی کے رُوپ میں
کرشن جی کے روپ میں
حضور کی دودھ والی
بیرسٹر کے رُوپ میں

محبوب کے سراپا میں

اجمیر شریف، عرس حضرت خواجہ غریب نواز کے موقع پر حضرت قبلہ و کعبہ نے ایک رات دو بجے بعد دولت خانہ سے مجھے ساتھ لیا اور فرمایا آؤ تمھیں ایک بزرگ سے ملائیں۔ میں ساتھ ہو گیا۔ حضرت قبلہ و کعبہ تلے بازار میں ایک مکان پر تشریف لے گئے جو سر راہ تھا۔ اس مکان میں ایک بزرگ لیٹے ہوئے تھے۔ میں اُن کی خدمت میں بارہا حاضر ہو چکا تھا۔ یہ ہر وقت جذب و مستی میں سرشار رہتے۔ لیٹے ہوئے ہیں تو جب تک کوئی کروٹ نہ بدلواتے نہ بدلتے، بیٹھے ہو گئے تو جب تک کوئی نہ لِٹائے لیٹتے نہیں۔ یہی حال کھانے پینے کا تھا۔ چائے پلانے والے چائے کی طشتری مُنہ سے لگائے رہتے، زیادہ حصہ زمین پر گر جاتا، لب تر ہوتے رہتے۔ سینکڑوں پیالیاں اسی طرح اُنڈیلی جاتی رہتیں مگر چائے پینا ختم نہ ہوتا، چائے بہنے لگتی۔ خصوصاً عرس کے زمانہ میں تو لوگ چاہتے تھے کہ آپ کو چائے پلائی جاتی رہے، جب تک آپ بس نہ فرمائیں مگر یہ ممکن نہ ہوا۔

حضرت قبلہ و کعبہ کو دیکھتے ہی بغیر ایک لفظ مُنہ سے کہے سرو قد اُٹھے اور بغلگیر ہوئے اور اشاروں ہی اشاروں میں کچھ باتیں ہوئیں۔ چند لمحات گذرے ہوں گے کہ حضرت قبلہ واپس تشریف لے آئے اور فرمایا کہ یہ بزرگ میرے پیر بھائی ہیں۔ انھوں نے لندن جا کر بیرسٹری پڑھی تھی۔ وہاں سے واپسی پر بمبئی میں پریکٹس شروع کرنا تھی، آفس کے لئے فرنیچر خریدنا تھا، بازار گئے، فرنیچر خریدا۔ باربرداری کا انتظام درپیش تھا، اتفاق سے اُن کی نظر اوپر اُٹھی، سامنے جو عمارت تھی اُس کی کھڑکی کھلی۔ ایک حسین و جمیل لڑکی کا چہرہ نظر آیا۔ آنکھیں چار ہوتے ہی دل پر محبت کا وار ہو گیا۔ لڑکی ہوش میں آئی، کھڑکی بند کر لی۔ یہ آنکھوں کی دونوں کھڑکیاں بند کرنا کیا بھولے سب کچھ بھول گئے، سودا لینے آئے تھے سودائی ہو گئے۔ صبح سے دوپہر ہو گئی، تیسرا پہر ہوا کہ اس عمارت سے ایک جنازہ نکلا۔

العین یدخل العنم فی القدر و یدخل الرجل فی القبر

العین حق۔" (بکری کو آنکھ ہانڈی میں پہنچا دیتی ہے، آدمی کو آنکھ قبر میں پہنچا دیتی ہے۔ آنکھ حق ہے)

نہ جانے اُن سے کس نے کہہ دیا؟

مآلِ سوزِ غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ | بھڑک اُٹھی ہے شمع زندگانی دیکھتے جاؤ
وہ اُٹھا شورِ ماتم، آخری دیدارِ میت پر | اُٹھائی جا رہی ہے لاشِ فانی دیکھتے جاؤ

یہ جنازے کے ساتھ چُپ چاپ چلتے رہے، قبرستان میں پہنچے، لاش سپردِ خاک کی گئی۔ سب لوگ واپس چلے گئے، یہ کھڑے دیکھتے رہے، جب دیکھا کوئی نہیں دیکھتا دوڑ کر قبر سے لپٹ گئے، زار زار رونے لگے۔ آہ و فریاد، نالہ و فغاں، سوز و درد، بیتابی و ناشکیبائی سے

ایک دریا بیچ میں حائل ہے وہ دور گئے اس پار گئے
ہم اس ساحل پر بیٹھے ہیں وہ جیت گئے ہم ہار گئے

اسی حالت میں دن ڈوب گیا، روتے روتے نڈھال ہو کر پڑ رہے۔ دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگ ہیں، فرماتے ہیں۔

"ناگپور آؤ، ہم سے ملو، ہم تاج الدین ہیں۔"

آنکھ کھلی تو کیفیت دگرگوں تھی، عمر بھر قبر پر بیٹھے رہنے کا ارادہ، ناگپور کی حاضری کے قصد سے بدل چکا تھا۔

ناگپور پہنچے، حضور شکردرہ محل کے چبوترے پر رونق افروز تھے حاضرین مودب کھڑے تھے اُنھوں نے جیسے ہی باباصاحب کی طرف دیکھا تو نظر آیا کہ بابا صاحب نہیں ہیں، وہی لڑکی بصد ناز و ادا نظر نواز ہے۔ یکبارگی ایک چیخ اُن کے مُنہ سے نکلی اور دوڑ کر قدموں پر جا گرے۔

ہوش آیا تو بابا صاحب نے فرمایا۔

"جاؤ اجمیر شریف کی خدمت تمھارے سپرد ہے"

ہر جگہ ہمیں دیکھتے رہو، اچھے رہو گے"

ہردم بہ لباسِ دِگر آں یار برآمد	گہہ پیر و جواں شُد
ہر لحظہ بشکل آں بُت عیار برآمد	دل بردو نہاں شُد
خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ	خود رند سبو کش
خود بہ سرآں کوزہ خریدار برآمد	بشکست و رواں شُد
نہ دریا موج گوناگوں برآمد	بیرنگی برنگِ چوں برآمد
گہے در کسوت لیلےٰ فرو شد	گہے بہر صورت مجنوں برآمد

قاضی احمد علی شاہ

قاضی احمد علی شاہ قصبہ نگینہ میں قرق امین تھے مگر ڈپٹی صاحب کے نام سے مشہور تھے، تنخواہ کم مگر اخراجات زیادہ، بڑے ٹھاٹ سے رہتے تھے، بے دھڑک رشوت لیتے تھے۔ اتفاق سے اُن کا تبادلہ ہوا اور اُسی روز چارج دیکر دوسری جگہ چلے گئے۔ جو رقم چارج میں دی گئی تھی اس میں چوبیس روپے کم تھے۔ اُن پر غبن کا مقدمہ شروع ہوگیا، بڑی جدوجہد کی، بَری نہ ہو سکے، اپیل کی، ضمانت پر چھوڑ دیئے گئے، روپیہ پیسہ جو کچھ پاس تھا ختم ہوگیا، معطل تھے، تنخواہ نہیں مل رہی تھی، تنگدستی اور مقدمہ بازی سے عاجز آکر اللہ کی طرف متوجہ ہوئے، اللہ والوں کی تلاش شروع ہوئی۔ کسی نے کہا کہ میاں! ناگپور جاؤ، تاج الدین بابا کا ڈنکا دُنیا میں بج رہا ہے۔ تم اگر وہاں پہنچے تو کامیابی یقینی ہے۔ بمشکل تمام ایک طرف کے کرائے کا انتظام ہوا، یہ حاضرِ دربار ہو کر قدمبوس ہوئے تو بابا نے فرمایا "ٹھیرو"! ۔ ایک سال کامل شکردرہ قیام رہا، گھر واپس جانے کی اجازت نہ ملی، نہایت مضطرب اور

پریشان نہ تھے۔ مگر جب یہ حضور کے سامنے جاتے تھے حضور فرماتے تھے "ٹھیرو!"
ایک سال کامل گذر جانے کے بعد حضور نے فرمایا،

"گھر جاؤ، ہم تمھارے ساتھ ہیں"

گھر پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا، تانگے والے کے لئے اہلیہ سے پیسے طلب کئے تو انھوں نے کہا کل جس چیز کے لئے میں نے آپ سے کہا تھا وہ چیز بھی آپ لائے یا نہیں؟ قاضی صاحب اس سوال سے متحیر ہو گئے مگر تانگہ والے کو پیسے دینے کی جلدی تھی، اس لئے اہلیہ سے کہا یہ باتیں پھر ہوتی رہیں گی، پہلے پیسے دیدیجئے۔ غرضیکہ تانگہ والے کو رخصت کرنے کے بعد قاضی صاحب نے کہا میں تو سال بھر بعد گھر میں آیا ہوں، یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں کہ میں نے آپ سے کسی چیز کے لانے کا وعدہ کیا تھا۔ اہلیہ نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دماغ چل گیا ہے۔ میری فرمائش پوری نہ کرنے کا بہانہ کر رہے ہیں۔ آپ کسی ایک دن بھی گھر سے غیر حاضر نہیں رہے۔ ضرور ہے کہ شام کو گھر آتے تھے، کواڑ بند کر لیتے تھے، رات بھر اللہ اللہ کرتے تھے، صبح کی نماز کے بعد پھر مقدمہ کی پیروی میں چلے جاتے تھے۔ آج تیسرا دن ہے کہ سال بھر میں پہلی مرتبہ آپ گھر میں خوش خوش داخل ہوئے ہیں، بارہ مہینے معطلی کے زمانہ کی تنخواہ آپ نے لاکر گھر میں دی ہے، مقدمہ جیت جانے کی خوشخبری سنائی ہے۔ میں نے اس خوشخبری میں اپنے بُندوں کی فرمائش کی تھی۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ فرمائش پوری کریں گے مگر آج آپ کہتے ہیں کہ میں بارہ مہینے سے ناگپور میں تھا۔

قاضی صاحب یہ واقعات سُن کر حیران رہ گئے، ڈرتے ڈرتے دفتر گئے فرق امین کی کرسی پر جاکر بیٹھ گئے، دفتر والوں کو کوئی حیرت یا تعجب لاحق نہ دیکھکر خود حیرت زدہ رہ گئے، رجسٹر قبض الوصول دیکھا، ایام معطلی کی تنخواہ کی رسید خود اُن کے قلم کی موجود تھی۔ افسر کے پاس گئے وہ نہایت نرمی و محبت سے ملا اور کہا

آپ مقدمہ سے نہایت پریشان ہو گئے ہوں گے۔ کچھ دن آرام کیجئے، جس وقت جی چاہے کچھ دیر کے لئے حاضری دے دیا کیجئے۔

یہ گھبرا کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے، دُنیا سے دِل اُچاٹ ہو گیا۔ ہر وقت بابا صاحب کی یاد بے چین رکھنے لگی۔ آخر کار ناگپور کے قصد سے دہلی روانہ ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک صاحب ان کے ساتھ ہیں اور ایک جانور ان کے پیچھے ہے۔ دہلی اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر جب پہنچے تو یہی احساس قائم رہا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ ٹکٹ کلکٹر نے اُن سے مطالبہ کیا کہ اپنے ساتھی کا ٹکٹ دو اِس جانور کا ٹکٹ پیش کرو۔ اُنھوں نے کہا میرے ساتھی نہیں ہیں مگر وہ صاحب جو ساتھ تھے برابر یہی کہتے رہے کہ میں قاضی صاحب کے ساتھ ہوں۔ قاضی صاحب صاف انکار کرتے رہے اور اپنا ٹکٹ دیکر مسافر خانے میں آئے۔ اس کے بعد جب ناگپور پہنچے تو اُن کو دیکھتے ہی بابا صاحب نے فرمایا کہ "کیوں قاضی! ہم نے کہہ دیا تھا کہ ہم تیرے ساتھ ہیں، تو نے دہلی اسٹیشن پر ہمارا ساتھ کیوں چھوڑا؟" یہ شرمندہ ہوئے۔

عرصہ تک بابا صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔ بابا صاحب کے پردہ فرمانے کے بعد مستقل کلیر شریف حاضر باش رہے۔ بڑے صاحبِ معاملہ اور صاحبِ نسبت ہو گئے تھے روزانہ حضور بابا صاحب کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے نگینہ میں انتقال ہوا، وہیں آپ مدفون ہیں۔

وصال کے وقت حضرت قبلہ و کعبہ اُن کے پاس موجود تھے۔ وصال سے ایک دن پہلے رو رو کر فرماتے تھے کہ آج بابا صاحب کی زیارت نہیں ہوئی۔ مجھے اپنا انجام اچھا معلوم نہیں ہوتا لیکن وصال کے وقت اعلان فرمایا کہ حضور بابا صاحب تشریف لے آئے اور فرماتے ہیں کہ قاضی تو ایمان کے ساتھ دنیا سے جا رہا ہے ہیں تجھے لینے آیا ہوں۔ لوگو! گواہ رہو کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو رہا ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھا

اور اپنی حقیقت کی طرف رجوع ہو گئے۔ اِنَّ لِلّٰہِ وَاِنَّ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مریضہ و خیرات

کچہری کے ایک کلرک رام رادھے شکلہ جن کی بیوی کو بوجہ کثرتِ اولاد بہت نقاہت اور کمزوری تھی اور اس عالمِ کمزوری میں اُس کو حمل قرار پا گیا۔ زچگی کا وقت قریب ہوا تو ڈاکٹروں نے اُنھیں ناگپور ہاسپٹل لے جانے کا مشورہ دیا اور یہ بھی کہا کہ ان کا اس کیس سے جانبر ہونا مشکل ہے۔ یہ سُن کر گھر والے بہت پریشان ہوئے۔ اور ناگپور جانے کا خیال ظاہر کیا۔ بیوی نے جواب دیا کہ میں ایسی صورت میں ذرّہ برابر بھی حرکت نہیں کر سکتی، ریل کا سفر کس طرح طے ہوگا؟ تمام لوگ اُس وقت کا انتظار کرنے لگے کہ ناگپور کب اور کس طرح جائیں۔ اسی اثناء میں بیوی نے اپنے خاوند سے کہا کہ میں ناگپور جانے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے کچھ خیرات کروں گی۔ چنانچہ خاوند نے کچھ اناج اور روپیہ اپنی بیوی کو دیدیا اور وہ اُسے صبح و شام مساکین میں خیرات کرنے لگیں۔

ناگپور جانے میں تین چار ہفتے باقی تھے تو شام کو ایک بڑھیا ان کے پاس آئی اور محبت کے لہجہ میں دریافت کیا "بیٹی! تو غمگین کیوں ہے؟ بیمار عورت نے کُل ماجرا سُنا دیا۔ بڑھیا نے تسلّی دی اور کہا ناگپور جانے کی ضرورت نہیں۔ تیرے بغیر آپریشن کے بچّہ ہوگا۔ تو اور تیرا بچّہ صحیح سلامت رہیں گے اور سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں روزانہ تیرے پاس آیا کروں گی۔ یہ کہکر بڑھیا چلی گئی اور یہ دروازہ سے اُٹھ کر گھر میں داخل ہوئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ نہ تو اُن میں وہ نقاہت ہے اور نہ پریشانی۔ یہ دیکھکر اُس نے اپنے خاوند اور گھر کے دیگر افراد کو بڑھیا کی آمد کا قصّہ سُنایا۔

الغرض بڑھیا روزانہ آتی رہی۔ ایک دن شام کو اُس بڑھیا نے مریضہ سے

کہا کہ میں تجھے کل کو جلدی ایک تیوہار کے لئے لے جاؤں گی۔ لیکن یہ بات کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ اُس نے اقرار کیا اور بڑھیا قاعدہ کے مطابق شام کو آئی اور ایک مکان کے دروازے پر بڑھیا نے مریضہ کو کھڑا کردیا اور خود غائب ہوگئی۔ اس مکان میں بھجن اور کیرتن ہو رہا تھا۔ مریضہ نے خیال کیا کہ بڑھیا بھجن میں شریک ہوگئی ہوگی جیسے ہی یہ اندر گئیں تو بڑھیا کو موجود نہ پاکر گر گئیں اور بیہوش ہوگئیں بھگت راج پرشوتم بابو نے ان کو سنبھالا اور عورتوں نے فوراً پانی پلایا اور پنکھا جھلنے لگیں۔ ہوش آیا تو دریافت کیا گیا کہ تم کون ہو؟ اور یہاں کیسے آئیں؟ مریضہ نے اُس بڑھیا کا تمام واقعہ سُنایا۔ پرشوتم بابو سمجھ گئے اور دلاسا دیکر فرمایا کہ تم یہاں آتی رہنا، یہ گھر اُسی بڑھیا کا ہے۔ اُس کے بعد بائی کو کچھ تبرک (پرشاد) بھی عطا کیا۔

مریضہ اِس مقام کو پہلے ہی سے جانتی تھی لیکن بڑھیا کون تھی؟ اسی فکر میں سوگئیں۔ خواب میں کیا دیکھتی ہیں کہ حضور بابا صاحب تشریف لائے اور فرمایا "وہ میرا ہی گھر ہے جہاں میں تجھے لے گیا تھا۔ تو وہاں جاتی رہنا۔

کچھ دنوں بعد زچگی ہوئی اور لڑکا صحیح سلامت پیدا ہوا جو آج بھی موجود ہے۔

عیسیٰ مسیحؑ کی شکل میں

مولینا اختر علی شاہ یوسفی تاجی بیان کرتے ہیں کہ عیسائیوں کی محفل میں سرکار یوسف الاولیاء تشریف فرما تھے میں بھی ناگپور شریف میں اُن کے ساتھ حاضر تھا۔ ان عیسائیوں نے عرض کیا کہ ہم جب سرکار بابا تاج الاولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے دور سے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ مسیحؑ اور مریم اماں تشریف فرما ہیں اور ہمارے حاضر ہونے پر سرکار نے فرمایا کہ "ارے میں ہی تو عیسیٰ مسیحؑ اور

ماں مرے ہوں "۔

پنجتن کی شکل میں مسلمان مردوں اور عورتوں نے اختر شاہ یوسفی صاحب سے ناگپور، شکردرہ اور تاج آباد شریف میں بیان کیا کہ ہم نے اپنے اپنے خیال کے مطابق بابا صاحب کو سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مولائے کائنات علی علیہ السلام، خاتونِ جنت بی بی فاطمہ زہرا، صاحبزادگانِ کونین امام حسنین علیہم السلام کے روپ میں دیکھا۔

بزرگانِ دین کی صورت میں اسی طرح غوث الثقلین، سرکار خواجۂ خواجگان، سرکار قطب الاولیاء بابا فرید گنج شکر، نظام الحق والدین محبوب پاک، علاء الملت والدین مخدوم علاؤالدین مخدوم پاک کی صورتوں میں دیکھا اور آجتک دیکھتے ہیں۔

گرونانک اور زرتشت کا سراپا اسی طرح لوگوں نے بیان کیا کہ پارسیوں اور سکھوں کو بھی اُن کے اوتار زرتشت جی اور گرونانک جی کا سراپا دکھایا۔

اوتار روپ مولٰنا اختر علی شاہ یوسفی تاجی بیان کرتے ہیں کہ سرکار یوسف الاولیاء کی موجودگی میں تاج آباد شریف میں کچھ ہندوؤں نے میرے سامنے بیان کیا کہ ہم میں سے ہر ایک نے یہ خیال کیا کہ اگر بابا صاحب ہم کو ہر ایک کے خیال کے مطابق رام چندر جی، کرشن جی، گنیش جی، مہادیو جی کے روپ دکھائیں تو ہم جانیں کہ وہ بڑے مہاتما ہیں۔ ہر ایک کی حاضری بابا صاحب نے ہمارے خیال کے مطابق دی۔ جو ہم چاہتے تھے وہ رُوپ دکھائے اور جب حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا " ارے میں ہی تو رام چندر جی، کرشن جی، گنیش جی، مہادیو جی ہوں "۔

دیوتاؤں کے درشن

جناب بہادر پرشاد صاحب پٹواری ایک عالی مرتبت خاندان کے فرد ہیں، اُن کے بھائی ناگپور میں ڈپٹی کمشنر کے عہدہ پر ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ساگر میں اپنے گھر پر تھا کہ تین سادھو کہیں سے گھومتے ہوئے وہاں آئے۔ مجھے صحبتِ فقراء بہت پسند تھی، میں نے سادھوؤں سے ملاقات کی۔ گفتگو میں حضور مہاراج باباصاحب کا ذکر آگیا۔ یہ سُن کر سادھوؤں نے ناک بھویں چڑھائی اور کہا کہ ہم ہندوؤں کے لوگ میں کس چیز کی کمی ہے کہ تم ایک مسلمان فقیر کے والہ وشیدا ہو؟

یہ سُن کر میں نے حضور باباصاحب کی ایک کرامت کا ذکر کیا کہ آپ ہی کی طرح سادھو نے حضرت باباصاحب کی شان میں کچھ باتیں کہی تھیں، وہ سادھو اور میں شکردرہ پہنچے۔ حضور محل کے اندر تھے، ہم دور کھڑے ہو کر، محل کی طرف ٹکٹکی لگائے درشن کا انتظار کرنے لگے کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں کوئی محل ہے نہ آشرم، ہم جنگل میں کبھی ندی کے کنارے ہوتے اور شنکر جی کے درشن کرتے۔ کبھی رام چندر جی اور کبھی کرشن جی کو دیکھتے غرض ایک آنِ واحد میں تمام اوتاروں کے درشن کئے۔ اتنے میں لوگوں کی آوازیں گونج اُٹھیں تو دیکھا حضور ہم دونوں کے سامنے کھڑے تھے، بے اختیار حضور کے چرنوں پر گر پڑے اور اُس کے بعد جو کچھ گذری وہ پربھو ہی جانتے ہیں۔

تیرتھ یاترا

میں یہ باتیں سادھوؤں سے کر کے اپنے گھر چلا آیا۔ اُسی رات کو کیا خواب دیکھتا ہوں کہ حضور باباصاحب تشریف لائے اور میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اُٹھو! جلدی چائے بناؤ، زہے نصیب کہ حضورؒ اپنے گھر تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ میری بیوی نے چائے بنا کر پیش کی۔ حضور نے چائے پی اور فرمایا "چل رے تیرے کو تیرتھ کرا لے آؤں"۔ حضور کے ساتھ گھر سے باہر آیا تو فرمایا ان تینوں سادھوؤں کو بھی ساتھ لے چلو۔ چنانچہ ان سادھوؤں کو بھی

ساتھ لے لیا۔ آگے آگے حضور تھے، بیچ میں سادھو اور میں پیچھے تھا۔

بنارس اور گیا جی کے درشن کر چکے تو حضور نے فرمایا "چلو جگنا تھ جی کا بھی درشن کر لیں۔ ہم لوگ جگنا تھ جی پہنچے اور درشن سے فارغ ہو کر بازار میں آئے۔ ایک سادھو نے مجھ سے کہا کہ جگنا تھ جی کی نشانی ایک لوٹا دِلا۔ میں نے ایک دُکان پر لوٹے کی قیمت دریافت کی، دُکاندار نے تین یا چار روپے کہا۔ میں نے دوکاندار سے کہا کہ جو واجبی دام ہوں، کہدو۔ دوکاندار نے جواب دیا کہ واجبی دام ہیں۔ میں نے فوراً قیمت ادا کر دی اور لوٹا لیکر سادھوؤں کے حوالے کر دیا۔

بس! ہم چل ہی رہے تھے کہ میری آنکھ کھُل گئی ..... میرے گھر میں عجیب نور تھا، عجیب رونق تھی طبیعت مسرور تھی۔

شام کو سادھوؤں کے استھان کی طرف چلا تو وہ لوگ وہاں نہ تھے۔ میں گھر واپس آیا اور مصمم ارادہ کر لیا کہ شکر درہ، حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر سجدۂ شکر ادا کرنا چاہیئے۔ شکر درہ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ صدر دروازے کے قریب "ولایتی املی" کے پیڑ کے نیچے اُن تینوں سادھوؤں میں سے ایک سادھو اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں اُن سادھو جی کے قریب گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی لوٹا جو میں نے جگنا تھ جی سے خرید کر اُس سادھو کو دیا تھا، ایک گوشہ میں رکھا ہوا ہے۔ میرے تعجب کی کوئی حد نہ تھی۔ میں سوچتا تھا کہ یہ خواب ہے یا دراصل حضور نے ہم لوگوں کو تیرتھ کرایا ہے۔ میں نے سادھو کو نمسکار کیا اور تعجب کے ساتھ سادھو مہاراج سے دریافت کیا کہ آپ یہاں کس لئے آئے اور یہ لوٹا کہاں سے لائے۔؟

سادھو نے مُسکرا کر کہا "بہت جلد بھُول گئے، یہ وہی لوٹا تو ہے جو آپ نے جگنا تھ جی میں دلایا تھا۔ میں بھی حضور کی یہ لیلا اور چمتکار دیکھکر یہاں حاضر ہوا ہوں تاکہ حضور سے مُکتی کا مارگ حاصل کروں۔

یہ سُن کر میں دیوانہ وار حضورؒ کے درشن کرنے دروازے کے اندر داخل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضور میری ہی طرف آرہے ہیں۔ حضور قریب آئے تو فرمایا۔

"بڑے ساہوکار کے بیٹے ڈھائی روپے کے لوٹے کے اتنے دام دیدیئے" میں بے تابانہ حضور بابا صاحب کے چرنوں میں گر پڑا۔

بشیشور جی کے رُوپ میں

ایک مارواڑی سیٹھ بشیشور جی کے پہاڑوں میں تیرتھ کو جارہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک مُسلمان درویش اُس کے راستے میں کھڑے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ کہاں جارہا ہے۔ اُس نے کہا بشیشور جی کے درشن کرنے جاتا ہوں۔ درویش نے فرمایا۔

"بشیشور جی آجکل ناگپور میں درشن دیتے ہیں۔ میرا نام بابا تاج الدین ہے ناگپور آؤ ملا دوں گا۔"

یہ کہکر اِدھر درویش غائب ہوئے اُدھر مارواڑی سیٹھ کے ہوش وحواس غائب ہوگئے، سوائے بابا تاج الدین کے کچھ یاد نہ رہا۔ اسی دُھن میں تیرتھ کا خیال ترک کیا اور ناگپور کی راہ لی۔ حاضر دربار ہوا تو دیکھا وہی فقیر جو بشیشور جی کی پہاڑیوں میں ملے تھے بیٹھے ہیں اور دیکھتے دیکھتے بشیشور جی کا رُوپ دھارن کرلیا۔ سیٹھ دوڑ کر قدموں میں گرا۔ حضور نے نگاہِ کرم فرمائی، دعائیں دیں اور خدمت سُپرد فرمائی۔

کرشن جی کے رُوپ میں

ایک ہندو، بالو راؤ صاحب کا بیان ہے کہ حضرت بابا صاحب کے درشن کے لئے ہزاروں افراد حاضر ہوتے تھے۔ مجھے بھی میرے دوستوں نے مجبور کیا کہ اگر بابا صاحب انتریامی ست گرو ہیں تو مجھے کرشن جی کے رُوپ میں درشن دیں۔ چنانچہ اُس رات کو میں نے دیکھا کہ شری کرشن جی گوپیوں کے درمیان بانسری بجا رہے ہیں

یہ لیلا دیکھکر میں نے اُن کے چرنوں پہ اپنا سر رکھ دیا اور جب سر اُٹھایا تو کرشن مہاراج کی جگہ باباجیؒ موجود تھے۔ یہ لیلا دیکھکر میرے آنند کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں اُسی وقت سے باباجی کا پجاری ہوں اور جب چاہتا ہوں اپنے من موہن بانسری والے باباجی کا ساکشات درشن کرلیتا ہوں۔

حضور کی دُودھ والی

لاہتی نام کی دودھ والی بیان کرتی ہے کہ میں ہی حضورؒ کے یہاں دودھ دیا کرتی تھی۔ اور اسی وجہ سے ہر ایک آدمی میرے ہی پاس سے دودھ لیا کرتا تھا۔ جناب گارڈ صاحب پیرزادہ ناسک کو بھی میں ہی دودھ دیا کرتی تھی۔ میرا کچھ روپیہ اُن کی طرف رہ گیا تھا۔ گارڈ صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے میں بھی موجود تھی حضور نے جب گارڈ صاحب کو دیکھا تو میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔

"کیوں؟ تونے ان کو دودھ دینا بند کر دیا"

میں نے جواب دیا کہ گارڈ صاحب کی طرف میرے کچھ روپے رہ گئے ہیں اس لئے انھوں نے ہی دودھ لینا بند کر دیا ہے۔ حضور نے فرمایا "تم ان کو دودھ دیا کرو پیسے میں دونگا۔ چنانچہ دوسرے دن سے میں اُن کو دودھ دیتی رہی، یہاں تک کہ حضور بابا صاحب قبلہؒ کا وصال ہوگیا۔ وصال کے تیسرے دن جب کہ میں اپنی نواسی کو صبح پانچ بجے ضرورت سے فارغ کرانے باہر آئی۔ ابھی اس کو بٹھایا بھی نہیں تھا کہ ایک فقیر صاحب آئے اور فرمایا کہ۔

"لے مائی! تیرے دودھ کا روپیہ جو تو نے تاج الدین کے حکم سے سجان الدین گارڈ کو دیا ہے"! یہ سُن کر میں نے جواب دیا کہ "میں نے حضور کے حکم سے دودھ دیا تھا۔ اب حضور بابا صاحب کا وصال ہوگیا ہے، میں نے بابا صاحب کو روپیہ معاف کر دیا، مجھے روپیہ نہیں چاہیئے"۔ بہت دیر حجت و اصرار کے بعد میں

نے کہا اگر تم روپیہ دینا ہی چاہتے ہو تو حضور کے یہاں زمین کے لئے چندہ ہو رہا ہے، اس میں دے دو۔ فقیر نے اصرار کر کے کہا۔

"یہ تیرے دودھ کا پیسہ ہے، دامن پھیلاؤ"

میں نے فقیر کے جلال سے ڈر کر دامن پھیلا دیا۔ فقیر اسّی روپئے دو پیسے دیکر میرے دیکھتے دیکھتے غائب ہو گئے۔ مجھے خیال ہوا کہ گارڈ صاحب کو دودھ دینے کے بھید سے کوئی واقف نہ تھا۔ یہ روپئے دینے والے بابا صاحب ہی ہیں میں فوراً نواسی کو گھر میں دے کر درگاہ پہ آئی اور پریشان حال، گارڈ صاحب کے پاس پہنچی اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ سید سجان الدین صاحب گارڈ نے اپنا حساب دیکھا تو برابر اسّی روپئے دو پیسے تھے۔

بیرسٹر کے روپ میں

جناب فرید صاحب فضا کا بیان ہے کہ واکی سے سات آٹھ میل دور ایک کھیت میں آم کے درخت کے نیچے بابا صاحب تشریف رکھتے تھے۔ مولوی نجم الدین صاحب کابلی پاس بیٹھے تھے۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ انھوں نے بابا صاحب کی کرامات بیان کی کہ اسی درخت کے نیچے ایک مہینہ پہلے ایک کُنبی کاشتکار آیا اور بابا صاحب کے پیچھے لگا رہا۔ بابا صاحب نے فرمایا جا جا اپنا کام کر مگر وہ نہ مانتا، برابر ساتھ رہتا چوتھے روز حضور اُسی درخت کے نیچے آئے اور کُنبی سے کہا "اسی درخت کے نیچے بیٹھ جا، اُٹھنا نہیں ورنہ مار ڈالوں گا۔" وہ بیٹھ گیا، حضور واپس چلے گئے۔ تین روز برابر بابا آتے اور اُس سے فرماتے "بیٹھا رہ، خبردار یہاں سے ہلنا نہیں۔"

چوتھے روز ایک اور نوجوان کُنبی رامون کا بھائی نامی آیا۔ وہ پکار رہا تھا "رامن بھائی، رامن بھائی۔" یہ آواز سن کر وہ کُنبی جو بیٹھا تھا اُٹھ کر آیا اور اس نو وارد سے لپٹ گیا جو اُس کی تلاش میں آیا تھا۔ اُس نے کہا "تم کہاں تھے؟ ہفتہ بھر سے میں تلاش

کر رہا ہوں۔ اب یہاں کا پتہ ملا تو آیا ہوں۔ مقدمہ اپنے موافق ہو گیا۔ اپنی زمین، جائداد جو رہن تھی وہ سب ہمیں مل گئی"۔ اس نے کہا کیسے جیت گئے؟ کوئی امید نہ تھی۔ ساہوکار بڑا آدمی تھا۔ ہم واقعی مقروض تھے ایک بیرسٹر صاحب بہادر کوٹ پتلون پہنے ہمارے گھر آئے اور پوچھا کہ بھائی کیا تمھارا کوئی مقدمہ ہے؟ میں نے کہا "ہاں"۔ اُس نے کاغذات طلب کئے، ہم نے دیدیئے۔ اُس نے کہا کہ ہم بغیر فیس کے تمھاری پیروی کریں گے۔ پرسوں کورٹ میں آٹھ بجے ہمارا انتظار کرنا۔ اُس کے بعد بیرسٹر چلا گیا۔ میں مقررہ تاریخ میں کورٹ پہنچا۔ کچھ دیر بعد بیرسٹر صاحب تشریف لائے، ڈی سی بھی آگئے۔ مقدمہ پیش ہوا تو مجھے سب سے پہلے آواز پڑی۔ بیرسٹر صاحب نے آدھ گھنٹے پون گھنٹے تقریر کی۔ ڈی سی اس سے متاثر ہوئے اور کاشتکار کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ ساہوکار کا دعویٰ مسترد کر دیا گیا اور نقلِ حکم دینے کے لئے دوسرے روز کی تاریخ کاشتکار کو سُنادی گئی۔ اس کے بعد بیرسٹر صاحب رُخصت ہو گئے، ان کو تلاش کیا گیا مگر نہ اُس سے پہلے اور نہ اُس کے بعد کسی نے اُن کو دیکھا۔

بابا صاحب اُس وقت چادر تلے سو رہے تھے، یہ واقعہ بیان ہو چکا تو آپ نے مُنہ کھولا اور فرمایا "کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے"۔ کُنبی نے آپ کو دیکھا تو پہچان گیا اور اپنی زبان میں بُلند آواز سے کہا کہ یہی صاحب ہیں جو بیرسٹر تھے۔ اُس وقت آپ نے فرمایا "میں تو کہیں نہیں گیا، یہیں مقیم ہوں" ؎

جسمِ خاکی کے تلے جسمِ مثالی بھی رکھتے ہیں
ایک قبا اور بھی ہم زیرِ قبا رکھتے ہیں

جانوروں پر حکومت

سانپ بچھو

حضور رات دن جنگلوں میں گھومتے، قدم قدم پر سانپ بچھو، گزندے راستے میں ملتے، آپ اُن کو مارنے سے منع کرتے اور فرماتے۔

"جنگل کے پنچھی ہیں، تمہیں کچھ نہیں کہیں گے، مارو نہیں،،

چنانچہ کسی گزندے نے آپ کے کسی بچے کو کبھی نہیں کاٹا۔ موذی، موذی ہی نہ رہا تو اس کے قتل کی علت بھی باقی نہ رہی۔

شیر کی حجامت

ایک شب حضرت قبلہ بابا نے فرمایا کہ شکردرہ میں راگھوراؤ راجہ کے یہاں ایک شیر پنجرہ میں تھا، لوگ اس کو دیکھتے تھے، پنجرہ کی تاڑیوں میں سے کسی نے اندر ہاتھ ڈالا، شیر نے ہاتھ پکڑ کر چبا ڈالا۔ بابا صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو تشریف لائے اور فرمایا کہ پنجرہ کا پھاٹک کھولا جائے۔ کس کی مجال تھی کہ تعمیلِ حکم میں تامل کرے، کنجی آئی، قفل کھولا گیا، پھاٹک کھلا، مخلوق خوف زدہ تھی، مگر پھاٹک کھلتے ہی بابا صاحب پنجرہ کے اندر چلے گئے، شیر پاؤں چاٹنے لگا۔ آپ نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا "اس کے بال بہت بڑھ گئے ہیں، کوئی حجامت نہیں کرتا" قینچی منگائی اور گردن کے بال کاٹ دیئے۔

شیر کا دُعا کرنا

ایک رات واکی کے جنگل میں بابا صاحب کے ساتھ ہم دونوں تھے، مجمع پیچھے رہ گیا تھا۔ حضور گھنے درختوں کے جھنڈ میں گھس

گئے۔ ہم ساتھ تھے، گھنے درختوں سے گزرنے کے بعد ایک چھوٹا سا ریت کا ٹیلہ آیا۔ حضور بابا صاحب اس ٹیلہ پر لیٹ گئے۔ فرمایا نیند آتی ہے اور لیٹتے ہی خراٹے لینا شروع کر دیئے جیسے گہری نیند میں ہوں۔ دایاں پائے مبارک ہم دبا رہے تھے۔ بایاں پائے مبارک عبدالرحمٰن دبا رہے تھے۔ واقعی ویسے ہی شیروں کا مسکن ہے مگر ہم اس وقت جنگل میں گھرے ہوئے تھے۔ وہاں بار بار شیر کے دہاڑنے کی آواز آرہی تھی، پھر درختوں کے اندر سے شیر کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ پھر شیر درختوں سے نکل کر ہماری سیدھ میں آتا دکھائی دیا۔ بابا خراٹے لے رہے ہیں۔ ہم دم بخود پائے مُبارک دبا رہے ہیں۔ اس وقت ہم دونوں نے شیر کا ڈر اپنے دل سے نکال دیا کہ ہم شیرِ خدا کے پاؤں دبا رہے ہیں ہمیں کیا ڈر ہے۔ مگر جب شیر آکر بابا کے قدموں کے پاس بیٹھ گیا اور زبان سے تلوے چاٹنے لگا تو عبدالرحمٰن نے بابا کا پاؤں چھوڑ دیا، بابا کے سرہانے جا کھڑا ہوا۔ ہم بدستور پاؤں تھامے رہے، شیر کی سانس کی گرمی ہمارے ہاتھوں کو محسوس ہو رہی تھی۔ مگر مطلقاً کوئی خوف و ہراس دل میں نہ تھا، ادھر شیر پاؤں چاٹنے کے بعد اُلٹے پاؤں جنگل میں چلا گیا، اُدھر بابا صاحب آنکھ ملتے ہوئے بیٹھ گئے۔ عبدالرحمٰن نے عرض کیا، بابا شیر آگیا تھا آپ تو سو گئے۔ ہم تو ڈر کے مارے اب تک کانپ رہے ہیں۔ حضور بابا صاحب نے فرمایا، ارے جنگل کا پنچھی بارہ برس سے دعائیں مانگ رہا تھا کہ یا اللہ اپنے ولی کی قدمبوسی کا موقع عنایت فرما۔ آج اللہ نے اس کی دُعا قبول فرمائی اس کی مراد پوری ہوئی۔

اِعادۂ حیات

زندگی عطا کرنا

مُردہ کُتیّ زندہ کرنا

مُردہ کُتّا زندہ

گرجی طوائف کو زندہ کرنا

متھرا پرشاد، امراؤتی والے

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

چائے والا زندہ

مُردہ تتلی زندہ

عُمر بڑھانا

پھانسی سے رہائی

ابھی نہیں مرتے

پھانسی کا حکم رہائی میں تبدیل

جھینگے مچھلی زندہ

مردہ کُتی زندہ

ڈاکی کے جنگل میں کُتیا کے بچّے آپ کی طرف دوڑے ہوئے آرہے تھے، حاضرین نے روکنا چاہا تو آپ نے فرمایا۔

"آنے دو، مُرادیں مانگنے آتے ہیں۔"

کُتّے کے پلّے آکر قدموں میں لوٹ گئے فرمایا "اچھا تمھاری ماں مرگئی، چلو کہاں ہے؟" وہ آگے آگے، آپ پیچھے پیچھے چلے جارہے تھے، ایک گڑھے میں مری ہوئی کُتی کی سڑی ہوئی لاش ملی۔ چیل، کوّے جمع تھے۔ حضور گڑھے میں اُترے، ایک لات مار کر فرمایا "اُٹھ"۔ لات مارنے کے بعد غبار بلند ہوا، اس میں سے کُتیّ زندہ ہوکر اپنے بچّوں کے ساتھ چلتی بنی۔

مردہ کُتا زندہ

کُتّے کا مشہور واقعہ ہے۔ بابا صاحب کا کُتّا اسٹیشن پر آتا اور بابا صاحب کے دربار میں ہونے والوں کے آگے آگے چلتا۔ ایک دن کسی جنگل میں مرگیا، بابا صاحب کا ادھر سے گذر ہوا تو حکم دیا "اسے ٹوکرے میں ڈال کر لے چلو"۔ ٹوکرے میں ڈالا گیا، اُس ٹوکرے پر آپ نے اپنا کُرتہ ڈال دیا۔ تھوڑی دیر میں کُتّا ٹوکرے میں حرکت کرنے لگا اور زندہ ہوگیا۔

گرجی طوائف کو زندہ کرنا

(گرجی کا ذکر "گلدستہ شریف" میں مختصراً آچکا ہے۔ پورا واقعہ اب درج کیا جاتا ہے۔)

گرجی طوائف مرگئی، کاشی ناتھ راؤ، پٹیل نے بابا صاحب سے دریافت کرایا کہ اس کو دفنایا جائے یا جلایا جائے۔ ابھی یہ پیام لیکر آدمی حاضر نہ ہوا تھا کہ حضور نے ایک پیالی چائے خادم کو دیکر حکم دیا کہ گرجی کو پلاؤ۔ خادم نے گرجی کی

لاش پر آکر دو تین بار کہا کہ بابا نے چائے بھیجی ہے۔ آخر اُس نے مُنہ کھول دیا۔ چائے پی لی، زندہ ہوگئی، معاً حاضرِ خدمت ہوئی تو حکم ہوا کتاب سناؤ، تو اس نے گانا سُنایا۔

اگر سماع ناجائز ہوتا تو دورِ حاضر کے جلیل القدر ولی اللہ، جن کی کرامت لاکھوں مسلمانوں اور لاکھوں غیر مسلموں کی متفقہ اور متواتر شاہد ہیں اس ناجائز فعل کے مُرتکب نہ ہوتے۔

متھرا پرشاد، امراؤتی والے

میں نے دیکھا کہ بابا کے بڑے فدائی ہیں دورانِ عرس میں مسلمانوں کو اپنے ہاتھ سے شربت پلا رہے ہیں، جھوٹے گلاس اپنے ہاتھ میں لیتے، اُن کو دھوتے اور پھر پیش کرتے پانی کی سبیل پر سب سے زیادہ سرگرمی اور تندہی سے وہ کام کر رہے تھے، اُس زمانہ میں وہ آستانہ عالیہ کے اسٹور کے انچارج بھی تھے، اور حضرت قبلہ و کعبہ "تاج کمیٹی" کے صدر تھے۔

متھرا داس بڑے جذبے میں کہہ رہے تھے کہ آج ہندو بھائی مجھ سے کہتے ہیں کہ تم مسلمانوں کے جھوٹے برتن اپنے ہاتھ میں لیتے ہو، برہمن ہو کہ تمھیں شرم نہیں آتی۔ میں ان بھائیوں کو کس طرح سمجھاؤں کہ میرا دھرم کیا ہے؟ میرے دھرم میں بابا تاج الدین پرماتما ہیں، وہی ایشور ہیں، وہی کرشن مہاراج ہیں، وہی رام چندر ہیں، وہی بجرنگ بلی ہیں، سب کچھ وہی ہیں اور یہی دھرم دوسرے بھائیوں کا تھا مگر وہ سب سمجھتے ہیں کہ بابا صاحب کا انتقال ہوگیا، اس لئے اب وہ دھرمی ہندو بنتے جا رہے ہیں، مگر میں تو بابا صاحب کو امر سمجھتا ہوں، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں، اس لئے میرے برتاؤ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ میں جیسا اُن کا ادنیٰ داس اُس وقت تھا، آج بھی ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ اس کے بعد اُنھوں نے کہا بابا صاحب کی غلامی

پر پہلے بھی بہت سے ہندو بھائی مجھے طعنہ دیتے تھے ، خود میرے گھر والے کہتے تھے کہ تیرا دھرم بھرشٹ ہوگیا۔ یہ لعنت ملامت اُس وقت اور بھی زیادہ ہوگئی جب میرا داماد مرض الموت میں گرفتار تھا خود میری بیوی نے مجھ سے کہا، تم نے اپنا دھرم بھی خراب کیا اور دنیا بھی خراب ہونے والی ہے ، ایک بیٹی ہے وہ بھی صبح و شام میں رانڈ ہونے والی ہے۔ آخر تمھارے بابا کس دن کام آئیں گے ؟ تم ان کی بڑی بڑی کرامتیں بکھانا کرتے ہو، اپنے داماد کو تو موت سے بچاؤ۔

بیوی کی بات میرے دِل میں تیر کی طرح لگی۔ میں نے کہا ، داماد کو بس میں رکھ کر ناگپور چلو، ڈاکٹروں نے کہا وہ چند ساعت کا مہمان ہے ، خود ہی مرجائے گا، اس کے مارنے کی جلدی ہے تو ضرور لے جاؤ ، برادری والوں نے بہت سمجھایا، مگر میں نے کہا "کچھ بھی ہو، یہ مر بھی جائے تو بابا صاحب سے زندہ کرا کے مانوں گا ورنہ پھر تم لوگوں کو مُنہ نہ دکھاؤں گا" بس سروس گھر کی تھی، ایک بس میں بستر کر کے مریض کو لٹا دیا، ڈاکٹر پاس بیٹھ گیا، میں اور میرے گھر والے بھی بیٹھ گئے۔ ناگپور پہنچے، شکر درہ کے باہر سب ٹھیرے، میں سیدھا بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ، جاتے ہی عرض کیا۔

" بابا میں اپنے داماد کو جو مر رہا ہے لایا ہوں ، یا تو اچھا ہو جائے ورنہ آپ کا مُنہ یہاں بھی کالا وہاں بھی کالا "۔

میری گستاخانہ بات سُن کر بابا نے ایک ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑا، دوسرا ہاتھ مجھے مارنے کو اُٹھا کر فرمایا کیا کہا ؟ میں نے پھر کہا " بابا مارو چاہے چھوڑو ، بات یہی ہے جو میں نے کہی۔ میرے عزت و آبرو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سُن کر بابا صاحب نے ہاتھ جھٹک کر فرمایا۔

" جا، دال بھات کھلا، اچھا ہو جاتا ہے "

میں بھاگا ہوا آیا، دال بھات تیار کرایا اور اُس کو کھلایا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ڈاکٹر میری ان تمام باتوں کو دیوانہ پن سمجھ رہے تھے، اُن کا خیال تھا کہ پیچش کے مریض کو اس آخری اسٹیج پر جب کہ پانی بھی ہضم نہیں ہو رہا تھا دال بھات کھلانا کون سی عقلمندی ہے؟ مگر میں نے کچھ پرواہ نہ کی، دال بھات اُس کو کھلایا، کھاتے ہی اُس کو نیند آئی، شام کو آنکھ کھلی تو پھر اس نے دال بھات طلب کیا، پھر دیا، رات بھر آرام سے سوتا رہا۔ غرضیکہ تیسرے دن وہ جو "ارتھی" میں لایا گیا تھا، مرنے والا تھا، تندرست ہو کر اپنے پاؤں سے چل کر بابا کے پاؤں میں آپڑا، اور اس طرح میرے گھر والوں کا کفر ٹوٹا۔

خدا کے فضل سے وہ آج تک زندہ ہے، پیچش کی شکایت ایسی گئی جیسے کبھی ہوئی نہ تھی۔

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بُنیاد

ڈاکٹر عبدالرحمٰن، ایم بی بی ایس، لارنس روڈ پر آپ کا مشہور شفاخانہ ہے، اچھے ڈاکٹر اور جوان صالح ہیں، بیان کرتے تھے کہ میری والدہ کو پیچش کی بیماری بہت پُرانی ہو چکی تھی، کسی علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا، ضُعف و نقاہت اتنی بڑھ گئی تھی کہ بلا امداد غیرے کروٹ بھی نہ بدل سکتی تھیں، صرف ہڈیوں کی مالا ہو کر رہ گئی تھیں امیدِ زیست نہ تھی۔ اُس زمانہ میں بابا صاحب کی شہرت عام تھی ہم بھی کسی نہ کسی طرح وا کی تشریف حاضر ہوئے اور اماں کو چارپائی پر ڈالے حضرت بابا صاحب کے سامنے لے گئے۔ حضور نے اماں سے فرمایا "بیٹھی ہو جاؤ"۔ ان میں کہاں طاقت تھی جو بیٹھی ہو جاتیں۔ دوسری دفعہ پھر فرمایا "بیٹھی ہو جاؤ"۔ مگر یہ تعمیلِ حُکم سے معذور تھیں، تیسری بار حضور نے ایک لکڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی، اماں کے پاؤں میں ضرب لگائی اور حُکم دیا "بیٹھی ہو جاؤ"۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اماں بیٹھی ہو گئیں ۔ پھر آپ نے فرمایا "چلو" وہ چلنے لگیں پھر فرمایا، "جاؤ! اچھی رہتی ہیں"

خدا کے فضل و کرم سے وہ آج تک زندہ ہیں، اچھی ہیں، وہ شکایت بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

چائے والا زندہ

حضرت قبلہ و کعبہ ؒ نے ایک روز فرمایا، گلاب چائے والا، جس کا ہوٹل تاج آباد شریف میں ہے حضور بابا صاحب کا پرانا خادم ہے، حضور کو چائے پلایا کرتا تھا، ساتھ رہتا تھا، اتفاق سے بیمار ہوا اور مر گیا، تجہیز و تکفین کے مرحلے پر حسب قاعدہ بابا صاحب کی اجازت طلب کی گئی۔ حضور نے خبرِ مرگ سُنی اور کچھ دیر مراقب میں رہنے کے بعد فرمایا۔

"جاؤ، وہ اچھا ہو گیا"

لوگوں نے آکر دیکھا تو گلاب چائے والا کفن پہنے ہوئے بیٹھا ہے، باتیں کر رہا ہے۔

اُس نے بیان کیا کہ مرتے دم مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مجھے کسی تاریک کنوئیں میں اتار دیا گیا ہے، میں اُس کنوئیں میں اُترتا ہی چلا گیا، یہاں تک کہ میرے بال بچوں کے رونے پیٹنے کی آواز بھی آنا بند ہو گئی اور بڑی دیر میں میرے پاؤں زمین پر لگے۔ وہاں صحرائے لق دق تھا، کچھ عجیب الخلقت لوگ آئے، اُنھوں نے کہا تم اس طرف نہ جانا اور جس طرف چاہو جا سکتے ہو۔ میں نے سوچا کہ میں بابا صاحب کا آدمی ہوں ہر طرف جا سکتا ہوں، یہ منع کرنے والے کون ہیں؟ چنانچہ میں اُسی ممنوعہ سمت میں گیا، وہاں دیکھا کہ نہایت ڈراؤنی شکل کی مخلوق ہے، وہ انسانوں کو پکڑ پکڑ کر آگ میں ڈال رہی ہے۔ میں نے کہا تم بڑے بے رحم ہو، یہ مردم آزاری، یہ سنگدلی!

کچھ بھی خدا کا خوف نہیں، چیخ پکار، آہ وزاری پر بھی ترس نہیں آتا۔ اُنھوں نے قہر کی نگاہ سے مجھے دیکھا، ڈانٹا اور کہا "تم یہاں آئے کس طرح؟ جاؤ! فوراً چلے جاؤ"۔ میں اُنھیں برا بھلا کہتا ہوا واپس ہوا، سامنے گھنے درخت نظر آرہے تھے، ادھر چلا، کچھ دور چلنے پر ایک مجمع کثیر نظر آیا۔ اور بھی قریب ہوا تو دیکھا کہ حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، صاحبِ لولاک احمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک تابناک پُرانوار تخت پر رونق افروز ہیں اور بے شمار بزرگانِ دین حاضرِ دربار ہیں۔

اتنے میں باباصاحب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئے اور عرض کیا "حضور میرا چاہنے والا یہاں آگیا ہے، اس کو واپس جانے کی اجازت فرمائی جائے"۔ سرکارِ دوعالمؐ نے فرمایا "یہاں جو آگیا اُس کو واپس جانے کی اجازت نہیں دی جاتی"۔ باباصاحب نے پھر عرض کیا حضور میرے چاہنے والے کو واپس جانے کی اجازت دی جائے۔ سرکار دوعالمؐ نے پھر فرمایا۔ "ایسا قاعدہ نہیں"۔

اس مرتبہ باباصاحب نے فرمایا "اگر اجازت نہیں دی جاتی ہے تو پھر حضور اپنا کُرتہ بھی واپس لے لیں"۔ یہ کہتے ہوئے باباصاحب نے اپنے جسم سے کُرتہ اتارنے کا اقدام کیا تھا کہ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو باباصاحب سے فرمایا کہ کرتہ نہ اُتارو اور دوسری طرف مجھ سے فرمایا۔

"گلاب واپس جاؤ۔"

حضور کا یہ فرمانا تھا کہ میں بیٹھ گیا۔

مُردہ تتلی زندہ

جیبی صاحب آپ کراچی میں بندر روڈ پر رہتے ہیں، اس سے پہلے آپ ناگپور میں رہتے تھے لیکن

اب کراچی میں مستقل قیام ہے۔ ایک دفعہ کا واقعہ بیان فرمانے لگے کہ ایک بہت خوبصورت تتلی بالٹی کے پانی میں ڈوب کر مرگئی، جب میں بالٹی سے پانی لینے گیا تو یہ تتلی نظر پڑی۔ تتلی انتہائی خوبصورت تھی چنانچہ اُسے پانی سے باہر نکال لیا۔ فوراً سرکار باباکو یاد کیا اور کہا کہ بابا صاحب آپ نے تو کتنے مُردے زندہ کئے ہیں، کیا یہ تتلی زندہ نہیں ہوسکتی؟۔ یہ کہکر میں نے سرکار بابا کے فوٹو پر تتلی کو رکھدیا اور اپنے کمرے میں آگیا۔ رات کا وقت تھا۔ گھر کے سب لوگ اور میں بھی سونے چلا گیا۔ جیمی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ شب میں بابا صاحب تشریف لائے ہیں اور فرمار ہے ہیں۔

"ہوجی! تونے ایک جان نہیں بچائی سو جان بچائی"

غالباً صبح ہورہی تھی کہ اُن کی آنکھ کھلی، فوراً فوٹو کی طرف لپکے، دیکھتے ہیں کہ وہ تتلی جو مرچکی تھی اب زندہ ہے اور اُس کے آس پاس سو انڈے ہیں جن میں چھوٹے دانے کی طرح کیڑے برآمد ہیں۔ جیمی صاحب نے یہ دیکھا تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ بس انھوں نے تتلی کو اور تمام انڈوں کو اُٹھا کر بڑی احتیاط سے گلاب کے درخت کی پتیوں پر رکھدیا۔

عمر بڑھانا ایک عورت اپنے بیمار شیر خوار بچّے کو حضور بابا صاحب قبلہ کی خدمت میں لائی۔ حضور نے بچّے کو دیکھکر فرمایا۔

"مائی! جاتا ہے تو جانے دے"

وہ عورت بابا صاحب کے پاؤں پکڑ کر آنسو بہانے لگے۔ اُس کے رونے بلکنے پر حضور کو رحم آگیا اور فرمایا

"لاؤ، لال کتاب"

پھر ایک لمحہ کے بعد فرمایا۔

"اس کی عمر بیس سال لکھدی ، لے جا اِسے"

چنانچہ وہ بیس سال تک زندہ رہ کر قضا کر گیا۔

پھانسی سے رہائی

ایک قیدی، جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں، دو تین کانسٹیلوں کے ساتھ حاضرِ دربار ہوا اور عرض کیا کہ مجھے پھانسی ہونے والی ہے۔ عدالت کے دریافت کرنے پر اب میری آخری خواہش تھی کہ پھانسی دینے سے قبل حضور بابا صاحب کا درشن کرایا جائے۔ لہذا آپ میری مُکتی کے لئے آشیرباد دیجئے۔ یہ سُن کر حضور نے فرمایا۔

"جا رے! اُلٹے ہاتھ سے سلام کرکے آ، بَری ہو جائے گا"

چنانچہ ایسا ہی ہوا اُس نے اپیل کی اور صاف چھوٹ گیا۔

ابھی نہیں مرتے

ماسٹر محمد حنیف صاحب، کامٹی شریف کے رہنے والے ہیں، فرماتے ہیں کہ میری اہلیہ صاحبہ نے اپنے بچپن کی بیماری کا واقعہ بیان کیا کہ وہ ایک مرتبہ سخت علیل ہوئیں، اُن کی دادی صاحبہ نے خیال کیا کہ انھیں حضرت بابا صاحب کے پاس حاضر کیا جائے چنانچہ اہلیہ صاحبہ کو حضور بابا صاحب کے قدموں پر لیجا کر ڈال دیا گیا۔ بابا صاحب قبلہ نے اُن کے سر پر دستِ شفقت پھیر کر ارشاد فرمایا۔

"ابھی نہیں مرتے، دال کھانا کھاتے اور ٹھنڈا پانی پیتے اور زندہ رہتے"

اسی طرح کئی بار ارشاد فرمایا۔ سب لوگ خوشی خوشی واپس ہوئے اور کچھ ہی دنوں میں ان کو صحتِ کُلّی حاصل ہوگئی۔

پھانسی کا حکم رہائی میں تبدیل

ایک عورت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور رو رو کر عرض کیا کہ حضور میرے لڑکے کو پھانسی کا حکم سُنایا جانے والا ہے۔ حضور نے فرمایا۔

"نہیں جی، ہم کسی کو پھانسی نہیں دیتے"

بڑھیا خوش خوش واپس ہوگئی، لیکن دوسرے دن پیشی پر عدالت نے پھانسی کا حکم سنادیا۔ بڑھیا پھر حاضرِ خدمت ہوئی اور عرض کیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ تیرے لڑکے کو پھانسی نہیں ہوگی، لیکن عدالت نے پھانسی کا حکم دے دیا ہے۔ اب میں یہاں سے اُس وقت تک نہ ہٹوں گی جب تک آپ میرا لڑکا نہ دیں۔ یہ سُن کر حضور نے تبسم فرمایا اور جواب دیا کہ "ایسا ہی ہوگا"

چنانچہ پھانسی کے تختہ پر لیجانے کے لئے کمیٹی نے پھانسی کا حکم کھولا تو بجائے پھانسی کے رہائی کا حکم تحریر تھا۔

جھینگے مچھلی زندہ

اشرفی سلسلہ کے ایک بزرگ نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ بُھنی ہوئی مچھلیاں، جھینگے لیکر حاضرِ دربار ہوئے تاکہ حضور کی خدمت میں پیش کردیں، حضور نے فرمایا۔

"ہم زندہ مچھلی نہیں کھاتے"

اب جو دیگچی کھولی تو تمام جھینگے اور مچھلیاں زندہ تھے۔

پیاسا گھوڑا

مفلسوں، غریبوں، ناداروں، مریضوں اور اپاہجوں اور بے روزگاروں کی خدمت میں آپ ہر وقت مشغول رہتے تھے، مگر اس مصروفیت کے عالم میں آپ کی توجہ اور کس کس عالم میں کام کرتی رہتی تھی، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار آپ "ڈگوری" پہنچے، یہاں آپ کا ایک خادم عبداللہ دکنی تھا اُس کا یہ معمول تھا کہ حضور کے ساتھ جو مجمع ہوتا تھا اس کو پانی پلاتا۔ چنانچہ اس نے ایک مٹکا پانی کا پیش کیا، آپ نے فرمایا "ہم پانی نہیں پیتے، پہلے گھوڑے کو پانی پلاکر آ، پھر پیوں گا۔" تقریباً ایک فرلانگ دُور ایک گھوڑا کھڑا تھا۔ حکم ملتے ہی عبداللہ دکنی گیا اور گھوڑے کو پانی پلایا، نہ جانے کب سے پیاسا تھا پانچ مٹکے پانی پی گیا۔

یک نظر دیوانہ کردی

رام لال وید

مہاراجہ فرددی کے گرد
ایک نظر
حجاب اُٹھ گیا
تلقین درس اہل نظر یک اشارت است

رام لال وید

تحصیل ناد ونی، ریاست جے پور میں ایک دُور افتادہ علاقہ ہے، گنگا پور ریلوے اسٹیشن سے ۱۶ میل دور واقع ہے، یہاں سے کچھ فاصلے پر مہابیر کا میلہ سالانہ ہوتا ہے، یہاں جینی مندر ہے اور جین دھرم والوں کے علاوہ عظیم الشان ہندوؤں کا اجتماع ہوتا ہے۔ جینی خوشحال اور متمول قوم ہیں، ان کی طرف سے وہاں بہت سے کام رفاہِ عام کے جاری ہیں۔ اُن میں سے ایک شفاخانہ بھی ہے۔ اس شفاخانہ میں پنڈت رام لال وید نگرانِ اعلیٰ تھے۔ پنڈت جی سے مجھے مقامی افسران نے ملایا۔ دورانِ تعارف میں محمد عیسیٰ تحصیلدار نے پنڈت جی سے میرے متعلق بھی کہدیا کہ یہ بابا تاج الدین صاحب ناگپوری کے نام لیوا ہیں۔ میں نے دیکھا کہ بابا صاحب کا نام لیتے ہی پنڈت جی دست لبستہ احتراماً کھڑے ہوئے، فرطِ محبت میں مجھ سے لپٹ گئے اور سب کے سامنے انھوں نے یہ واقعہ بیان کیا۔

میں کسی کام سے ناگپور گیا تھا، وہاں بابا صاحب کے حالات سُن کر دیکھنے کا شوق ہوا مگر برہمن پنڈت ہونے کی وجہ سے میرا یہ خیال تھا کہ مسلمانوں نے یونہی ڈھونگ بنا رکھا ہوگا، اس "ملیچھ" قوم میں ایسا مہاتما کہاں سے ہونے لگا۔؟ اس قسم کے خیالات لئے ہوئے میں بابا کے دربار میں حاضر ہوا، جیسے ہی میرا سامنا ہوا حضور نے میری طرف دیکھا اور میری یہ کیفیت ہوگئی کہ دُنیا سے دل اُتر گیا، تمام خیالات دور ہوگئے، صرف خدا ہی خدا یاد رہ گیا۔ کھانا، پینا، سونا، گھر واپس جانا سب بھول گیا۔ پانچ سال اسی حال میں گذرے کہ مسلسل حاضرِ دربار رہا کہ تن بدن کا ہوش نہیں تھا، بابا کے درشن کو سب کچھ سمجھتا تھا۔

ایک دفعہ واکی کے جنگل میں بابا چلے جا رہے تھے، ایک مجمع پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا، میں بابا سے بہت قریب تھا، اور دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ ساری عمر

بابا کے قدموں سے جُدا نہ ہوؤں کہ دفعتاً بابا صاحب نے پیچھے مُڑ کر فرمایا "دیوانے نہیں ہوجاتے گھر جاؤ مسیحائی کرو۔" اس حکم کے معاً بعد وہ کیفیت اور سرشاری جاتی رہی۔ میں تیس گاؤں اپنے گھر آیا، طِب سے کوئی سروکار مجھے نہ تھا مگر بابا کے حکم کی تعمیل میں علاج معالجہ شروع کر دیا۔ خدا کی شان ہے کہ جس بیمار کو جو کچھ دے دیا شفا ہوگئی۔ دُور دُور سے مریض آنے لگے، روز افزوں شہرت ہونے لگی یہانتک کہ مہابیر کا شفاخانہ میری نگرانی میں دے دیا گیا، یہ عروج جو مجھے حاصل ہوا بابا کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔

اس واقعہ کے بعد پنڈت جی اکثر مجھ سے ملنے آتے اور جتنی دیر بیٹھتے، حضور کے عجیب و غریب چشم دید حالات بیان کرتے جن کو لکھا جائے تو ایک کتاب بن سکتی ہے

مہاراجہ قرولی کے گرو

گنگا پور اور ہنڈول کے وسط میں وزیر پور ایک قصبہ ہے۔ یہاں سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانہ سے مسلمان آباد ہیں جو خیلدار کہلاتے ہیں، ریاست جے پور کی طرف سے یہاں تحصیل قائم ہے۔ میں جس زمانہ میں وہاں تھا پنڈت درگا پرشاد شرما وہاں تحصیل دار تھے، جو آجکل کہیں ڈپٹی کلکٹر ہیں۔ وزیر پور میں ایک مسجد ہے جو بس اسٹینڈ کے قریب سڑک کے کنارے پر ہے، میں نے دیکھا کہ بس اسٹینڈ پر تحصیل دار اور بہت سے لوگ موجود ہیں، بس سے ایک سادھو اُترا، لوگوں نے اُن کا ادب و احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ میں یہ منظر دور سے دیکھ رہا تھا۔ سادھو کا چہرہ نورانی اور ڈاڑھی اور سر کے کالے بالوں میں چہرہ اور بھی حسین معلوم ہوتا تھا، ماتھے پر قشقہ نہ ہوتا تو ہندو اور مسلمان میں تمیز دشوار ہو جاتی۔ منشی انوار الحق صاحب میرے پاس تھے وہ بول اُٹھے، "صورت تو نورانی ہے کاش مسلمان ہوتے۔" یہ سادھو اور پنڈت دُرگا پرشاد اپنے ساتھ میری طرف بڑھے۔ میں ناگپور سے دو روز پہلے ہی آیا تھا، اس لئے پنڈت دُرگا پرشاد نے

مجھ سے پوچھا، ناگپور سے ان کا کیا تعلق ہے؟ تحصیل دار نے عرض کیا کہ مہاراج یہ باباصاحب کے نام لیوا ہیں۔ باباصاحب کا نام سنتے ہی سادھوجی مجھ سے بغلگیر ہوئے اور علی الاعلان فرمایا کہ درگاپرشاد میرا بچہ ہے اور مہاراجہ قرولی بھی میرا چیلہ ہے، مگر میں باباتاج الدین کا داس ہوں، اور اصرار کے ساتھ مجھے اپنی جائے قیام پر لے گئے۔ وہاں اُنھوں نے درگاپرشاد، تحصیل دار کے سامنے اپنی پوتھی کھولی جو ہندی کی کوئی کتاب تھی مگر اُس میں باباصاحب کا فوٹو رکھ چھوڑا تھا، وہ فوراً مجھے دکھایا اور تحصیلدار صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان لوگوں کو لانے کے لئے پوتھی کھول کر بیٹھ جاتا ہوں۔ در اصل اس پوتھی میں باباصاحب کا فوٹو رکھ چھوڑا ہے، اس کی زیارت کرتا ہوں۔ میں نے کہا باباصاحب سے اس کاغذ پر جس پر فوٹو ہے آپ سے زیادہ قوی نسبت حاصل ہے، صاحبِ فہم تھے سمجھ گئے، بات ٹال گئے، کہنے لگے ہم نہ مشرک ہیں نہ بت پرست، ہمیں باباصاحب نے اللہ اللہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم اسی نام کا وظیفہ شب و روز کرتے ہیں اور یہی ورد ہے اور یہی شغل ہے۔

اُس کے بعد اُنھوں نے بیان کیا کہ میں برہمن ہوں، ایم اے ایل ایل بی، پاس کرنے کے بعد ناگپور میں تحصیلدار مقرر ہوگیا، اپنی بیوی سے مجھے بےحد محبت تھی، وہ انتقال کر گئی، لوگوں نے مجھے دوسری شادی پر مجبور کیا۔ میں اپنی پہلی بیوی کے مرجانے کے بعد بےحد متاثر ہوا تھا اور سوچتا تھا کہ جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ شادی کرنا مناسب ہے یا نہیں، شادی نہیں کروں گا۔ پنڈتوں کی بات پر پورا الیقین نہیں آتا تھا۔ اُس زمانہ میں باباصاحب کی کرامتوں کا شہرہ عام تھا، ناگپور کا بچہ بچہ حضور سے بےپناہ عقیدت رکھتا تھا میں اُن ہندوؤں کو بھی بُرا سمجھتا تھا جو مسلمان فقیر کے پاس جاتے تھے، مگر دل اندر سے یہی کہتا تھا کہ چلو دیکھ آئیں، زبان سے کچھ کہیں گے نہیں، اگر کامل ہیں تو خود بخود جواب دیں گے، نہیں تو معلوم ہو جائے گا کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے چپراسی کو

لیا، ایک ٹوکرہ کیلا خریدا اور بابا صاحب کے دربار میں حاضر ہوا، جیسے ہی میرا سامنا ہوا بابا صاحب نے فرمایا "آئیے تحصیلدار صاحب! تاج الدین نے بیوی نہیں کی، آپ بیوی کرکے کیا کریں گے۔" اس کے بعد فرمایا "لاؤ کیلا کھلاؤ" میں نے کیلا اپنے ہاتھ سے چھیل کر پیش کیا تو میرے ہاتھ سے یونہی سا کچھ کھانے کے بعد مجھے حکم دیا کہ "کھا جاؤ" میں برہمن زادہ چھوت چھات کا سختی سے پابند ایک مسلمان کا جھوٹا کیلا آنکھوں دیکھتے کس طرح کھا گیا؟ نہیں کہہ سکتا، کیلا کھاتے ہی اکیلا ہو گیا، جذب و مستی طاری ہو گئی، ہوش غائب، حواس رخصت ہوئے گھر والوں کو خبر ہوئی تو پکڑ کر لے گئے۔ گرم لوہے سے جسم کو داغا (نشانات دکھا کر کہا کہ یہ اس زمانہ کی یادگار موجود ہے) مگر میں نہ ہوش میں آنا تھا نہ آیا۔ آخر یہ طے ہوا کہ جہاں سے یہ بیماری لگی ہے وہیں لے جاؤ، برہمن برادری ہونے کی وجہ سے کسی کو یہ بات منظور نہ تھی مگر جب کوئی تدبیر کارآمد نہ ہوئی تو مجبوراً یہ بھی برہمنوں کو منظور کرنا پڑا۔ بابا کے دربار میں حاضر ہوتے ہی حکم ہوا کہ "زنجیریں کھول دی جائیں یہ اچھا ہے۔" زنجیریں کھل گئیں، میں ہوش میں آگیا۔

پھر فرمایا "اب تم تحصیلدار نہیں رہے۔" لوگوں نے عرض کیا "حضور دیوانگی کی وجہ سے یہ نوکری پر نہ جا سکے، نوکری ختم ہوئے عرصہ ہو گیا۔"

حضور نے ایک سادہ کاغذ پر اپنے دستِ مبارک سے اپنا نام لکھ کر مرحمت فرمایا اور کہا "لو یہ فرمان! تحصیلدار تمہارے جوتے اٹھائیں گے، اللہ اللہ کرتے رہو۔"

یہ واقعہ بیان کر کے تحصیلدار صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ بابا کا فرمان اس وقت اس جگہ بھی پورا ہو رہا ہے کہ درگا پرشاد تحصیلدار میری کفش برداری کو عزت سمجھتا ہے، مہاراجہ قرولی اور بڑے بڑے لوگ میرے کفش بردار ہیں ؎

تا داغِ غلامئ تو داریم
ہر جا کہ رویم بادشاہیم

جے پور میں سرکارِ قبلہ و کعبہ سے ان مہاراج کی ملاقاتیں ہوئیں، حضرت کا بچا ہوا کھانا کھڑے ہو کر ادب سے کھاتے، اس میں گوشت بھی ہوتا۔

ایک نظر

بھوپال کے ایک شخص حمید الدین صاحب فرماتے ہیں کہ والیٔ ریاست بھوپال کے ایک قریبی عزیز کا واقعہ ہے کہ وہ ناگپور شریف مع اپنے اہل و عیال کے حاضر ہوئے، باورچی بھی ساتھ تھا، یہ خوش نصیب باورچی بھی حاضر تھا، بس ایک نظر پڑنا تھی کہ از خود رفتہ ہو گیا اور آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ بات چیت بالکل بند، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ محوِ حیرت ہے۔

لوگوں نے طرح طرح کے خیال ظاہر کئے، کسی نے کہا بیماری ہو گئی ہے، کسی نے کہا جن ہے۔ غرض اپنی عقل کے مطابق ہر شخص نے رائے زنی کی۔ آخر کار اُس باورچی کو بھوپال لائے مگر حالت میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا۔

حجاب اُٹھ گیا

ہدایت اللہ صاحب سرکار بابا کے پاس رہے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک روز بابا کی خدمت میں ایک بہت ہی ضعیف العمر عالم آئے، صورتاً بھی بزرگ معلوم ہوتے تھے، سرکار بابا نے اُن کو دیکھکر فرمایا "حضرت ان کو پانچ جوتے لگاتے ہیں"۔ اردگرد جو خدام تھے متحیر ہو گئے۔ عالم صاحب نے دونوں ہاتھ باندھکر اشارہ فرمایا کہ خدا کے لئے مارو۔ پس ایک خادم نے آہستہ آہستہ پانچ جوتے اُن کی پُشت پر مار دیئے۔

اب مولینا کا رنگ کچھ اور ہی تھا، آپ اُچھلنے لگے اور کیفیت اس درجہ کی طاری تھی کہ روکنا محال ہو گیا، جب ذرا ہوش آیا تو خدام نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کو کیا ہو گیا؟ فرمانے لگے جو راستہ میں ساری عمر طے نہ کر سکا، وہ آنِ واحد میں طے ہو گیا۔

تلقین درسِ اہل نظر یک اشارت است

مولینا حکیم شاہ زماں صاحب محلہ شطرنجی

ناگپور بڑے جیّد عالم تھے، جامعہ ازہر میں مدرس رہ چکے تھے، پکے اہلِ حدیث تھے، کوئی شخص بابا کا ذکر کرتا تو سخت گستاخی سے پیش آتے۔ ایک نواب صاحب اُن کے زیرِ علاج تھے، وہ اکثر باباصاحب کے یہاں حاضرِ دربار رہتے تھے، حکیم صاحب کو بھی حاضری کی ترغیب دیتے تھے مگر حکیم صاحب آمادہ نہ ہوتے تھے۔ ایک دن نواب صاحب حکیم صاحب کے یہاں آئے اور فرمایا "چلیے" حکیم صاحب نے پوچھا کہاں؟ جواب دیا شکردرہ چلیں گے حکیم صاحب نے حسبِ معمول انکار کیا تو نواب صاحب بولے آپ گاڑی میں بیٹھے رہنا، میں اندر جاکر باباصاحب کی زیارت کر آؤں گا، اُس کے بعد ہوا خوری کے لئے کہیں چلیں گے۔ یہ بات حکیم صاحب نے منظور کرلی، دونوں شکردرہ پہنچے، حکیم صاحب گاڑی میں بیٹھے رہے، نواب صاحب اندر گئے اور حکیم صاحب کو خیال ہوا کہ ذرا چل کر دیکھیں آخر کیا ماجرا ہے؟ اندر آئے تو دیکھا ہزاروں کا مجمع ہے اور باباصاحب ایک طرف کو کھڑے ہیں حکیم صاحب نے باباصاحب کو دور سے دیکھا کہ وہ آپ کی طرف آرہے ہیں۔ باباصاحب بہت تیزی سے اُن کے قریب آئے اور اُن کی طرف دیکھکر یہ اشعار پڑھے ؎

توان در بلاغت بہ سحبان رسید | نہ در کنہ بیچون سبحان رسید
یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست | کتب خانہ چند ملت بشست

باباصاحب تو اس کے بعد چلے گئے مگر حکیم صاحب حیرت کے دریا میں غرق، اور سکتے کے عالم میں گم دیر تک کھڑے رہے، ہوش آیا تو بار بار فرماتے تھے، میں بڑے دھوکے میں تھا، باباصاحب اللہ کے بہت بڑے ولی ہیں۔

اس واقعہ کے بعد آپ برابر حاضرِ دربار ہوتے رہے۔

سلبِ امراض

عزیزالدین

ٹانگ اچھی

جزام دفع

مُردہ لڑکا زندہ

عزیز الدین خاں سابق ڈپٹی کمشنر برار، آجکل یہاں کلیم آفیسر ہیں ان کی والدہ کو سات اسقاط ہوئے وہ دہابی عقیدے کی تھیں، حالانکہ اُن کے والد صاحب بابا کے بڑے معتقد تھے، وہ ان کو بابا صاحب کے یہاں لیجانا چاہتے تھے مگر یہ نہیں مانتی تھیں۔ آخر کار ساتویں اسقاط کے بعد بابا کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضور نے اُن کو دیکھکر فرمایا

"اماں اب اچھی رہتی ہیں"

خدا کی شان! پھر کبھی اسقاط نہ ہوا اور صاحبِ اولاد ہوگئیں۔

ٹانگ اچھی ڈاکٹر غازی، پہلے بھوپال میں تھے، پھر کامٹی میں ڈاکٹری پر مامور ہوئے تھے، وہاں ایک انگریز لفٹیننٹ کرنل آسٹن فوج میں تھے، اُن کے لڑکے کی ٹانگ خراب ہوچکی تھی۔ کئی بار آپریشن کے بعد بھی ٹانگ بیکار رہی۔ سب ڈاکٹر مایوس ہوگئے۔ جواب دے دیا۔

لڑکے کی ماں اُس کو لیکر حضور بابا صاحب کے دربار میں حاضر ہوئی۔ حضور نے اُس کی ٹانگ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا

"اچھا رہتا ہے"

وہ اچھا ہوگیا، ٹانگ بالکل درست ہوگئی۔ لفٹیننٹ کرنل آسٹن کو جب یہ معلوم ہوا کہ بابا صاحب کی دعا سے اُس کا بچہ اچھا ہوگیا ہے تو بہت متحیر ہوا، اور بڑی عقیدت سے حاضرِ دربار ہوکر قدمبوس ہوا۔

ڈاکٹر غازی آجکل بہار کالونی کراچی میں مقیم ہیں۔ یہ واقعہ انھوں نے مجھے ۵ ر اگست ۵۹ء کو بیان کیا۔

جذام دفع کریم داد خاں بھوپال میں اسسٹنٹ کلکٹر تھے، آجکل بہار کالونی میں مقیم ہیں، بیان کرتے ہیں کہ

ایک مرتبہ ہم باباصاحب کے دربار میں حاضر ہوئے، باباصاحب اُس وقت جنگل میں تشریف رکھتے تھے۔ حضور نے حاضرین کے ساتھ کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد باباصاحب اُٹھے اور ایک گڑھے میں پیشاب کیا، جس میں برسات کا پانی جمع تھا۔ پیشاب کرنے کے بعد حضور نے ایک جذامی سے فرمایا "اس پانی میں نہاؤ اور اچھے ہوجاؤ"۔

وہ بے تکلف گڑھے میں کود پڑا، خوب نہایا جب باہر نکلا تو سب نے دیکھا کہ اُس کا بدن کُندن کی طرح چمک رہا تھا، جذام غائب تھا۔

مُردہ لڑکا زندہ

حضور جنگل سے روانہ ہوکر چار پانچ میل چلے ہوں گے کہ ایک اسٹیشن آیا۔ حضور اسٹیشن ماسٹر کے کوارٹر میں تشریف لے گئے، مجمع اسٹیشن پر کھڑا رہا، وہاں معلوم ہوا کہ گجراتی اسٹیشن ماسٹر کے یہاں حضور کی دعا سے بچہ پیدا ہوا تھا وہ آج صبح مرگیا۔ اسٹیشن ماسٹر اور اس کی بیوی دونوں صبح سے باباکو یاد کررہے تھے اور کہہ رہے تھے ہم ہرگز اس بچہ کو داغ نہیں دیں گے جب تک باباصاحب خود نہ آئیں چاہے کتنے ہی دن گزر جائیں۔ یہ باتیں ہورہی تھیں کہ اتنے میں حضور باباصاحب اس مُردہ بچے کو سینہ سے لگائے باہر تشریف لے آئے۔ آپ فرمارہے تھے :۔

"یہ لوگ کیسے دیوانے ہیں زندہ بچے کو رورہے ہیں"۔

برابر یہ فرماتے جارہے تھے اور اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ادھر سے اُدھر ٹہلتے جارہے تھے، تمام حاضرین اور بچے کے والدین صف بہ صف کھڑے تھے، اس گاؤں کے لوگ بھی جمع ہوگئے تھے، سب کی نظریں حضور کی طرف جمی ہوئی تھیں، اچانک اس بچے نے تلملانا اور رونا شروع کیا۔ حضور نے اس کو سینے سے الگ کیا، اور دونوں ہاتھوں سے اسٹیشن ماسٹر کی گود میں دیتے ہوئے فرمایا "بُخار ہے اچھا ہوجائے گا"۔ خود میں نے دیکھا اور حاضرین نے دیکھا بچے کو بخار تھا۔ حضور اس کے بعد روانہ ہوگئے۔ اور شام سے پہلے ہم لوگ واپس پہنچ گئے۔

سیاستِ عالم

تبادلۂ تخت و تاج

انگریزی ختم

پاکستان کی پیشگوئی

جنگِ ٹرکی

جنگِ بلقان

جنگ میں شرکت

جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء اینٹورپ کی فتح

علی برادران اور گاندھی جی

تبادلۂ تخت وتاج

سید محمد عیسیٰ، تحصیلدار نے خواب میں دیکھا کہ سرکار تاج الاولیاء رضی اللہ عنہ ایک بلند چبوترے پر کھڑے ہوئے ہیں، آپ کے سر پر ایک تاج ہے، آپ اس تاج کو آسمان کی طرف پھینک دیتے ہیں، دوسرا تاج آپ کے سر پر آجاتا ہے، آپ اس کو بھی آسمان کی طرف پھینک دیتے ہیں، تیسرا تاج آپ کے سر پر آجاتا ہے، آپ اس کو بھی آسمان کی طرف پھینک دیتے ہیں۔ غرض یہ سلسلہ دیر تک جاری رہتا ہے، آخر میں سید محمد عیسیٰ، تحصیلدار پہ آپ کی نظر پڑی، یہ سلام عرض کرتے ہیں، حضور مسکرا دیتے ہیں، آنکھ کھل جاتی ہے۔

یہ خواب مجھ سے بیان کیا گیا۔ میں نے حضرت قبلہ وکعبہؒ سے تعبیر دریافت کی تو آپ نے تحریر فرمایا

"تحصیلدار صاحب کے خواب کی تعبیر تبادلۂ تخت وتاج ہے"

اس کے چند ماہ بعد جرمنی کی جنگ شروع ہوئی اور ڈنمارک، ہالینڈ، ناروے، فن لینڈ، بلجیم وغیرہ کی سلطنتوں کے تخت وتاج تبدیل ہوکر اس مشاہدہ کی تصدیق ہوئی ملوکیت جگہ جگہ ختم ہوکر رہی۔

انگریزی ختم

میں نادوتی سے علی گڈھ پہنچا اور مقام طالب نگر نواب بہادر عبدالسمیع خاں کی کوٹھی میں میں نے سرکار سے عرض کیا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ حضور بابا صاحب رضی اللہ عنہ ایک وسیع کمرے میں بڑے جاہ وجلال سے تشریف فرما ہیں، کمرے کے سامنے ایک بڑا برامدہ ہے اس برامدہ میں برآمدہ کی لمبائی کے برابر ایک میز ہے، اس میز پر انگریزی کے بڑے بڑے حروف اے (A) سے لیکر زیڈ (Z) تک ترتیب وار الگ الگ لکھے ہوئے ہیں، چیمبرلین وزیر اعظم برطانیہ حرف زیڈ پر انگلی رکھے کھڑا ہے۔

سرکار نے خواب سنتے ہی برجستہ فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے

"انگریزی ختم"

پاکستان کی پیشن گوئی

میں نے خواب دیکھا کہ میں کسی بڑے شہر کے باہر سڑک پر ہوں، یہ سڑک خطِ مستقیم کی صورت میں شہر کے دائرہ کو نصف نصف تقسیم کرتی ہے، اس دَوری شکل کے گرد بھی ایک دَوری شکل میں سڑک بنی ہوئی ہے، اس سڑک کے دائرہ کو بھی، شہر کی طرح سیدھی سڑک نے دو حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے، میں شہر سے باہر جس سڑک پر ہوں اُس پر چھوٹے چھوٹے پتھر تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے نصب ہیں جیسا کہ عموماً سڑک پر علامتی پتھر نصب ہوتے ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ ان پتھروں پر چونہ، سیندور، سیاہی وغیرہ لگا کر ہندوؤں نے ان کو مورتیوں میں تبدیل کر رکھا ہے، سڑک کے سہارے پر دائیں جانب اِن مورتی نما پتھروں کی لائن سے ذرا ہٹ کر ایک مسجد ہے، جو نئی بنی ہے جہاں مسلمان جمع ہیں، اس مسجد میں آج ذکرِ میلاد شریف ہونے والا ہے، مگر بہت سے اہلِ ہنود ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ یہاں میلاد شریف کا جلسہ نہ ہو، میں نے اعتراض کا سبب پوچھا تو اپنی مورتیوں کی موجودگی کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ زمین مورتی استھان ہے، اس میں مسجد بھی زبردستی بنائی گئی ہے، اس کو ہم آباد نہ ہونے دیں گے۔ میں نے اُن سے کہا، مسجد بن چکی، مسمار نہیں ہو سکتی، غیر آباد نہیں رہ سکتی، فساد کی صورت کیوں پیدا کی جاتی ہے؟ اُنھوں نے کہا ہم اتنی تعداد میں ہیں کہ ایک ایک کنکری بھی اُٹھائیں گے تو مسجد کا پتہ بھی نہ چلے گا، میں نے کہا وہ لاتعداد مسلمان شریکِ جلسہ ہونے کو آرہے ہیں۔ اُنھوں نے دیکھا کہ سڑک کی گولائی کا نصف دائرہ آنے والے مسلمانوں سے بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ اتنے میں کچھ فوجی اور پولیس افسر میرے پاس آئے، اور کہا مسلمانوں کو ختم کر دینے کا یہاں مکمل انتظام موجود ہے، ادھر دیکھو، اُنھوں نے سڑک کی بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں نے دیکھا کہ مسجد کے مقابل ایک

"پٹرول پمپ" جیسی کوئی چیز نصب ہے۔ انھوں نے پھر کہا، یہ پٹرول پمپ نہیں بلکہ زہریلی گیس کی ٹنکی ہے، یہ گیس مسلمانوں پر چھوڑی جائے گی تو سب مر جائیں گے۔ میں نے کہا خدا کے حکم کے بغیر نہ کوئی جی سکتا ہے نہ مر سکتا ہے۔ یہ سب فضول باتیں ہیں وہ ہنسے اور مجھ سے کہا، چلیے! آزما کر دیکھ لیجئے۔ اب میں اس پمپ پر تھا، عبدالشکور بامن داس پٹواری جو سلسلہ میں داخل ہے، میرے ساتھ ہے۔ ایک افسر نے ربڑ کی نلکی جو ٹنکی سے وابستہ تھی، اُٹھائی، پیچ گھمایا اور عبدالشکور پر گیس چھوڑی، اس کا منہ نیلا ہو گیا، وہ زمین پر بے ہوش ہو کر گر گیا، کہا گیا کہ وہ مر گیا۔

میں نے حضور تاج الاولیاء کو یاد کیا، آپ معاً ظاہر ہوئے، میرے دونوں شانوں پر آپ کے دونوں ہاتھ تھے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو پہچان لیا۔ حالانکہ اُس وقت آپ کے چہرہ پر داڑھی بالکل نہ تھی، نہ داڑھی مونڈھنے کی علامت تھی بلکہ آپ کا روئے مبارک ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی سبزہ آغاز نوجوان کا منہ ہو۔ آپ نے فرمایا

"جو تم کرو گے وہ ہوگا، جو تم کہو گے وہ ہوگا"

میں نے فوراً ربڑ کی نلکی اُس افسر کے ہاتھ سے لی اور کہا، مسلمانوں کا ایمان یہ ہے کہ ممیت، اللہ ہے، زہریلی گیس ممیت نہیں ہے، اس لئے وہ زہریلی گیس سے نہیں مر سکتے۔ یہ کہکر میں نے ربڑ کی نلکی سے عبدالشکور پر گیس چھوڑی، تو وہ اپنی اصلی صورت میں زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ پھر میں نے اُس افسر کی طرح مخاطب ہو کر کہا۔

مگر چونکہ تمھارا یقین ہے کہ یہ زہریلی گیس ممیت ہے، اس لئے تم اس سے ضرور مر جاؤ گے، یہ کہکر میں نے وہی زہریلی گیس اس افسر کے چہرہ پر چھوڑی تو وہ تیورا کر زمین پر گرا، منہ نیلا ہو گیا، اور مر گیا۔

اتنے میں مسلمان لشکر در لشکر آ پہنچے، اُن کے آتے ہی ہندوؤں نے اس علاقہ سے بھاگنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں ہر طرف مسلمان ہی مسلمان تھے، مسجد میں صلوٰۃ وسلام ہو رہا تھا کہ آنکھیں کھُل گئیں۔

یہ واقعہ حضرت قبلہ وکعبہؒ کو لکھا تو ارشاد ہوا۔

"تقسیمِ مُلک اس کی تعبیر ہے، پاکستان بنے گا، دشمن کی چال ناکام ہوگی۔"

جنگِ ٹرکی

بابو عبدالمجید کامٹی والے، حال منیجر نیشنل کمرشیل بینک کراچی بیان کرتے ہیں کہ یوسف علی صاحب رینجر ساگر کے بچّے کے سر میں گنج ہوگئی تھی، انھوں نے اپنے ایک ہندو سپاہی کے ساتھ بچے کو بابا کے دربار میں بھیجا۔ سپاہی نے راستہ میں طے کیا کہ میں خود اپنی ترقی کے لئے باباصاحب سے عرض کروں گا۔ جب حاضرِ دربار ہوا تو اپنی ترقی کی خواہش دل میں تھی اور بچّے کو بھولے ہوئے کھڑا تھا، اچانک باباصاحب مجمع سے نکل کر اس کے سامنے آئے اور فرمایا "آیا تھا کس کام کے لئے اور سوچ رہا تھا کچھ، جا تیری ترقی بھی ہو جائے گی۔ اور اس بچّے کے سر پہ تھوک دیا۔

بچہ اُسی دن اچھا ہوگیا اور اس سپاہی کی بھی چند روز بعد ترقی ہوگئی۔

اس واقعہ سے متاثر ہو کر یوسف علی صاحب رینجر بھی حاضرِ دربار ہوئے۔ اُن پر محکمانہ مقدمہ چل رہا تھا مگر حاضرِ دربار ہوتے ہی اُن کو خیال ہوا کہ باباصاحب اتنے بڑے ولی اللہ ہیں اور ہزاروں مسلمانوں کا خون ٹرکی میں ہو رہا ہے، خدا سے دعا کریں کہ ترکوں کو فتح حاصل ہو۔ یوسف علی بہت عابد و زاہد اور نیک آدمی تھے، باباصاحب کے سامنے اِن ہی خیالات میں حاضر ہوئے۔ حضور نے اُن کی طرف دیکھا، یہ بے ہوش ہوگئے ادھر باباصاحب بھی مراقبہ میں بے خود ہوگئے۔ یوسف علی صاحب ہوش میں آئے تو مجمع دُور جا چکا تھا۔ یہ گھر چلے آئے۔

چند روز بعد ایک شخص اُن کے مکان پر حاضر ہوئے اور اُن کو اندر سے بلا کر ایک گلاب کا پھول دیا اور کہا، بابا صاحب نے یہ پھول بطور مبارکباد بھیجا ہے، لڑکی کو فتح ہوگئی۔ اب آپ کا وقت ختم ہوچکا ہے، صرف اس خوشخبری سُننے تک آپ کے زندہ رہنے کی دُعا خدا نے قبول کی تھی۔ اب سفرِ آخرت کے لئے تیار ہوجائیے۔ یہ کہکر وہ شخص غائب ہوگئے۔

یوسف علی صاحب کو اُسی دن دورہ پر جانا تھا، روانہ ہوگئے، وہاں اُن کو دست آنا شروع ہوئے، جب گھر واپس آئے اُسی دن انتقال فرمایا۔

جنگِ بلقان

فرید صاحب نضلانے بیان کیا کہ تقریباً ۱۹۰۹ء کے ابتدائی زمانہ میں واکی شریف میں بابا صاحب مقیم تھے پروفیسر محمد عبدالقوی صاحب لکھنوی کے ساتھ میں حاضر ہوا۔ بابا صاحب واکی سے سات آٹھ میل دور کسی جنگل میں تھے، ہم وہاں پہنچے۔ حضور ایک کھیت میں تشریف فرما تھے، چاروں طرف ببول کے درخت تھے، حاضرین درخت کے سایوں میں بیٹھے تھے، بابا صاحب کھیت میں پتھر چُن چُن کر ڈھیر بنا رہے تھے۔ ہم دونوں بھی سلام کرنے کے بعد یہی کام کرنے لگے یہاں تک کہ دو ڈھائی فٹ اونچا ڈھیر تیار ہوگیا تو پھر فرمایا کہ "اب دوسرا ڈھیر بناؤ جلدی بناؤ"۔ دوسرا ڈھیر تیار ہوگیا۔ اُس کے بعد حضور نے ایک لکڑی ہاتھ میں لیکر فوجی احکام جاری فرمانا شروع کر دیئے، لکڑی سے اشارہ کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ "فلاں ڈویژن ادھر مارچ کرو، فلاں ڈویژن اُدھر مارچ کرو، فلاں ڈویژن اُدھر جاؤ"۔

"اٹیک - فائر - شوٹ"

اس قسم کے احکام ایک خاص کیفیت میں جاری فرما رہے تھے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا

"وہ بھاگے یونانی، یونانی بھاگے۔ پکڑو پکڑو"

اُس کے بعد حضور نے فرمایا "یونانیوں کی ہم نے کمر توڑ دی، اب کبھی مقابلے میں کھڑے نہ ہوں گے"۔ اس کے بعد وہ لکڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی، آپ نے پتھر کی بڑی ڈھیری پر یہ کہکر نصب کر دی کہ "یہ ترکی کا جھنڈا ہے ترکوں کی فتح ہوگی"۔

حضور کے چہرے پر اُس وقت بشاشت تھی، مژدۂ فتح سُنا رہے تھے۔

دو تین روز بعد اخباروں میں خبر آگئی کہ یونانیوں کو شکست فاش ہوئی، ترکوں کے ہاتھ زبردست مالِ غنیمت آیا۔ جنگِ بلقان کی فتح ترکوں کو نصیب ہوئی۔

جنگ میں شرکت

محمد عثمان خاں، ڈی سی ناگپور کے سر رشتہ دار تھے، ایک مرتبہ ڈی سی نے اُن کو طلب کیا اور ایک فائل دکھا کر پوچھا کہ یہ گھوڑے سوار کا فوٹو دیکھکر بتاؤ جو میدانِ جنگ میں فوجوں کی کمان کر رہا ہے، کس کا ہے؟

یہ فوٹو لندن سے دہلی، وائسرائے کے پاس اور وہاں سے چیف کمشنر کے پاس اور وہاں سے ڈی سی کے پاس بغرض شناخت آیا۔ سب سے پہلے ڈی سی نے سر رشتہ دار کو فائل دکھا کر پوچھا کہ اس شخص کو تم پہچانتے ہو؟ انھوں نے فضا صاحب کو دکھلایا تو وہ فوٹو دیکھکر حیران رہ گئے اور کہا یہ تو میرے پیر و مرشد کا فوٹو ہے، تمام ہندو مسلمان ان کو پہچانتے ہیں، دفتر میں جس سے جی چاہے پوچھ لیجئے۔

ڈی سی نے عملہ کو بلا کر تصدیق کی تو سب نے پہچان لیا کہ یہ بابا صاحب ہیں۔ یہ تصدیق وائسرائے کے یہاں بھیجی گئی اُس نے لندن اطلاع دی۔ اُس کے بعد یورپین ممالک سے بڑے بڑے لوگ حاضر ہونے لگے اور آپ کی شہرت یورپ میں ہوگئی۔

جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء، اینٹورب کی فتح

حضرت قبلہ و کعبہ رح فرماتے تھے ۱۹۱۸ء کی جنگ میں حضور حالاتِ جنگ اس طرح بیان فرماتے تھے جیسے خود بہ نفسِ نفیس جنگ میں شریک ہوں۔ لوگ

ان واقعات کو نوٹ کرتے تھے چند روز بعد یہ تصدیق ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ حضور نے عالمِ جلال میں آکر ایک پتھر اٹھا کر ایک کوٹھو پوش مکان کو یہ کہتے ہوئے مارا

"بڑا اینٹورپ آیا، فتح نہیں ہوتا"

لوگوں نے ٹائم نوٹ کیا، اینٹورپ پہ ٹھیک اُسی دن، اُسی وقت ایک بم گرتا ہے اور فتح ہو جاتا ہے (اس زمانہ کے اخبارات میں تاریخ و وقت دیکھے صدہا واقعات ان میں درج ملیں گے)

علی برادران اور گاندھی جی

ایک زمانہ میں روزانہ گاندھی جی حاضر دربار ہوتے اور حضور ہمیشہ ان کو ڈانٹتے مگر وہ پرواہ نہ کرتے حاضری روزانہ جاری رہی۔

اسی زمانہ میں محمد علی، شوکت علی ناگپور آئے اُنھوں نے حاضر ہونے کے بجائے راجہ صاحب کو لکھا کہ باباصاحب سے ملنے کا وقت مقرر کریں۔ راجہ صاحب پریشان تھے باباصاحب بھلا کس کو وقت دینے والے تھے۔ اتفاقاً خود حضور نے فرمایا "جمعہ کے دن چار بجے ہمارے ساتھ چائے پیئیں۔ چنانچہ راجہ صاحب نے اُن کو مطلع کر دیا۔ جمعہ کو چائے کا وسیع پیمانے پہ انتظام ہوا، حضور ٹھیک وقت پر برآمد ہوئے، چائے طلب کی اور حکم دیا، حاضرین کو چائے پلائی۔ چنانچہ حاضرین کو چائے پلا دی گئی۔ مولینا شوکت علی، محمد علی وقتِ مقررہ پہ نہ آسکے تھے۔ پانچ بجے حضور نے سواری طلب کی، زائرین نے حضور کے گلے میں ہار ڈالے، گاڑی شہر کی طرف جارہی تھی کہ سامنے سے علی برادران کی موٹر آئی اور حضور کی گاڑی والے ہیرا کوچوان نے گاڑی روک لی، علی برادران کار سے اُترے اور بابا صاحب سے سلام کیا۔

حضور نے فرمایا "بابا سلام علیکم"

علی برادران نے کہا "بابا دُعا کرو کہ اسلام کی فتح ہو۔

حضور نے فرمایا "بابا دُعا کرو اسلام کی فتح ہو"۔

اُس کے بعد حضور نے ہیرا کو چوان سے فرمایا "کیوں رے! ان کو ہار دیدوں" اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ ہاں! بابا دے دو۔ حضور نے فرمایا "میں کیا دوں گا تو ہی دے دے"۔ یہ سُن کر ہیرا نے کچھ ہار اُٹھا کر علی برادران کو دیدیئے حضور نے فرمایا۔

"جاؤ، پھاٹک دیکھو"

علی برادران اس کا مطلب کچھ نہ سمجھے، حضور کی سواری شہر کی طرف روانہ ہوگئی، اُدھر سے نکلی جہاں اُس رات کانگریس کا جلسہ ہونے والا تھا، خلافت اور کانگریس کی چل رہی تھی، علی برادران خلافت کے سلسلہ میں جلسہ کرنے والے تھے، گاندھی جی، بابا صاحب کی آمد آمد کا شہرہ سُن کر لبِ راہ آئے اور سلام کیا، حضور نے فرمایا

"جاؤ، آٹھ سَو کوّے اُڑا دیئے"

وہ کچھ بھی نہ سمجھے، رات کو جلسہ ہوا تو آٹھ سو ممبران کٹ کر گاندھی جی کی طرف آگئے تو اُن کی سمجھ میں آگیا۔

علی برادران کو بابا صاحب نے اپنے ہندو کوچوان کے ہاتھ سے جو ہار لائے تھے اس کا مطلب ہی یہ تھا کہ وہ ہندو سے ہار گئے، پھر جب وہ بمبئی پہنچے اور گرفتار ہو کر داخلِ جیل ہوئے تو اُن کی سمجھ میں آیا "جاؤ پھاٹک دیکھو" کا کیا مطلب ہے؟ یہاں پہنچ کر علی برادران کو احساس ہوا کہ بابا صاحب ولیٔ کامل ہیں اور ہم نے غلطی کی جو حاضرِ دربار ہونے میں کوتاہی کی، وقت طلب کیا، پھر وقت پہ نہ پہنچے، اور پہنچے تو اخلاص نہ تھا، محض لوگوں کے کہنے سننے سے حاضر ہو گئے، نادم ہو کر حضرت قبلہ و کعبہؒ کو خط لکھا، معافی چاہی، پھر علی برادران کی والدہ حاضر ہوئیں تو حضور نے فرمایا۔

"محمد علی، شوکت علی گھاس کو کہتے ہیں"

ایک بار محمد علی صاحب سے آپ نے فرمایا

"تمھاری مُراد لندن میں ہے"

چنانچہ وہ لندن گئے اور وہاں انتقال ہوگیا۔

ایک بار گاندھی جی سے فرمایا

"جھاڑو لیکر پہاڑ پر چڑھ جاؤ"

جھاڑو سے مُراد اتحاد باہمی اور پہاڑ پر چڑھ جانے سے مطلب حکومت انگلشیہ پر غالب آنا تھا۔

ماں کی خدمت کا سبق

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

فرید صاحب نے ایم۔ ایل۔ ٹی پاس کرنے کے بعد فروری ۱۹۲۵ء کو حیدرآباد دکن میں پروفیسری کے لئے درخواست دی تھی، ملاقات کے لئے طلب کیا گیا تو وہ بابا کی خدمت میں اجازت کے لئے حاضر ہوئے۔ فرمایا "نہیں جاتے"۔

انھوں نے عرض کیا۔ انجمن ہائی اسکول میں تنخواہ بہت کم ہے، صرف ۲۵۰ روپیہ ملتے ہیں، وہاں کئی گنا زیادہ تنخواہ ملے گی۔

فرمایا "بوڑھی اماں کی دیکھ بھال پھر کون کرے گا؟"

میں نے عرض کیا "حضور تنخواہ زیادہ ملے گی تو نوکر رکھ لوں گا"۔

فرمایا "بڑا ضدی ہے، نہیں مانتا۔ اچھا مجھے مٹی دیکر چلے جانا تجھ سے بڑا کام لینا ہے"۔

والیانِ ریاست

اور

باباصاحب

مہاراجہ سرکرشن پرشاد

نظام دکن کا دماغ خراب

بیگم صاحبہ بھوپال

بیگم صاحبہ جاورہ

باباصاحب اور جے پور مہاراج

مہاراجہ سر کرشن پرشاد

فقر میں خودی کی حفاظت ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ حضور کے فقر کی یہ امتیازی خصوصیت تھی کہ بڑے بڑے مالدار، صاحبِ حکومت و ثروت، رئیس، نواب، راجہ اور حکام آپ کے دربار میں ادنیٰ ترین خادم کی حیثیت سے حاضر ہوتے تھے، بڑے سے بڑا آدمی آپ کے سامنے احساسِ کمتری پر مجبور ہو جاتا تھا۔ بڑے بڑے تحفے، تحائف، شکرانے، نذرانے پیش ہوتے، آپ آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھتے۔ راجہ[1] صاحب ان کو جمع کرتے، خرچ کرتے، کبھی کبھی آپ حاضرین میں سے کسی کو کچھ مرحمت فرما دیتے۔ مہاراجہ سر کرشن پرشاد حاضرِ دربار ہوئے، اُن کے صاحبزادے سخت بیمار تھے، علاج و معالجہ کی کمی نہ تھی، مگر مرض بڑھتا ہی گیا۔ مجبوراً حاضرِ دربار ہوئے اور طالبِ دعا ہوئے حضور نے فرمایا

"بیمار ہو تو دعا کروں، وہ تو اچھا ہے"

انھوں نے تار سے خیریت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وہ بالکل صحت یاب ہو گیا ہے۔

نظام دکن کا دماغ خراب

مہاراجہ سر کرشن پرشاد اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے، باباصاحب کے بہت معتقد ہو گئے، دوسری مرتبہ پھر حاضر ہوئے تو ایک فرمان بھی لائے جس میں نظام دکن نے حضور کی خدمت میں کچھ جاگیر نذر کی تھی، حضور نے فرمان چاک کر دیا اور فرمایا۔

"نظام دکن کا دماغ خراب ہو گیا ہے جو زمین کے مالک کو زمین نذر کرتا ہے اُس سے کہو ہم نے تم کو زمین دے رکھی ہے"

بیگم صاحبہ بھوپال

حضرت قبلہ و کعبہ نے ایک روز فرمایا کہ بیگم صاحبہ

---

[1] راجہ رگھو سنگھ جی آف ناگپور۔

بھوپال حاضرِ دربار ہوئیں، بڑے اہتمام سے اعلیٰ درجہ کا کھانا تیار کرایا اور تھالوں میں خواصوں کے سر پر کھانا رکھکر حضور کے پاس لائیں، اتفاقاً زبان سے یہ جملے بھی ادا ہو گئے کہ ایسا کھانا باباصاحب کو کون کھلاتا ہوگا!

جب کھانا لیکر حاضر ہوئیں تو حضور نے وہی جملے دہراتے ہوئے فرمایا "یہ کھانا ہمارے کام کا نہیں، ہمیں ایسا کھانا کون کھلا سکتا ہے؟ بیگم صاحبہ بہت نادم ہوئیں

بیگم صاحبہ جاورہ

بیگم صاحبہ آف جاورہ اور ان کی صاحبزادی مٹھائی، خوشبو اور عمدہ لباس لیکر حاضر ہوئیں۔ حضور باباصاحب نے فرمایا کہ "سوکھا ناریل، نیا گڑ اور تازہ چنوں میں بڑا مزہ آتا ہے"۔ بیگم صاحبہ نے حضرت قادر الاولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ سوکھے ناریل سے مطلب اللہ ہے، نئے گڑ سے مطلب رسول کریمؐ اور تازہ چنوں سے مُراد خود حضرت باباصاحب ہیں۔ بیگم صاحبہ نے آنسو بہاتے ہوئے بتایا کہ میں اسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے حاضر ہوئی تھی اب میں توحید کے اس راز کو سمجھ چکی ہوں۔

باباصاحب اور جے پور مہاراج

سید محمد عیسیٰ تحصیلدار نادوتی ریاست جے پور بہار کے رہنے والے تھے، اُن کے چچا ڈاکٹر عبدالحلیم جے پور کے مہاراجہ سوائی مادھو سنگھ کے طبیب خاص تھے اور محلات کے ڈاکٹر تھے، نہایت عابد، زاہد، خداترس، اور پرہیزگار انسان تھے۔ مہاراجہ پر ایک خاص قسم کا دورہ پڑتا تھا۔ اُس کا علاج مشہور و معروف، بہتر سے بہتر ڈاکٹروں اور حکیموں نے کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ مہاراجہ کے کوئی راج کنور نہیں تھا، اس بیماری کے دوران مہاراجہ نے اپنا جانشین مان سنگھ الیردہ والوں کو منتخب کر لیا تھا، دوسری چھوٹی ریاست جھلائے والے

یہ اپنا حق سمجھتے تھے کہ جانشین اُن کی اولاد ہو۔ کسی نے مہاراجہ کو سمجھایا کہ آپ پر جھلائے والوں نے جادو کر دیا ہے، کچھ پتلے ہیں اُن کو ہلایا جاتا ہے، جب آپ پر یہ دورہ پڑتا ہے۔

مہاراجہ نے ڈاکٹر عبدالحلیم صاحب کو بُلا کر مشورہ کیا کہ کوئی کامل فقیر ہی اس جادو کو دور کر سکتا ہے۔ تمھاری نظر میں کوئی آدمی ہو تو بلواؤ۔ انھوں نے کہا تلاش کے لئے آدمی بھیجتا ہوں۔ مہاراجہ نے کہا آدمی خاص بھروسہ کا ہونا چاہئیے۔ انھوں نے سیّد محمد عیسیٰ اپنے بھتیجے کا نام لیا جو اس وقت تحصیل لوانی میں نائب تحصیلدار تھے۔ مہاراجہ نے اس تجویز کو پسند کیا۔ سید محمد عیسیٰ کو بلوا کر اخفائے راز کی ہدایت کے ساتھ فقیر کامل کی تلاش میں روانہ کر دیا گیا۔ سید سے اجمیر شریف پہنچے۔ رات کو درگاہِ معلیٰ میں حاضر رہے۔ صبح اسٹیشن پہنچے۔ ٹکٹ کی کھڑکی پر سوچ میں کھڑے تھے کہ کہاں جاؤں۔ ٹکٹ کلکٹر نے کہا آپ کو ناگپور کا ٹکٹ چاہئیے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ ناگپور کا ٹکٹ مل گیا۔ روانہ ہوئے، ناگپور پہنچے، یہاں بابا صاحب کا ذکر بچہ بچہ کی زبان پر تھا، شکردرہ حاضر ہوئے۔ مخلوق کا ہجوم تھا۔ لوگوں سے حالات پوچھے۔ کسی نے کہا میں دس دن سے مشتاق زیارت ہوں، موقع نہیں ملا۔ کسی نے کہا ایک ہفتہ سے پڑا ہوں زیارت نہیں ہوئی۔ یہ حال دیکھکر سخت مایوسی ہوئی، کہ میں اتنا انتظار کب کر سکتا ہوں؟ مہاراجہ کا کام ہے جلد از جلد انجام دینا لازم ہے۔ یہ بھی خیال ہے کہ افسوس یہاں پہنچ کر بھی بابا صاحب کی زیارت نصیب نہ ہوئی۔ یہ ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھے کہ اچانک شکردرہ کے صدر دروازہ سے چپراسی نے آواز دی۔

"سید محمد عیسیٰ تحصیلدار جے پور حاضر ہیں کیا؟

تیسری آواز پر یہ دوڑے اور چپراسی کے ساتھ ساتھ حسن کے بنگلہ کے پاس پہنچے۔ چپراسی نے بنگلہ کی چک اٹھا کر ان کو اندر جانے کو کہا۔ یہ اندر داخل ہوئے تو

دیکھا کہ بنگلہ میں نہایت مکلّف فرش ہے، فرش پر چاندنی اور چاندنی پر بڑا قالین، گاؤ تکیہ ہے، مگر بابا صاحب ان سب چیزوں کو ایک طرف سے الٹے ہوئے زمین پر دونوں ٹانگوں کو دونوں ہاتھوں سے دبائے سر جھکائے بیٹھے ہیں، آنکھیں بند ہیں، سامنے رگھوراؤ راجہ دست بستہ مودب کھڑے تھے، ایک انگریز لوٹپ زمین پر ڈالے دست بستہ کھڑا تھا، ایک سیٹھ بمبئی والے مودب کھڑے تھے، سب دم بخود چپ چاپ تھے۔ بنگلہ میں کیڑے کے چلنے کی آواز بھی نہ تھی۔ وہ کہتے تھے کہ مجھ پر کمرے میں قدم رکھتے ہی رعشہ طاری ہوگیا، جسم کانپنے لگا، سر خود جھک گیا، زمین بوس ہوا، کبھی راجہ مہاراجہ کے دربار میں میرا یہ حال نہ ہوا تھا جو وہاں ہوا، میں نے زمین سے سر اٹھایا۔ بابا صاحب نے اسی استغراقی حالت میں فرمایا۔

"تمہارا راجہ ظل اللہ ہے اس پر سحر نہیں ہوسکتا"

"مرض الموت میں مبتلا ہے"۔

سید محمد عیسیٰ نے اپنے دل میں کہا کہ پھر کسی فقیر یا جادوگر کی تلاش بیکار ہے مجھے واپس جے پور چلا جانا چاہیئے۔ تو بابا صاحب نے فرمایا۔

نہیں تمہارے پاس روپیہ بہت ہے، خوب گھومو پھرو، بچوں کے لئے سامان خریدو، یہ فرمانے کے بعد حضور نے آنکھیں کھولیں تو بمبئی والے سیٹھ نے ایک چاندی کے طشت میں مٹھائی، پھول، بسکٹ وغیرہ پیش کئے۔ حضور بابا صاحب نے وہ طشت مع سامان انگلی سے میری طرف بڑھا کر فرمایا، یہ میری طرف سے اپنے چچا ڈاکٹر عبدالحلیم کو بھیجدو اور انھیں لکھ دو کہ موت بہت اچھی چیز ہے۔ موت سے نہ گھبرائیں، وصیت نامہ تیار کرادیں۔

جی میں کہا کہ مجھے جے پور جلدی جانا چاہیئے تاکہ چچا صاحب سے ملاقات ہوسکے بابا صاحب نے فرمایا۔ نہیں ابھی دیر ہے" تم گھومو پھرو"۔

میں نے قدمبوسی کی اور بنگلہ سے باہر آیا۔ چاندی کا تھال چپراسی کو انعام میں دیا اور پھول، مٹھائی ایک ٹین کے ڈبہ میں بھر کر ڈاک کے ذریعہ چچا کے پاس جے پور بھیج دیئے۔ خط میں سب حال لکھا۔ خود چچا صاحب کے متعلق جو کچھ بابا صاحب نے فرمایا تھا احتیاطاً نہ لکھا کہ انھیں فکر ہوگی۔ اسی رات کو حضور بابا صاحب نے چچا صاحب کو اپنی زیارت سے مشرف فرمایا اور کہا کہ تمھارے بھتیجے نے ہمارا حکم تم تک نہیں پہنچایا۔ اس لئے ہم خود کہنے آئے ہیں۔

موت بہت اچھی چیز ہے، موت سے نہ گھبرائیں۔ وصیت نامہ تیار کرادیں۔" چچا صاحب نے تاریخ اور الفاظ اپنی نوٹ بک میں درج کرلئے۔ میرا خط پہنچنے پر تاریخ مطابق کی گئی تو بالکل درست نکلی۔

تحصیل دار صاحب کلکتہ پہنچے انھیں خیال تھا کہ کوئی جادوگر وہاں سے اپنے ساتھ لے جائیں، تاکہ راجہ صاحب کو تسلّی ہوجائے۔ کالی کے مندر میں گئے، ایک اگھوری سے ملے، اس نے بڑے جادوگر سے ملایا۔ جادوگر نے کہا تمھارا راجہ بے وقوف ہے جو ایک مسلمان کو جادوگر کے پاس بھیجا ہے، کیا کوئی ہندو اس کے یہاں نہیں تھا۔ خیر تمھارا کام ہم سے نہ ہوگا۔ دھرم تلہ مسجد کے سامنے ایک سفید پوش بزرگ بیٹھے ہیں ان کے پاس جاؤ وہ تمھارا کام کرسکتے ہیں۔

یہ دھرم تلہ مسجد کلکتہ کے سامنے گئے تو دیکھا واقعی ایک سفید پوش بزرگ نیچی نظر کئے بیٹھے ہیں۔ سامنے کچھ شیشیاں رکھی ہیں، کوئی نیلی ہے، کوئی پیلی ہے مگر سب خالی ہیں، وہ کہتے ہیں میں سامنے جاکر مودب کھڑا ہوگیا۔ انھوں نے نیچی نظر کئے ہوئے کہنا شروع کیا؟

"میاں تم سے زیادہ بے وقوف کون ہوگا۔ آفتاب زمانہ بابا صاحب کے

دربار میں حاضر ہونے کے بعد بھی جادوگروں کی تلاش میں"۔ ادھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہو۔ جاؤ اپنے گھر جاؤ۔ روپیہ سامان خریدنے میں خرچ کر ڈالو، کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ انھوں نے سامان خریدا اور جے پور روانہ ہوگئے جے پور اسٹیشن پر قدم رکھا تھا کہ توپیں سر ہونے لگیں۔ معلوم ہوا کہ مہاراج صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ماتمی توپیں داغی جارہی ہیں۔

دُعائے مغفرت

یوسف حسین خاں ناظم ریاست جے پور ایک مرتبہ پھر حاضر دربار ہوئے۔ مقصد حاضری یہ تھا کہ اپنے والد صاحب کے لئے دُعا کرائیں جو سخت بیمار تھے۔ حضور نے انھیں دیکھتے ہی اُن کے شالوں پر جو شال تھی وہ اُتارلی اور اس کے دو پلّے خود حضور نے تھامے اور دو پلّے ان کو دیئے، انھوں نے تھام لئے پھر شال زمین پر بچھادی گئی اور فرمایا:۔

"فاتحہ پڑھو حضرت فاتحہ"

حضور نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اُٹھائے، یوسف حسن خاں صاحب نے بھی ہاتھ اُٹھائے۔ حاضرین نے فاتحہ پڑھی، ناظم صاحب دربار سے رخصت ہوکر حکیم ظفر صاحب جے پوری کے پاس پہنچے تو وہاں تار آچکا تھا جس میں ان کے والد صاحب کے انتقال کی خبر تھی۔ جے پور پہنچکر معلوم ہوا کہ ٹھیک اس وقت جب کہ یہ دربار تاج الاولیاء میں طالب دُعا ہوئے تھے جے پور میں ان کے والد صاحب کی نمازِ جنازہ ہورہی تھی۔

حضور نے ان کی شال کو جنازہ کی طرح زمین پر رکھا اور بجائے نماز جنازہ دعائے مغفرت فرمائی۔ ناظم صاحب یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے اپنے والد صاحب کی خوش قسمتی پر فخر کرتے ہیں کہ حضور نے اُن کے لئے دستِ دعا دراز فرمائی۔ ان کے خوش نصیب ہونے میں کیا کلام ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے دور کی معراج دیکھو
وہ آئے سر پہ رکھکر تاج دیکھو
ظہور اوّلیں و آخریں ہے
وہ جس کا نام باباتاج دیں ہے
تمام اسلاف کی شانِ کمالی
برنگِ بے نیازی لااُبالی
بنوت کے ولایت کے کمالات
ہوئیں زندہ وہ پارینہ روایات
سلوک وجذب کی تزئین بابا
ابوالارواح تاج الدین بابا

دو عالم میں تصرّف کے دھنی ہیں
یہی تفسیر اللہُ غنی ہیں
جو اوّل تھا وہ آخر ہو گیا ہے
جو باطن تھا وہ ظاہر ہو گیا ہے
یہاں قوسِ ولایت کا ہے اِتمام
ہوا ختمِ ولایت کا سرانجام
سوا لاکھ اولیاء اللہ بنائے
وہ ہفت اقلیم کے سُلطان آئے
نئی شانیں ادائیں ہیں نرالی
وہ سرتاپا مثالِ بے مثالی
نہ دیکھا تھا جو دُنیا نے دکھایا
نہ آیا تھا کبھی جو دور آیا
مِرے بابا نے تقدیریں بدل دیں
کہ تقدیروں کی تحریریں بدل دیں

بہت خوابوں کی تعبیریں بدل دیں
بہت اسمار کی تاثیریں بدل دیں
خدا کُن ان لبوں سے کہہ رہا ہے
یہاں دریائے وحدت بہہ رہا ہے
جو کہتے ہیں وہ ہوتا جا رہا ہے
بشر کے رُوپ میں حاکم خدا ہے
عقیمہ ہے کہ بچّہ جن رہی ہے
جو بِگڑی تھی وہ قسمت بن رہی ہے
مریضوں کو شفائیں مِل رہی ہیں
قبائے پارہ پارہ سِل رہی ہیں
یہی ہیں شانِ رحمت آشکارا
یہی ہیں ناامیدوں کا سہارا
خُدا کے ناز کے پالے یہی ہیں
خُدائی بھر کے رکھوالے یہی ہیں

غریبوں کی مدد فرمانے والے
دلوں کو عشق سے گرمانے والے
پناہِ جملہ مخلوقات ہیں یہ
یقیناً قبلۂ حاجات ہیں یہ
زمانہ گردِ اِن کے گھومتا ہے
فلک ان کے قدم کو چومتا ہے
مدارِ مرکزِ عالم یہی ہیں
مرادِ عالم و آدم یہی ہیں
قدم جولاں ہیں ہر دم لامکاں میں
عیاں ہے جسم اِن کا جانِ جاں میں

ذہین شاہ تاجی

احکامِ شاہی

بارش میں کار محفوظ

سیر اماں

سید ضیاء الحق

بشیشور پرشاد پنڈت

پاس ہو گیا

کیفیاتِ باطنی کی اطلاع

ولے افتاد مشکلہا

ہم نے جیل کس لئے بنایا ہے؟

یوسف حسین خاں

تحصیلدار "ناظم"

جوتے کی تاثیر

آدھا دیوان

ترقی ہی ترقی

اعجازِ مسیحائی

ہر کمالِ را زوالے

علی حسین صاحب تحصیلدار

غیر حاضری میں حاضری

بابا صاحب بیرسٹر کے روپے ہیں

عشق آساں نمود

بدیسی مال

جامن کے پتے

قلم کی برکت

ایک دن میں ملازم

رشتہ کی منظوری اور صحت مندی

جیل سے رہائی

پریشانی دور

بیس روپے کی ملازمت

بارش میں کار محفوظ

جمبی صاحب نامی اس وقت ہوٹل میٹروپول کراچی میں کام کرتے ہیں، خاندانی اعتبار سے ایک پارسی ہیں، لیکن اُن کی عقیدت بابا صاحب سے اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ اب وہ کہتے ہیں کہ اُن کا مذہب وہی ہے جو بابا صاحب کا ہے، درود شریف اور دیگر وظائف کا برابر ورد رکھتے ہیں اور بڑے نیک اور اچھے لوگ ہیں۔ ایک مرتبہ کا واقعہ بیان فرمانے لگے کہ وہ ناگپور میں تھے اور ایک نئی موٹر کار لی تھی، یہ سات کا موسم تھا، شام کو تفریحاً سینما تشریف لے گئے، کھیل شروع تھا کہ بڑے زور کی بارش شروع ہوئی، ان کی گاڑی کا ہڈ کھلا تھا اور یہ اسی طرح چھوڑ کر سینما ہال چلے گئے تھے بارش اتنی شدومد کی شروع ہوئی کہ سینما ہال سے باہر آنا دشوار تھا، ساتھ ہی ساتھ گاڑی کے خراب ہونے کا بھی خیال تھا، اُس وقت اُنھوں نے سرکار بابا صاحب کا خیال کیا اور کہنے لگے کہ سرکار بابا صاحب اتنے بڑے بزرگ ہیں، آپ کو میں بزرگ اسی وقت خیال کروں گا جب اتنے زور کی بارش میں میری گاڑی پانی سے محفوظ رہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی شان! اور یہ باہر آئے تو انھوں نے دیکھا کہ کسی نے اُن کی گاڑی کا ہڈ گرادیا ہے اور گاڑی کے اندر ایک قطرہ بھی پانی کا نہیں گیا، آس پاس اور گاڑیاں تھیں، اُن کا ہڈ اسی طرح کھلا رہ گیا، اُنھوں نے دریافت کیا مگر معلوم نہ ہوسکا کہ کس نے ہڈ گرایا ہے۔ یہ سب بزرگوں کی کرامت ہے، جن کو اللہ چاہے اپنے فضل سے نوازے، اُسی وقت سے یہ حضرت سرکار بابا کا دم بھرتے ہیں۔

سیرا اماں

یہ ایک ہندو خاتون تھیں جنھوں نے ایک انگریز سے شادی کرلی تھی، ان کا شوہر ملٹری میں میجر ڈاکٹر تھا سیرا اماں سرکار بابا کے پاس پاگل خانہ میں حاضر ہوئیں۔ بابا صاحب نے پیشاب کیا اور ایک کنکری اُٹھا کر دی، جس پر پیشاب کیا تھا۔ یہ گھر آئیں تو اپنے شوہر کو وہ کنکری

دکھائی۔ اُس نے کہا یہ واپس کر آؤ۔ چنانچہ سیر اماں بابا صاحب کے پاس حاضر ہوئیں تو یہ کنکری واپس کی۔ حضور نے فرمایا "اماں اپنے پاس رکھتے ہیں"

اب دیکھا تو وہ کنکری ہیرے کی تھی۔

جب اُن کا شوہر مر گیا تو انھوں نے سب کچھ چھوڑ کر فقیری لے لی اور سرکار بابا کی خدمت میں رہنے لگیں، ایک روز دریائے فیض جوش پہ تھا، بابا صاحب نے دریافت کیا اماں! کیا چاہتی ہو؟ سیر اماں نے عرض کیا کہ بابا میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہمیشہ رہے۔ بابا صاحب نے فرمایا "ایسا ہی ہوگا" اور اپنی ریشِ مبارک پر دست مبارک پھیر کر چند بال نکالے اور سیر اماں سے فرمایا۔ "اماں لو، اس کو رکھو، یہ اللہ کا نور ہے"

حضور بابا صاحب کا وصال ہو گیا تو جیمی صاحب نے دیکھا کہ بابا صاحب فرما رہے ہیں:-

"سیر اماں کے پاس جاؤ"

جیمی صاحب سیر اماں کے پاس پہنچے اور اکثر آتے جاتے رہے۔ سیر اماں کا وقت قریب آیا تو انھوں نے وہ ریشِ مبارک کا تبرک جیمی صاحب کو عطا فرمایا جو اُن کے پاس اب تک موجود ہیں۔

جیمی صاحب کا بیان ہے کہ آزمائش کے طور پر، یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ واقعی بابا صاحب کے بال ہیں یا نہیں، اُن کو آگ دکھائی لیکن وہ نہ جلے، اُسی روز شب میں میں نے دیکھا کہ بابا صاحب تشریف لائے اور فرمایا

"او حضرت میرے اوپر اعتبار نہیں ہے، میری آزمائش کرتا ہے"

سید ضیاء الحق

سید ضیاء الحق صاحب تاجی کا بیان ہے کہ میرے ایک دوست، پولیس انسپکٹر معطل ہو گئے، انھوں نے

اپیل کی اور اپنے کسی عزیز کو ناگپور لکھا کہ باباصاحب سے دعا کرائیں۔ وہ حاضر ہوئے حضور نے ایک ردّی کاغذ اُن کو دے دیا، زبان سے کچھ نہ فرمایا۔ انھوں نے کاغذ پڑھا تو پہلی سطر میں لکھا تھا

GO TO POST ATONCE YOU ARE —

URGENTLY NEED EDTHER.

انھوں نے اس لائن پر سُرخ نشان دیکر خط کے ساتھ یہ کاغذ بھی بھیج دیا۔ یہ خط اور تار دونوں ایک ہی وقت میں انسپکٹر صاحب کو ملے، انھوں نے تار پڑھا تو عبارت مندرجہ بالاجنسہٖ، بعینہٖ درج تھی، صرف نام زائد تھے۔ اُس کے بعد خط سے وہ کاغذ نکالا تو اُس میں بھی وہی عبارت بلاکم وکاست موجود پائی۔ وہ تار اور ردّی کاغذ انسپکٹر صاحب نے تعویذ کی طرح بازو پر باندھ رکھے تھے جو انھوں نے مجھے دکھائے۔

بشیشور پرشاد پنڈت

پنڈت بشیشور پرشاد، نادوتی سے پانچ چھ میل دور موضع سلادہ میں مقیم ہیں، چونکہ وہ علم نجوم میں مہارت رکھتے ہیں، اس لئے بڑے بڑے ہندو افسر اُن کو بلاتے، زائچہ دکھلاتے جنم پتری بنواتے۔ بینی پرشاد تحصیل دار نادوتی کے یہاں مقیم تھے۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے، اتفاقاً اُن کے مکان کی طرف جانکلا، پنڈت جی وہاں بیٹھے ہوئے بینی پرشاد کی جنم پتری دیکھ رہے تھے۔ میں نے دور ہی سے سمجھ لیا تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ وہ زمانہ تھا کہ لوگ مجھے دیوانہ سمجھتے تھے اور میں دیوانہ سمجھنے والوں کو دیوانہ سمجھتا تھا۔ میں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا "پنڈت جی کچھ اپنی خبر بھی ہے، دوسروں کی خبر رکھنا، خود سے بے خبر رہنا کون سی عقلمندی ہے؟ میں نے یہ جملے اس لئے کہے تھے کہ جتنی دیر میں وہاں رہوں، جنم پتری کا بیان موقوف رہے۔ بینی پرشاد نائب تحصیل دار بڑے اداشناس تھے۔ وہ میرا مطلب سمجھ گئے، پنڈت جی کچھ جواب دیتے اس سے پہلے میرا تعارف باباصاحب

کے واسطہ سے کرایا۔ باباصاحب کا نام سُنتے ہی پنڈت جی پر وہ کیفیت طاری ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔

پاس ہوگیا

اُنھوں نے بیان کیا کہ میں بندرابن (متھرا) میں سنسکرت پڑھ رہا تھا، مسلسل کئی سال فیل ہو کر دل شکستہ اور مایوس ہو چکا تھا، کہ کہیں سے باباصاحب کا نام سُن لیا، ناگپور حاضر ہوا، باباصاحب کے درشن کیے، تو فرمایا "پاس ہو کر آتے ہیں"

میں پاس ہوگیا۔ اُس کے بعد ہر امتحان سے پہلے حاضر ہوتا اور ہمیشہ یہی ارشاد ہوتا "پاس ہو کر آتے" یہانتک کہ پنڈت ہوگیا اور فارغ التحصیل ہوگیا، حاضر خدمت ہوا، دل میں یہ خیال تھا کہ اب کتھا سُنانا شروع کروں تاکہ علم بھی حاضر رہے اور آمدنی بھی شروع ہوجائے، دوسرا خیال یہ تھا کہ اس کام کی اجازت ہوجائے تو ناگپور میں کچھ روز کتھا سُنا کر روپیہ حاصل کیا جائے، گھر جائیں تو بچوں کے لئے تحفے تحائف لیتے جائیں۔ جب میں حاضر دربار ہوا تو دیکھا باباصاحب کے گرد زیارت کرنے والوں کا ہجوم ہے۔ اس حالت میں میری رسائی آپ تک مشکل تھی۔

کیفیاتِ باطنی کی اطلاع

میں مجمع سے علیحدہ، باباصاحب کی عقیدت و محبت و "گیتا" کا وہ اشلوک دل ہی دل میں پڑھ رہا تھا جس میں کرشن جی نے کہا تھا کہ جب دھرم پر برا وقت آتا ہے تب میں ظاہر ہو کر ادھرمیوں کو فنا کرتا ہوں اور دھرم کو زندہ کرتا ہوں (اسی مضمون کا کوئی اشلوک اُنھوں نے پڑھا تھا) پنڈت جی نے کہا میں اپنے دل ہی دل میں یہی اشلوک پڑھ رہا تھا اور یقین کرتا تھا کہ باباصاحب وہی کرشن مہاراج ہیں جنھوں نے بے دینی کے زمانہ میں آنے کی بشارت دی ہے کہ اتنے میں باباصاحب مجمع سے باہر نکل کر میرے پاس آئے، فرمانے لگے "کیا تیو کرتا ہے" (گیتا کا وہ اشلوک جس کا

ذکر کیا گیا ہے تیوتیو سے شروع ہوتا ہے) پنڈت بشیشور پرشاد نے کہا کہ میں نے بابا کی قدمبوسی کی۔ بابا صاحب دوسری طرف دیکھکر فرمانے لگے۔

"حضرت یہیں سلادو گاؤں میں رہتا ہوں، میرے پاس بہت بڑا مکان ہے، کئی سو بیگھہ زمین ہے، گھر میں اشرفیاں دفن کر رکھی ہیں، علم پڑھا ہے، خدا سے دعا مانگ کر پاس ہوا ہوں اور اب اس علم کو بیچنے کی فکر میں ہوں۔"

حاضرین کیا سمجھتے؟ سلادو کا رہنے والا میں موجود ہوں میرے حالات مکمل بابا صاحب نے بیان فرمائے تھے، ان میں سرمو فرق نہ تھا۔ میں مارے شرم کے زمین میں گڑا جا رہا تھا کہ حضور نے فرمایا

"جاؤ! حضرت، پانی کا سیٹھ بلاتا ہے"

میں قدمبوس ہوکر رخصت ہوا، شکردرہ کے باہر بلانی کا معتمد ملا، اس نے مجھے پہچان لیا، پہلے کی ملاقات تھی۔ جب اس نے یہ معلوم کیا کہ میں پنڈت ہوگیا ہوں تو از خود کہا کہ سیٹھ صاحب کے یہاں کتھا پڑھانے والے کی ضرورت ہے، کیا اچھا ہو کہ آپ چلیں، فائدہ بھی ہوگا اور ساتھ بھی رہے گا۔ مجھے بابا کا حکم جو ابھی ابھی ملا تھا کہ اس کی تعمیل میں انکار کی گنجائش کہاں تھی؟ میں اس کے ساتھ گیا، کتھا سنائی، کافی روپیہ ملا، اور بچوں کے لئے بہت سے تحفے تحائف لے کر سلادو اپنے گاؤں واپس آیا۔

پنڈت بشیشور پرشاد نے جو واقعات و کرامات بیان کیں وہ بھی ایک مستقل کتاب چاہتی ہیں، آجتک بقید حیات ہیں۔

اعجازِ مسیحائی

ایک بزرگ عبدالصمد نامی، بھیکی پور جائس سے حاضر دربار ہوئے۔ دل میں یہ خواہش تھی کہ مجھے کشف عطا ہوجائے، ان کو باریابی کا موقعہ ملا تو زبانِ دل سے سوال کیا کہ دل کی آنکھیں کھل

جائیں۔ حضور کے ہاتھ میں بڑی سُلگی ہوئی تھی، مرحمت کرتے ہوئے فرمایا

"یہ لو کشف"

انھوں نے کش لیا تو فائدہ مطلوبہ کاف، کشف بن کر ظاہر ہوا، حضور نے ازراہِ کرم تصرف کی قوت بھی عطا فرمائی۔ جس طرح کوئی جغرافیہ کا طالب علم، شہروں کے نام بے تکلّف کمالِ سرعت سے لیتا ہو، آپ نے بہت سے شہروں کے نام لئے اور فرمایا

"جاؤ، ان مقامات پہ ہر مرض میں تمھارے پانی سے شفا ہوتی ہے"۔

یہ صاحب، کشف و کرامات لیکر واپس ہوئے، دنیا خود بخود ان کی طرف متوجہ ہوئی اور اتنی کثرت سے لوگ حاضر ہونے لگے کہ گورنمنٹ کو ریلوے اسٹیشن اور پولیس اسٹیشن وہاں بنوانا پڑے اور دُور دُور دھوم مچ گئی، جہاں پانی پہنچا، کیسا ہی مرض ہو، بحکمِ الہٰی شفا ہوتی۔ پانی کے برتنوں کی قطار اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ کئی کئی قطار میں دور دور تک تختوں کے اسٹینڈ بنا دیئے گئے تھے اُن پر برتن رکھے جاتے آپ جس برتن میں ہاتھ ڈالتے، وہ پانی اکسیر شفا ہو جاتا۔

اس انگریز نے اس زمانہ کے TIMS میں اپنا مشاہدہ اور تجربہ بیان کیا تھا۔

"انسان کے ہاتھ میں برقی لہریں ہوتی ہیں، ان سے پانی میں وہ اثر پیدا ہو سکتا ہے کہ مرض دور ہو جائے، مگر یہ دیکھکر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ عبدالصمد بابا ہزاروں برتنوں میں ہاتھ ڈالتے ہیں اور ہر برتن کا پانی یکساں طور پر مفید ثابت ہوتا ہے، حالانکہ پانی کے اتنے کثیر برتنوں میں ہاتھ ڈبونے کے بعد برقی قوت ختم ہو جانی چاہیئے"۔

الغرض بابا عبدالصمد صاحب کی شہرت ہندوستان کے حدود سے گذر کر

یورپین ممالک تک پہنچ گئی اور مسیحی دُنیا میں بھی آپ کے چھوئے ہوئے پانی کا اعجازِ مسیحائی تسلیم کیا جا چکا تھا۔

ہر کمال رازوالے

ایک عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، اتفاق سے ایک عورت ایسے وقت میں، جب کہ عورتیں بے نماز ہوتی ہیں، عبدالصمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے ازراہِ کشف فرمایا

"ناپاک ہے، نکال دو"

یہ عورت پریشان حال، شکستہ دل ناگپور پہنچی اور شکردرہ سے باہر مولسری کے ایک درخت کے نیچے جا ٹھہری، اِدھر اپنی ناپاکی کا خیال، اُدھر جاں بلب بیٹے کی زندگی اور موت کا سوال، مگر چونکہ ایک بزرگ کے یہاں سے تنبیہ ہو چکی تھی، اس لئے جسمانی حاضری کا خیال ترک کیا، دل سے حاضرِ دربار ہونا کافی سمجھا۔

ادھر بابا صاحب نے چپراسی سے فرمایا۔

"جاؤ مولسری کے درخت کے نیچے وہ بیٹھی ہے، اُس کو بلالاؤ"

چپراسی گیا اور اُس کو بُلا لایا، وہ مودب فاصلہ پہ کھڑی ہو گئی۔ حضور نے فرمایا۔

"قریب آؤ اماں!"

"وہ ایک لُٹیا پانی تھا، گندہ ہو گیا، تاج الدین سمندر ہے، یہاں آؤ اماں"

عورت قدمبوس ہوئی، حضور نے فرمایا

"گھر جاتے ہیں، بچہ کھیلتا ملتا ہے، اچھا رہتا ہے"

اِدھر عورت بامُراد واپس گئی اُدھر حضور نے جالس کی طرف مُنہ کر کے فرمایا

ABDUS SAMAD SUSPEND (عبدالصمد کو معطل کیا)

علی حسین صاحب تحصیلدار

علی حسین صاحب ناگپور کے علاقہ میں تحصیلدار تھے، رشوت ستانی کے ایک سو سے زائد مقدمات ان پر قائم ہو گئے، گرفتار ہونے کا اندیشہ ہوا تو روپوش ہو کر ناگپور پہنچے، باباصاحب سے قدمبوس ہوئے تو ارشاد فرمایا "ٹھہرو" (یہ جملہ حاضر دربار رہنے کا حکم ہوتا تھا) یہ دربار میں فقیرانہ انداز میں رہنے لگے، ڈاڑھی اور سر کے بال بڑھ گئے، کپڑے پرانے ہو کر جسم پر پھٹنے لگے، جب کبھی اُن کو جانے کا خیال ہوتا، حکم ہوتا "ٹھیرو"۔

چند ماہ بعد حکم ہوا

"گھر جاتے ہیں، اچھے رہتے ہیں"

غیر حاضری میں حاضری

یہ گھر پہنچے، مگر اس وقت کہ رات تھی، لوگوں کی نگاہوں میں نہ آسکتے تھے، دروازہ کھٹکھٹایا کھُلا، اندر پہنچے، خیریت دریافت کی، حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ گھر سے غیر حاضر رہے، نہ دفتر سے غیر حاضر تھے، گھر والوں کے کہنے کو جھُٹلا نہ سکے۔ صبح ڈرتے ڈرتے دفتر گئے، عملے نے باقاعدہ سلام کیا، رجسٹر حاضری آیا تو اُس میں حاضری کا نشان اپنے قلم سے دیکھا، قبض الوصول تنخواہ پر ہر مہینے دستخط موجود، فائلوں پر احکام و دستخط بقلم خود موجود۔

باباصاحب بیرسٹر کے روپ میں

مُقدمات کے متعلق معلوم ہوا کہ مسلسل پیشی ہوتی رہی، مقدمہ باوجود ثبوت کے خارج ہوتا چلا گیا، آخری مقدمہ اُس روز ختم ہوا، جس روز باباصاحب نے فرمایا "گھر جاتے ہیں، اچھے رہتے ہیں"۔

مقدمہ خارج ہونے کا اصل سبب یہ بتایا گیا کہ ایک بڑے قابل بیرسٹر آپ کی طرف

سے بحث کرتے تھے، اُن کی بحث سننے کو پبلک کا ایک ہجوم کچہری میں اکٹھا ہو جاتا تھا اور ہر شخص عش عش کرنے لگتا تھا، عدالت اس سے اتنی متاثر ہوتی تھی کہ ملزم کو باعزت بری کرنے کے اعلان پر مجبور کر دیتی تھی۔

عشق آساں نمود

علی حسین صاحب پر بابا کی ان کرامتوں کا جو اثر ہونا چاہئیے تھا وہ ہوا، مگر چونکہ رشوت کا روپیہ کثیر موجود تھا، اور مقدمات سے بری ہونے کے بعد خوف و خطر بھی دور ہو گیا تھا، اس لئے طبیعت نے دوسرا رنگ اختیار کیا، ایک میم صاحبہ سے محبت کرنے لگے، اُن کو نکاح پر آمادہ بھی کر لیا، اُن کی شرائط تھیں کہ روپیہ بینک میں اُن کے نام جمع کرایا جائے، بنگلہ اُن کے نام پر رجسٹری کرا دیا جائے، یہ شرائط بھی دل و جان سے قبول تھیں، مگر ایک بات سے ڈرتے تھے کہ انگریزی حکومت ہے، انگریز عورت ہے، نکاح کرنا خطرے سے خالی نہیں، دل نے کہا یہ خطرہ بابا صاحب کی دعا سے دور ہو جائے گا، چلو ناگپور چلیں، ناگپور روانہ ہوئے، حضور ان دنوں شکردرہ میں مقیم تھے، یہ پہنچے، اُس وقت زائرین کا ہجوم تھا، انھوں نے قدمبوسی کی اور ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ حضور نے اُن کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا

"گھڑی دکھاؤ"

بدیسی مال

اُنھوں نے گھڑی ہاتھ سے کھول کر پیش کر دی، حضور نے گھڑی کو دیکھا اور یہ فرماتے ہوئے اُن کو گھڑی واپس کر دی۔

"حضرت! بدیسی مال اچھا نہیں ہوتا"

یہ سمجھ گئے کہ اجازت نہیں ہے، مگر میم کی محبت میں اندھے ہو رہے تھے، اپنے آپ کو یہ سمجھ کر دھوکا دیا کہ آجکل بدیسی مال کے خلاف تحریک پورے ہند میں جاری ہے، اس لئے بابا صاحب نے میری بدیسی گھڑی کے متعلق بھی فرمایا ہوگا، شادی

سے اس حکم کا کوئی تعلق نہیں۔

وَلے اُفتاد مُشکلہا

عرض کہ میم صاحبہ سے شادی ہوگئی، چند روز عیش آرام میں گذرے تھے کہ شکوے شکایت شروع ہوگئے۔ میم صاحبہ اپنے دوستوں سے مل کر رات گئے تک گھر نہ آتی تھیں یہ انتظار کرتے کرتے تھک جاتے تھے، بہت سمجھایا، کچھ اثر نہ ہوا، دھمکایا نہیں مانیں، اُلٹا الزام لگاتی تھیں کہ تم ہماری آزادی سلب کرتے ہو۔

ایک دن اُنھوں نے غصّہ میں آکر ایک طمانچہ ان کے مُنہ پر رسید کیا۔ اُنھوں نے مقدمہ دائر کر دیا۔ حکمراں قوم (RULING NATION) کے ایک فرد کو طمانچہ مارنا پورے نیشن (قوم) کی توہین کا رنگ اختیار کر گیا، اب تو یہ بہت گھبرائے، گھر بار، روپیہ پیسہ پہلے ہی میم صاحبہ پر نثار کر چکے تھے، ملازمت تھی، اُس سے معطل ہوگئے، رہا جسم و جان، اُس کے لئے قید و بند، ذلت و رُسوائی کے دروازے کھُل گئے، اُس درد کا علاج سوائے باباصاحب کے اور کہیں نظر نہ آیا، سیدھے ناگپور پہنچے، قدمبوسی کرنا چاہا، بابا صاحب نے فرمایا

ہم نے جیل کس لئے بنایا ہے؟

"نکو قدمبوسی، پہلے یہ بتاؤ ہم نے جیل کس کیلئے بنایا ہے؟"

خادموں نے اُن کو سامنے سے ہٹادیا اور سمجھادیا کہ آپ کو جیل جانے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔

مرضئ مولیٰ از ہمہ اولیٰ

یہ واپس ہوئے اور جیل میں داخل ہوتے وقت باباصاحب کا وہ حکم یاد آیا۔ "حضرت بدلیسی مال اچھا نہیں ہوتا" اس کا مطلب سمجھ لینے کے باوجود خود کو فریب دینا یاد آیا، حُکم کی مخالفت پر بہت پچھتائے، مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

جیل سے رہا ہونے کے بعد، یوں بھی فقیر تھے، مگر فقر کا ذوق غالب آیا اور باقی عمر اللہ اللہ میں گذارنے کا تہیہ کرلیا۔

۱۹۴۷ء سے پاکستان میں یہ ضعیف العمر بزرگ ہیں، رو رو کر یہ واقعات بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ واقعات رونما نہ ہوتے تو میرے باطن میں انقلاب ہی پیدا کہاں سے ہوتا ؎

اے جفائے تو زحمت خوبتر — انتقامِ تو زجاں محبوب تر
فی المثل جورت اگر عریاں شود — عالمِ گِریاں ہمہ خنداں شود

ناظرین اندازہ کرسکتے ہیں کہ بابا صاحب کو مجذوب کہنے والے کتنے برخود غلط نادان ہیں۔ لاکھوں افراد حاضرِ دربار ہوتے ہیں، کس کو کیا حکم دیا ہے، اگر صدہا کلرک رکھکر بھی اس کا ریکارڈ محفوظ کیا جاتا تو بھی ناممکن تھا کہ معاً معلوم ہوسکے، مگر بابا صاحب جس فرد کے متعلق جو حکم فرماتے تھے، وہ ہمیشہ حضور کے پیشِ نظر رہتا تھا۔ اور دوسرے احکام اس سے ہر طرح مربوط ہوتے تھے۔

تحصیلدار صاحب کو آپ نے شادی سے منع فرما دیا تھا اور چونکہ مجمعِ عام میں کسی کا راز فاش کرنا حضور کو گوارہ نہ تھا، اس لئے نہایت لطیف پیرائے میں "انگلش واچ" دیکھکر اُن کو سمجھا دیا کہ "پردیسی مال اچھا نہیں ہوتا"۔ مگر وہ نہ مانے اور پردیسی مال پسند کیا، جب نتیجہ ظاہر ہونے کا وقت آیا تو پھر حاضرِ دربار ہوئے کہ دُعا کرائیں، مگر قدمبوسی سے پہلے ہی حضور نے فرمایا

"قدمبوسی نہیں، پہلے یہ بتاؤ کہ ہم نے جیل کس کے واسطے بنایا ہے؟"

اس ارشادِ عالی کا انداز جہاں تک آپ کی شانِ حاکمیت کا مظہر ہے وہاں اس حقیقت پر شاہد بھی ہے کہ ایک طرف آپ اپنی کلیّت سے نظمِ عالم میں جاری و ساری ہیں، دوسری طرف ہر فرد کائنات سے آپ کو اتنی یگانگت تھی کہ اس کی

کیفیاتِ نفسی سے آپ ایسے باخبر ہوتے تھے جیسے کہ اس کے نفس کے آپ عین ہوں ؎

جس نے دیکھا انھیں، اُس نے اُسی کو دیکھا
ہم بھی اِس دید سے حیران بنے بیٹھے ہیں

یوسف حسین خاں ریاست جے پور "ماچی" تھانہ میں سب انسپکٹر تھے، حاضرِ دربار ہوئے، ایک نذری کا جوتا پیش کیا، جو خاص طور پر حضور کے لئے بنوایا گیا تھا، حضور نے پاؤں میں ڈالا اور فوراً ہی اُتار کر حضرت قبلہ وکعبہؒ کو یہ فرماتے ہوئے عطا کیا

"اس کو پھیلا کر بتاؤ"

پھر حضور نے یوسف حسین خاں صاحب کو "تحصیلدار" کے لقب سے یاد کیا۔ اُنھوں نے عرض کیا "میں تحصیلدار نہیں سب انسپکٹر ہوں"۔ حضور چُپ ہو گئے مگر جے پور واپس آتے ہی اُن کو تحصیلداری کا موقعہ ملا، تو اُن کی سمجھ میں آیا کہ تحصیل دار کے کیا معنیٰ تھے؟

"تحصیلدار" ناظم دوسرے سال بڑی عقیدت کے ساتھ حاضرِ دربار ہوئے، حضور نے اس مرتبہ ان کو "ناظم صاحب" کہہ کر خطاب کیا، یہ واپسی پر ناظم ہو گئے۔ ریاست جے پور میں ناظم کو دیوانی، فوجداری مال تینوں شعبوں کے وسیع اختیارات حاصل ہوتے تھے۔

جوتے کی تاثیر ایک صاحب ہنگن گھاٹ میں ملے اُنھوں نے کہا کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم لوگ سرکار بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سرکار کے پاس ایک اور صاحب جوڑی جوتہ لائے۔ سرکار بابا صاحب نے پہن کر ایک میری طرح پھینک دیا اور دوسرا دوسرے کی طرف پھینک دیا۔ اب صاحب! اس جوتے سے بڑا کام چلتا ہے، کیا ہی آسیب

ہو یا کسی پر جن کا اثر ہو، بس میں جاتا ہوں، دو چار جوتے رسید کئے جن صاحب کا کوسوں پتہ نہیں رہ سکتا ہے۔

سبحان اللہ! بزرگوں کے جوتوں میں کیا اثر ہے؟

آدھا دیوان ایک مرتبہ یوسف حسین خاں صاحب جب ناظم کے عہدے پر مامور تھے حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا

"جاؤ، تم کو آدھا دیوان کیا"۔

اس زمانے میں دیوان کا عہدہ ریاست میں صرف ایک تھا۔ دیوانِ ریاست کو REVENEW COMMISSIONER (ریونیو کمشنر) کے ہم منصب سمجھنا چاہیئے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ آدھے دیوان کا کیا مطلب ہے؟

کچھ عرصے بعد ریاست کو دو ضلعوں میں تقسیم کر کے دیوان اضلاع شرقی، دیوان اضلاع غربی کے دو عہدے قائم کئے گئے اور ایک دیوان کی جگہ دو دیوان مقرر کئے گئے، ایک دیوان ناظم، یوسف حسین خاں بھی تھے۔

ترقی ہی ترقی خان بہادر حاجی عبداللطیف خاں صاحب ناگپور میں ملازم تھے، ملازمت کے دوران میں ترقی کی دعا کے لئے حاضر دربار ہوئے۔ حضور نے دوات قلم طلب فرمائی، پھر کسی جھاڑ سے تنکا توڑ کر فرمایا، یہ ہے قلم دوات، پھر دستِ مبارک پر تنکے سے لکھتے ہوئے فرمایا، یہ ہے کاغذ۔ "صاحب تیری ترقی، ترقی، ترقی، ترقی ہے"۔

خان بہادر صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ اس وقت مجھے ترقی ملنے کے لئے ضروری تھا کہ مجھ سے پہلے سینئر لوگوں کو ترقی ملے، اس کا بظاہر کوئی موقعہ نہ تھا کہ اتنے لوگوں کو ایک ساتھ ترقی مل سکے، مگر خدا کی قدرت ہے کہ ایک عام اسکیم

کے ماتحت سب کی ترقی ہوکر مجھے ترقی ملی۔ اُس کے بعد حضور نے جتنی بار ترقی، ترقی فرمایا تھا، اتنی ہی ترقیاں مجھے ملیں، یہاں تک کہ میں سیشن جج ناگپور ہوگیا۔

جامن کے پتے

مولوی سید عبدالسلام سب جج ریاست جے پور ملازمت سے پہلے ہائی کورٹ جے پور کے ممتاز ترین وکیل تھے ہزاروں روپے ماہانہ آمدنی تھی، صاحبِ خیر تھے، کنبہ پرور تھے، دوستوں پر خوب خرچ کرتے تھے، سیر وشکار سے دلچسپی تھی، شعر وشاعری سے خاص ذوق تھا، شعر اچھا سمجھتے تھے اچھا کہتے تھے، مجھے ان کا ایک شعر یاد آگیا ؎

ہوشیاری ہے فریبِ عاشقی کھانے کا نام
عاشقی ہے بند آنکھیں کرکے لُٹ جانے کا نام

سلسلۂ نقشبندیہ میں ابتداً بیعت حاصل کی، پھر سلسلۂ تاجیہ میں حضرت قبلہ و کعبہ سے چشتی، قادری، تاجی نسبت بھی حاصل کی، بڑے ذاکر و شاغل آدمی تھے، شیخ کے حکم کی تعمیل کس طرح کی جاتی ہے، عبدالسلام صاحب کے طرزِ عمل سے طالبوں کو حاصل کرنا چاہیئے۔

ایک دن حضرت قبلہ و کعبہ رحؒ نے عبدالسلام سے فرمایا کہ آپ اگرچہ نہایت کامیاب وکیل ہیں مگر شرعاً وکالت کا پیشہ جائز نہیں ہے۔ منشائے عالی دریافت کرنے کے بعد انھوں نے اس کامیاب ذریعۂ معاش کو یک قلم ترک کر دیا اور ریاست میں سب جج کا عہدہ قبول کر لیا، تنخواہ جو ملی وہ اس آمدنی کا عشر عشیر بھی نہ تھی، اندوختہ کچھ نہ تھا، اس لئے زندگی میں سادگی آگئی جو فقیرانہ زندگی سے متوازن تھی۔

سید عبدالسلام صاحب کے والد مرحوم نواب صاحب ٹونک کے طبیبِ خاص تھے، اس لئے بہت سے خاندانی نسخے جو سینہ بسینہ چلے آتے تھے، اُن کو ورثہ میں ملے تھے اُنھوں نے دو نسخے حضرت قبلہ و کعبہ کی خدمت میں یہ کہکر نذر گذارے تھے کہ دربارِ

شاہی میں نذر گذارنا اور اس نظر کا شایانِ شان ہونا بھی لازم ہے، اس لئے "اکسیر الاجسام" اور "کیمیائے عشرت" کے دو نسخے مجھے مرحمت فرما دیئے جو میرے پاس ہیں، غرضیکہ علمِ طب اور علمِ کیمیا سے اُن کو خاص لگاؤ تھا۔

ایک مرتبہ اُن کو حضور بابا صاحب کی قدمبوسی کا شوق ہوا، ناگپور پہنچے۔ حکیم ظفر اتوارہ بازار والے بابا کے خادمِ خاص بھی جے پور ہی کے رہنے والے تھے وہ اُن کے عزیز بھی تھے، اُن کے ساتھ حاضرِ دربار ہوئے، راستہ میں جامن کے درخت کہیں نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ بابا صاحب کے یہاں سے واپسی میں جامن کے پتے حاصل کئے جائیں گے، کیمیا کے ایک نسخہ میں اُن کی ضرورت ہے، مگر جب یہ حاضرِ دربار ہو کر قدمبوسی کے لئے جھکے تو حضور نے فرمایا

"نکو قدمبوسی" (یعنی قدمبوسی نہیں) ہمارے جامن کے پتّوں کو ہاتھ لگایا تو ہم ڈپٹی کلکٹر سے کہکر گرفتار کرا دیتے ہیں۔"

قلم کی برکت

ماسٹر محمد حنیف صاحب، کامٹی شریف کے رہنے والے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ میرے نسبتی برادر محمد شرف الحق صاحب، پروفیسر زمانۂ طالب علمی میں حضور کے بہت زیادہ معتقد تھے، وہ میٹرک کا امتحان دے کر حضور بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شرف الحق صاحب خود کہتے ہیں کہ میں بچپن میں بہت شریر اور آوارہ قسم کا لڑکا تھا، والد صاحب مجھے مارتے پیٹتے رہتے تھے، پڑھائی کی طرف بالکل توجہ نہ تھی۔ بابا صاحب قبلہؒ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا

"آوارہ لڑکوں کے ساتھ گھومتے ہیں، ماں باپ کا کہنا نہیں مانتے ہیں، مار کھاتے ہیں، لکھتے پڑھتے کچھ نہیں، کامیابی کی اُمید لیکر میرے پاس آتے ہیں ــــ لاؤ، لا رے قلم اور کاپی دے۔"

اُنھوں نے قلم اور کاپی پیش کی، باباصاحب نے ایک صفحہ پر یہ جملے تحریر فرمائے
"کابلی کو گرفتار کرو، کابلی کو قید کرو، کابلی پر سخت نظر رکھو۔"
اور فرمایا "ارے جا، جا"۔

چنانچہ ۴۰ سال سے زیادہ عرصہ گذرنے کے باوجود قلم بلیک برڈ اور وہ تحریر اُن کے پاس محفوظ ہے، وہ جو بھی درخواست اس قلم سے تحریر کرتے ہیں، یا دستخط کرتے ہیں، ہمیشہ اُنھیں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

ایک دن میں مُلازم

شرف الحق صاحب میٹرک کے امتحان میں پاس ہو گئے تو اُن کا ارادہ ہوا کہ نائب تحصیلداری کے لئے درخواست پیش کریں۔ اُنھوں نے درخواست لکھی اور باباصاحب قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے کہ حضور باباصاحب سواری میں ہائی کورٹ کی طرف سے گذرے شرف الحق تیزی سے لپکے، باباصاحب نے کوچوان کو بگھی روکنے کا اشارہ کیا۔ یہ درخواست نکالنے بھی نہ پائے تھے کہ باباصاحب نے کنٹرولر آفس کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سمجھ گئے کہ حضور باباصاحب کا ارادہ کنٹرولر آفس میں درخواست دینے کا ہے۔

چنانچہ شرف الحق صاحب درخواست دیکر اکاؤنٹنٹ جنرل کے کمرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ان کا اردلی باہر آیا اور کہا بڑے صاحب نے سلام بولا ہے۔ یہ اکاؤنٹنٹ جنرل کے پاس پہنچے تو اُس نے کہا، کیا آپ آج ہی سے سروس کر سکتے ہیں؟ شرف الحق صاحب نے رضامندی ظاہر کی تو اس نے سپرنٹنڈنٹ کو حکم دیا کہ انھیں آج ہی سے سروس دی جائے۔ چنانچہ اُسی روز آپ اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر میں ملازم ہو گئے۔

رشتہ کی منظوری اور صحت مندی

ماسٹر محمد حنیف صاحب کامٹی والے بیان کرتے ہیں کہ شرف الحق

صاحب کا میری ہمشیرہ سے رشتہ کا خیال تھا، لیکن بعد میں اُنھوں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور کہا کہ میں حالتِ تجرد میں رہنا چاہتا ہوں۔ اس اچانک نامنظوری نے ہم سب کو پریشان کر دیا۔ اُسی روز والدہ نے خواب میں دیکھا کہ باہر سے شور وغل کی آوازیں آئیں کہ بابا صاحب تشریف لاتے ہیں۔ والدہ نے دیکھا کہ ایک بزرگ دراز قد سامنے موجود ہیں، اُنھوں نے سلام کیا اور عرض کیا کہ حضور میری خالہ کی طبیعت بہت خراب ہے، خالو سخت پریشان ہیں، مقروض ہیں۔ میرا ایک بیٹا کمانے والا ہے پانچ لڑکیاں ہیں دو لڑکے ہیں، دو لڑکیاں سنِ بلوغ کو پہنچ گئی ہیں، مجھ پر ایک بوجھ سا ہے۔

حضور بابا صاحب نے اُوپر کی طرف اشارہ کیا، والدہ سمجھیں کہ دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاؤں۔ چنانچہ بابا صاحب اور والدہ صاحبہ نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ کچھ ہی دنوں میں شرف الحق صاحب شادی کے لئے تیار ہو گئے اور والدہ کی خالہ بھی ٹھیک ہو گئیں، قرض بھی ادا ہو گیا۔

جیل سے رہائی

ماسٹر محمد حنیف صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک دوست عبد الغفار پٹیل، کسی پٹیل کے قتل میں ماخوذ ہو گئے، رہائی اور ضمانت کی تمام کوشش بیکار گئی۔ اُس زمانہ میں عرس مبارک حضرت بابا تاج الدین علیہ الرحمۃ کا ناگپور میں ہو رہا تھا، ان کے دل میں بھی حاضری کی خواہش تھی، لیکن مجبور تھے۔ عبد الغفار نے جیل ہی میں خواب دیکھا کہ بابا صاحب فرماتے ہیں

"کیوں رنج کرتا ہے؟ کل میرے پاس آجانا"

اُنھوں نے عرض کیا کہ میں جیل میں قید ہوں اور رہائی کی کوئی صورت نہیں کیسے حاضر ہو سکتا ہوں؟ بابا صاحب نے جواب میں پھر وہی جملے دُہرائے۔

صبح ہی جیلر کا حکم آگیا کہ عبد الغفار پٹیل کو رہا کر دیا جائے ___ عبد الغفار

رہا ہو کر خوشی خوشی عرس میں شریک ہوئے۔

پریشانی دور

حنیف صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرے خسر صاحب بہت تنگدست اور پریشان کنعان ندی کی طرف سے گذر رہے تھے کہ باباصاحب نے فرمایا

"کیوں پریشان ہے رے، بہت اچھا رہے گا اور دنیا میں دولت و عزت حاصل کرے گا"

چنانچہ حضرت باباصاحب کے ارشاد کے مطابق کچھ عرصے بعد وہ کافی دولت مند ہو گئے اور عزیز و اقارب میں نہایت معزز خیال کئے جانے لگے۔

بیس روپے کی ملازمت

غلام دستگیر صاحب مقیم کامٹی شریف اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت باباصاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، ملازمت کی فکر تھی، ایک جگہ درخواست بھی دیدی تھی، مجھے دیکھتے ہی باباصاحب نے پوچھا

"کتنے روپے کی ملازمت چاہتا ہے؟"

میں نے عرض کیا کہ بیس روپے کی مل جائے تو ٹھیک ہے۔ چنانچہ دو دن بعد ہی میں بیس روپے ماہوار پر ملازم ہو گیا۔

ہمارے بچے نہیں ہارتے

ایک روز فرمایا کہ باباصاحب حاضر و غائب اپنے بچوں کے محافظ و نگراں ہیں، مشکلات میں حاجت روائی، پریشانیوں میں عقدہ کشائی آپ کی عادت خصوصی ہے، جو مافوق العادات صورتوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

غیر حاضری اور سزا سے طالب علم بچ گئے

ناگپور انجمن ہائی اسکول جو اب شاید کالج ہے، اس میں مسٹر محمد واسع صاحب میٹرک میں پڑھتے تھے۔ واسع صاحب اب سی۔ پی میں محکمۂ خوراک میں ایک آفیسر ہیں، بیان فرمانے لگے کہ زمانۂ طالب علمی میں وہ بابا صاحب کے پاس اکثر جاتے تھے، اور طلبا عموماً دورانِ امتحان میں بابا صاحب کے پاس جوق در جوق حاضر ہوتے تھے اور اپنی مُراد کو پہنچتے تھے۔ چنانچہ سرکار بابا صاحب شکر درہ میں مقیم تھے، اور واسع صاحب مع تین دوستوں کے سائیکل پر بابا صاحب کے پاس گئے، اور خیال یہ تھا دو تین گھنٹے میں واپسی ہو جائے گی، مگر جب بابا صاحب کے پاس گئے تو چند گھنٹوں کے بعد واپسی کی اجازت چاہی، لیکن ہر بار سرکار بابا صاحب نے یہی فرمایا کہ ابھی نہیں جاتے ہیں، جب کافی دیر ہو گئی، رات کے دس بج گئے تو بابا صاحب کی آنکھ بچا کر یہ لوگ باہر آئے اور یہ خیال کیا کہ اب ہوسٹل چلیں ورنہ رات میں غیر حاضری کی کافی سزا ملے گی، جب آئے تو یہ دیکھا کہ ان لوگوں کی اچھی خاصی سائیکلیں بیکار ہو گئی ہیں، ہر ایک میں ہزاروں سوراخ ہیں۔ یہ لوگ تعجب میں رہ گئے، نزدیک ہی ایک پنکچر جوڑنے والے کے پاس گئے، اُس نے کہا یہ سائیکلیں بالکل خراب ہو گئی ہیں، مجبوراً پھر بابا صاحب کے پاس واپس آئے کیونکہ پاپیادہ جانا مشکل تھا۔ رات کے دس بج چکے تھے، ان لوگوں نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ ان لوگوں نے خیال کیا کہ آج فاقہ ہوگا، اتنے میں سرکار بابا صاحب کی خدمت میں کھانا کوئی صاحب لائے، سرکار بابا نے ان لوگوں کو کھانا دینے کے لئے اشارہ کیا، پس ان لوگوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھانا کھایا اور کھانا بڑا لذیذ تھا۔ اس کے بعد ان لوگوں پر نیند طاری ہونے لگی، سرکار بابا صاحب نے اپنے پاس ہی لیٹ رہنے کو اشارہ کیا، یہ لوگ سو گئے۔ علی الصباح بابا صاحب نے ان لوگوں کو ٹھوکر مار کر فرمایا اب تک سو رہے

ہیں، اسکول نہیں جاتے ہیں ۔ یہ لوگ گھبرا کر اٹھے، باہر آئے تو اپنی سائیکلوں کو بالکل درست پایا اور ہوا سے بھری ہوئی پائیں ۔ یہ اپنی سائیکلوں پر واپس شہر آئے یہاں بھی کسی نے کچھ نہیں کہا۔ ورنہ ان لوگوں کو مار بھی پڑتی اور جرمانہ بھی دینا پڑتا۔

باباصاحب کی روشن ضمیری

باباصاحب کی روشن ضمیری اظہر من الشمس تھی۔ لاکھوں واقعات ہیں کہاں تک بیان کئے جا سکتے ہیں۔ فرید صاحب ایک واقعہ جو اُن پر گذرا بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں باباصاحب واکی کے جنگل میں قیام پذیر تھے، میں حاضر خدمت ہوا اس وقت آپ بنگلہ میں رونق افروز تھے، بنگلہ کے چاروں طرف احاطہ تھا۔ احاطہ کے دو دروازے تھے، دونوں دروازے بند تھے۔ میں دروازہ کھول کر بنگلے میں پہنچ گیا۔ وہاں دو قوال تھے۔ قوالی ہو رہی تھی، آپ نہایت سکون سے سُن رہے تھے۔ ایک قوال ڈھولک بجا رہا تھا ایک گا رہا تھا۔

"بھر بھر جام پلا دے ساقی"

قوال معمولی سا تھا مگر قوالی کی کیفیات غیر معمولی تھیں۔ مجھ پر خاص اثر تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا بابا کا میخانہ تمام دنیا پر کھلا ہوا ہے ساری دنیا فیضیاب ہو رہی ہے کاش مجھے بھی کوئی جام عطا ہوتا۔ یہ خیال میرے دل میں آنا تھا کہ معاً آپ نے خادم کو حکم دیا۔ "ایک گلاس پانی لاؤ"

جذب نہیں سلوک

فوراً خادم نے پانی کا گلاس حاضر کیا۔ آپ نے ایک دو گھونٹ پی کر گلاس میری طرف بڑھایا، میں گلاس لینے کو بڑھا۔ مگر دل میں کہا "جذب نہیں سلوک چاہتا ہوں" میرے دل کی یہ بات آپ کے کان میں جیسے

پہنچ گئی ہو۔ آپ نے ہاتھ واپس کھینچ لیا اور خود پینے لگے ۔ میں نے شرمندہ ہو کر دل ہی دل میں پھر جام طلب کیا ۔ آپ نے گلاس پھر میری طرف بڑھا دیا میں پھر گلاس لینے کو بڑھا مگر پھر دل میں وہی خیال آیا ۔

"جذب نہیں سلوک چاہتا ہوں"

حضور نے پھر ہاتھ کھینچ لیا اور پانی خود نوش فرمانے لگے ۔ میں نے پھر ندامت محسوس کی اور ہمت کر کے دل ہی دل میں پھر جام طلب کیا ۔ آپ نے ازراہِ کرم پھر گلاس میری طرف بڑھایا ، مگر اس مرتبہ بھی بدقسمتی نے ساتھ نہیں چھوڑا ، وہی خیال دل میں پھر آیا "جذب نہیں سلوک" یہ خیال آتے ہی حضور نے اس گلاس کو زمین پر زور سے دے مارا ، قوالوں کو ڈانٹا ۔ ڈھولک کے ٹھوکر ماری اور جذبی کیفیت میں جنگل کی راہ لی اور مجھ پر وہ مثل صادق آئی ۔

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

دستِ پیر | بابا صاحب اپنے بچوں پر نہایت مہربان و شفیق تھے ، آپ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی ہمارے بچوں کو بری نظر سے دیکھتا ہے تو ہم بڑھ کر اُس کی آنکھیں نکال لیتے ہیں ، یہاں دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں (کلمہ والی بیچ والی سے) بابا صاحب نے اشارہ فرمایا ؂

دستِ پیر از غائبان کوتاہ نیست
دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست

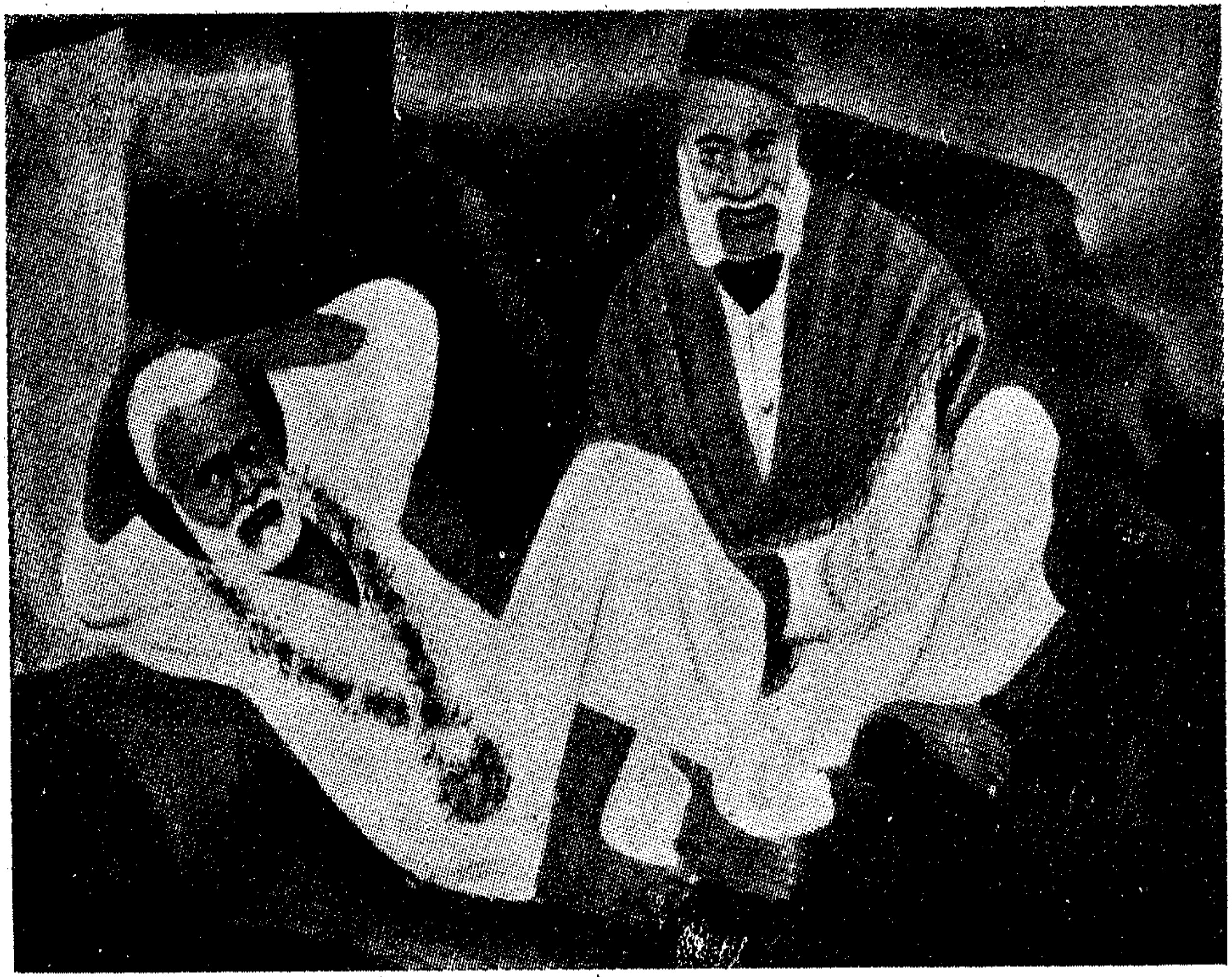

واکی والے کاشی ناتھ راؤ حضور بابا صاحب کے قدموں میں

انسانی ہمدردی

کرامات و تصرفات سے کروڑوں انسانوں کی حاجت روائی فرمانے والے بابا صاحب نے عام انسانی اخلاق کے معیاری نمونے بھی انسانوں کی تعلیم کے لئے قائم کئے۔

(۱) ایک چیچک رو، یک چشم، بدصورت آدمی تھا۔ اس کی صورت دیکھنے کا بھی کوئی روادار نہ تھا۔ زندگی سے تنگ آکر حاضر دربار ہوا۔ حضور نے اس کو اپنا "قوال" بنالیا۔ وہ گانا بجانا کیا جانے۔ مگر تعمیلِ حکم میں قوال بن گیا، جب حضور اس سے کہتے گاتا، پیسے مل جاتے، عسرت دور ہوگئی۔

ہر عیب کہ سلطان بہ پسندد ہنر است

(۲) ایک لڑکا فطری طور پر معذور تھا، ہاتھ پاؤں بیکار، زبان بیکار، نہ کچھ بول سکتا تھا نہ کچھ کرسکتا تھا، چلنے پھرنے، کھانے پینے، بولنے سے قطعاً معذور تھا۔ والدین نے بہت کچھ علاج معالجہ کرایا فائدہ نہ ہوا۔ مجبوراً اس کو شکر درہ چھوڑ کر چلے گئے کچھ دیر بعد حضور برآمد ہوئے اور اس معذور کے پاس پہنچ کر کھانا طلب کیا۔ خادموں نے اور خاص طور پر میں نے فوراً کھانا پیش کیا۔ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اس کو ایک ایک لقمہ کرکے آدھ گھنٹہ تک کھلایا، پھر اپنے ہاتھ سے اس کو پانی پلایا، اور ایک آدمی اس کی خدمت کے لئے مقرر کردیا۔ حضور کے اس برتاؤ کا نتیجہ یہ نکلا کہ دربار میں حاضر ہونے والے اس لڑکے کی بھی خدمت کرتے رہے اور اس کے خادم کی بھی خدمت کرتے رہے، جب تک وہ زندہ رہا کبھی بھوکا پیاسا تکلیف میں نہ رہا۔

(۳) ایک صاحب مفلسی کے عالم میں حاضر دربار ہوتے اور ایک درخت کے نیچے قیام کیا، اسی رات جب حضور کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو فرمایا:-

"پہلے ہمارے مہمان کو کھلاؤ جو فلاں درخت کے نیچے ٹھہرا ہے"

خدام کھانا لے کر وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ دو روز سے بھوکے ہیں۔ بڑی

دُور دراز جگہ سے آئے ہیں، افلاس اور ناداری کا شکار ہیں۔

(۷) ایک مرتبہ حضور پاٹن ساونگی قصبہ کی گلیوں سے گزر رہے تھے، صدہا آدمی جلو میں تھے، آپ نے دیکھا کہ ایک ٹوٹے ہوئے مکان میں ایک بوڑھا اور ایک بڑھیا جوار پیس رہے تھے، مگر ضعف و ناتوانی کی وجہ سے چکی چلانا دشوار ہو رہا ہے۔ حضور اس مکان میں داخل ہوئے ان دونوں کو ہٹا کر خود چکی پیسنے بیٹھ گئے، تھوڑی سی دیر میں تمام جوار پیس ڈالی۔ آٹا سمیٹ کر اُن کے حوالے کیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔

زخمی فاختہ

جن دنوں حضور کامٹی میں رونق افروز تھے، عبدالحفیظ صاحب اور اُن کے ساتھی ایک تانگے میں ناگپور سے کامٹی روانہ ہوئے راستہ میں دو فاختہ شکار کیں۔ جب حاضر دربار ہوئے تو حضور خفا ہوتے ہوئے آئے اور اُن کے تانگے کی گدی اُلٹ کر دونوں فاختاؤں کو نکالا اور اڑا دیا، زخمی فاختہ ہوا میں اُڑ گئیں، جانوروں کی تکلیف بھی حضور سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔

عیب پوشی

کشف والے بزرگوں سے عیب و صواب پوشیدہ نہیں رہتا مگر باباصاحب نے کشف کو عیب جوئی اور نکتہ چینی میں کبھی استعمال نہیں فرمایا، بلکہ ہمیشہ عیب پوشی آپ کا طریقہ رہا، عالم ظہور میں بھی آپ خطاکاروں سے درگذر فرماتے۔

آپ کے دربار میں ایک حلوائی تھا اس کے یہاں چوری ہو گئی۔ مگر چور کو چوری کے بعد خیال آیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، نادم ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا "بھاگ جا" وہ چلا گیا، اس کے بعد حلوائی نے حاضر ہو کر فریاد کی کہ "حضور میں لُٹ گیا"۔ ارشاد ہوا:۔

"ارے جا دو تھال میں سارا۔۔۔۔ ہے جا دوکان کھول"

اُس نے واپس آکر دیکھا تو دوکان میں کچھ باقی نہیں صرف دو تھال چوری کے

دانے کے بھرے ہوئے موجود ہیں۔ وہ اُن کو بیچتے بیچتے مال دار ہو گیا۔ یہ حلوائی حضور کے وصال کے بعد معلوم کہاں چلا گیا۔

سیّد محمد رفیع صاحب

مرحوم و مغفور قصبہ ایرایان سادات ضلع فتحپور یوپی کے رہنے والے تھے۔ ایک مرتبہ موصوف کو حضرت تاج الاولیارؒ کی خدمت میں ایک مقدمہ کی فتحیابی کے سلسلہ میں حاضری کا موقعہ حاصل ہوا۔ جب حضرت کے سامنے پیش ہوئے تو دل میں مقدمات کے سلسلہ میں سوالات تھے کہ حضرت نے ایک نظر اٹھا کر دیکھا، اس کے بعد زمین میں کچھ لکھا۔ اس کے بعد فرمایا تمہارا کام ہو گیا اب تم جا سکتے ہو۔

سلام کا جواب

لیکن دل میں اشتیاق تھا کہ صحبت سے کچھ فیض یاب ہوں لہذا چند دنوں کے لئے رُک گئے، وطن کے چند لوگوں نے حضرت کی خدمت میں سلام کہلایا تھا، چنانچہ اپنے دل میں ہر ایک کی طرف سے سلام پیش کرتے رہے، اور حضرت تاج الاولیارؒ نے ہر ایک کا جواب وعلیکم سلام کر کے دیا۔ اس کے بعد تاج الاولیارؒ گشت میں جنگل کی طرف چل دیئے۔ آپ کے ساتھ مجمع تھا وہ سب احتراماً برہنہ پا تھے، جنگل میں کہیں کہیں بند کٹیا بنی ہوئی تھیں آپ وہاں پہنچ کر توجہ فرماتے۔ ایک ایسی کٹیا تھی جس میں ایک مائی صاحبہ تھیں، آپ اندر تشریف لے گئے۔ حافظ صاحب پابندِ شریعت تھے، خیال ہوا کہ ایک مرد کو عورت کے پاس تنہائی میں نہ جانا چاہیئے۔

فسادی آدمی

معاً حضور واپس لوٹے اور حافظ صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

"اس کو نکالو یہ فسادی، یہ فسادی آدمی ہے، اس کو بھگاؤ"!

پھر حضور جنگل کی طرف چل دیئے، حافظ صاحب بہت پشیمان ہوئے، معافی

چاہنے کے لئے ہجوم سے دُور دُور چلتے رہے۔ ایک جگہ خود حضور ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:۔

"بابا اللہ اللہ کرنا، نہ کوئی مرد دیکھنا نہ عورت دیکھنا"

حافظ صاحب نے قدمبوسی کی اور سمجھ لیا کہ معافی ہوگئی۔ واپسی کا ارادہ کر لیا۔

حافظ صاحب کا وصال ۲۳ جنوری ۱۹۵۹ء کو بمقام دادو سندھ ہوا آپ وہاں مدفون ہوئے۔ وقت وصال عمر ۸۰ سال تھی۔

بیلوں سے سلام

ایک روز فرمایا حضور بابا صاحب کبھی کبھی مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔

ایک صاحب نے شکایت کی کہ حضور تک رسائی ہونا امرِ دشوار ہے، کوئی تدبیر بتائیے، ارشاد ہوا:۔

"حضرت بیلوں سے سلام کرتے ہیں اور آجاتے ہیں"

وہ بیچارے جہاں کہیں شکردرہ کے آس پاس بیلوں کو دیکھتے ان سے سلام کرتے پھر بھی حاضری کا موقعہ نہ ملتا۔ مجبوراً انھوں نے حضور کے ارشاد کا مطلب ہم سے پوچھا، ہم نے کہا مطلب یہ ہے کہ ان پہلوانوں سے جو دربانی کرتے ہیں سلام کیا کرو، انھوں نے اس پر عمل کیا اور حاضری میں کامیاب ہوگئے۔

کونسی چکّی کا آٹا

ناگپور سی۔ پی کی گرمی مشہور ہے، حضور دوپہر میں جب کہ گرمی شباب پر تھی جنگل میں چلے گئے اور ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں جو درخت کے نیچے تھی تشریف فرماتے تھے، حاضرین دُور دُور تھے فرید خاں صاحب فضا بھی حاضر ہوئے اور سلام کے بعد مودب کھڑے ہو گئے، حضور نے فرمایا "حضرت بڑی گرمی ہے پنکھا جھلو"۔ وہ پنکھا جھلنے لگے، حضور مُرادمندوں کی عرض سماعت فرماتے رہے، احکام صادر کرتے رہے۔ ذرا تنہائی ہوئی

تو آنکھیں کھول مجھ سے فرمایا:۔

"آرہے ہیں بڑے موٹے تازے"۔ پھر فرمایا "وہ آگئے"۔

میں نے دیکھا کہ ایک بہت لحیم شحیم نوجوان عورت چلی آرہی ہے۔ وہ آئیں اور آکر کہا "بابا سلام علیکم"۔ حضور نے فرمایا "وعلیکم السلام اماں! اماں اس گرمی میں گھر چھوڑ کر، سایہ چھوڑ کر کیوں تکلیف کی؟ آؤ اماں میں تمھیں پنکھا جھلوں"۔

وہ بی بی بڑی لجاجت سے بولیں، نہیں بابا میں آپ کو پنکھا جھلوں گی۔ فرمایا "نہیں اماں آپ چل کر آئی ہیں تھک گئی ہوں گی، میں آپ کے پاؤں دباؤں" وہ اور بھی شرمندہ ہوئیں۔ فرمایا، اماں آپ برا نہ مانیں تو میں ایک بات آپ سے دریافت کروں، انھوں نے کہا نہیں حضور آپ ضرور پوچھیں۔ حضور نے پوچھا:۔

"اماں! آپ کون سی چکی کا پسا ہوا آٹا کھاتی ہیں"؟

وہ جواب نہ دے سکیں، پھر حضور نے فرمایا:۔

"اولاد کے لئے آئی ہیں" اچھا اماں آپ یہاں بیٹھیں ہم ذرا گھوم کر آتے ہیں۔ یہ فرما کر حضور جنگل میں چل دیئے۔

کولھو کے بیل

ایک روز فرمایا کہ ایک دن شکر درہ میں حضور کے حکم سے ایک مولوی وعظ میں علماء کی تعریف فرما رہے تھے، حضور نے فرمایا:۔

"نکو علماء کولھو کے بیل رے"

مطلب بیان فرمایا کہ "ان کی گرم رفتاری ایک دائرہ میں محدود ہے۔ یہ علماء ظاہر کولھو کے بیل کی طرح میں میلوں چلنے کے بعد بھی جگہ کی جگہ رہتے ہیں"

ماسٹر محمد حنیف صاحب

ماسٹر محمد حنیف صاحب کامٹی شریف کے رہنے والے ہیں، فرماتے ہیں کہ میرے

خاندان کے بیشتر افراد فرقۂ اہلحدیث سے متعلق تھے، لیکن والد صاحب قبلہ اہلحدیث کے عقائد رکھتے ہوئے بھی حضور باباصاحب کے نہایت معتقد تھے اور اکثر و بیشتر حاضر خدمت ہوتے رہتے، مجھے بچپن کا وہ زمانہ خوب یاد ہے کہ جب میں دس گیارہ سال کا تھا اور میری ہمشیرہ جو آٹھ نو برس کی تھی اس کے ایک زخم تھا۔ علاج و معالجہ سے ناامید ہو کر آپریشن بھی کرایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، آخر کار والد صاحب ہمشیرہ کو باباصاحب کی خدمت میں لے گئے۔ حضور باباصاحب اس وقت ایک درخت کے نیچے قیام فرما تھے۔ ہم لوگ باباصاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ باباصاحب پر حالتِ استغراق طاری تھی اور گردن جھکائے بیٹھے تھے۔ والد صاحب ہمشیرہ کو کاندھے پر لادے کھڑے تھے۔ ایک دو منٹ بعد حضور باباصاحب ہم پر نظر کئے بغیر خود بخود فرمانے لگے۔

"ارے ارے ظالموں نے کیا کیا، بہت خون نکالا اور
میری ہڈی تک چھیل دی۔ بڑے ظالم ہیں، اب میرا اللہ
مالک ہے رے"

تقریباً نصف گھنٹہ بعد سر اٹھایا اور ہماری طرف دیکھا، ہم نے سلام عرض کیا اور والد صاحب نے ہمشیرہ کی علالت کا حال بیان کیا۔ حضور بابا نے فرمایا:-

"اللہ ہے با، اللہ ہے با"

باباصاحب قبلہ کا مایوسانہ لہجہ تھا، میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ میری ہمشیرہ لاعلاج ہے۔ ناچار ہم لوگ واپس ہوئے اور پانچ دن بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا۔

دلدہی اور تسلی

شرف الحق صاحب ایم اے اور ایل ٹی کے امتحانات کے سلسلہ میں کلکتہ میں مقیم تھے کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا شرف الحق اس خبر کو سن کر بہت مغموم ہوئے اور پڑھائی سے طبیعت بالکل اچٹ گئی امتحانات قریب تھے کہ حضرت باباصاحب قبلہ کو خواب میں دیکھا کہ انھیں گود میں

بچّوں کی طرح بہلا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں ۔

"بیٹا غم نہیں کرتے ، دنیا فانی ہے ۔ دیکھو میں بھی نہیں رہا
سب کا حشر یہی ہونا ہے ، اپنا دھیان اور توجہ پوری پوری
پڑھائی میں لگا رکھو اور صبر کرو"

صبح کو ان کے دل میں اطمینان کی کیفیت پیدا ہوئی اور توجہ سے امتحانات کی تیاری کرنے لگے ، آخر دونوں امتحانات میں کامیاب ہوئے ۔

صحتِ کُلّی

میری اہلیہ صاحبہ نے اپنی بچپن کی بیماری کا واقعہ بیان کیا کہ وہ ایک مرتبہ سخت علیل ہوئیں ، ان کی دادی صاحبہ نے خیال کیا کہ انھیں حضرت بابا صاحب کے پاس حاضر کیا جائے چنانچہ اہلیہ صاحبہ کو حضور بابا صاحب کے قدموں پر لیجا کر ڈال دیا گیا ۔ بابا صاحب قبلہ نے اس کے سر پر دستِ شفقت پھیر کر ارشاد فرمایا ۔

"ابھی نہیں مرتے ، دال کھانا کھاتے اور ٹھنڈا پانی پیتے
اور زندہ رہتے "

اسی طرح کئی بار ارشاد فرمایا ۔ سب لوگ خوشی خوشی واپس ہوئے اور کچھ ہی دنوں میں انھیں صحتِ کُلی حاصل ہو گئی ۔

مٹّی کی خوراک

چند دنوں کے بعد اہلیہ کا بھائی سخت بیمار ہوا اس کو بھی حضور بابا صاحب کی خدمت میں لیجایا گیا وہ لوگ ابھی کچھ فاصلے پر تھے کہ بابا صاحب فوراً اُٹھ بیٹھے اور پریشان ہو کر چند قدم چلے اور رُک گئے ۔ پھر ارشاد فرمایا ۔

"مٹّی میں جاتے ہیں ، مٹّی میں ڈال دے جی ۔ مٹّی کی خوراک کو کاہے
کو لائے جی "

ناچار وہ لوگ بچّے کو لیکر واپس ہوئے اور آٹھ دن بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

کھانے میں برکت

کریم داد خاں بھوپال میں اسسٹنٹ کلکٹر تھے۔ آجکل بہار کالونی میں مقیم ہیں، بیان کرتے ہیں کہ میرے استاد جو مجھے پڑھاتے تھے بابا صاحب کے بڑے معتقد تھے وہ ناگپور بابا صاحب کی خدمت میں جانے والے تھے مجھے بھی اشتیاق ہوا اور والد سے اجازت لیکر ان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ جب ہم بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے (اس وقت حضور واکی شریف میں تھے) حضور ایک باغ میں قیام فرما تھے، حضور نے ناشتہ طلب کیا سب نے ناشتہ پیش کیا مگر وہ ناکافی تھا حضور نے سب ناشتہ ملا کر ایک کر دیا۔ باوجود بہت کم ہونے کے سب شکر سیر ہو گئے۔

علمِ لدنی

حضرت قبلہ فرماتے تھے کہ ایک دن بابا نے ہمارے سر پہ ہلکے سے ایک طمانچہ رسید کیا۔ اس کا معاً یہ اثر ہوا کہ علوم و معارف کے چشمے دل و دماغ سے اُبلنے لگے قرآن کے اسرار و معارف خود بخود منکشف ہو گئے۔

اِحترامِ شریعت

مناجات
تلاوتِ قرآن
تلاوت
نعت خوانی
نعتیہ اشعار
درود شریف اور تلاوتِ قرآن
نماز، پہلے نماز
نماز کا حکم
نماز کا اہتمام
ربُّ العلمین تاج الدین

رفع یدین
تاج الدین نورُ اللہ
چند مسائل
جاء الحق وزھق و باطل
سود
نشہ سے پرہیز
زنا سے نجات
بڑے نجاس
بیتہ بچھو
ایفائے نذر

مُناجات

جناب فرید صاحب فضا بیان کرتے ہیں کہ حضور بابا صاحب، مناجات میں سعدی علیہ الرحمۃ کے یہ اشعار کبھی تعظیماً وردِ زبان ہوتے ہے

کریما بہ بخشائے بر حالِ ما   کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا
نداریم غیر از تو فریاد رس   توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

تلاوتِ قرآن

حضرت قبلہ و کعبہؒ نے ایک روز فرمایا، بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ رات کے پچھلے حصہ میں اکثر تلاوتِ قرآن فرماتے، آواز میں اتنی کشش اور اتنا سوز و گداز تھا کہ سننے والوں کو تن بدن کا ہوش نہیں رہتا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی دِل کو کھینچ رہا ہے۔

خان بہادر صاحب ایک رات بابا صاحب کی خدمت میں تھے، رات میں حضور نے قرآن شریف پڑھا۔ خان بہادر صاحب کا بیان ہے کہ حضور کی آواز دِل کو اس طرح برماتی تھی جیسے کوئی چیز دل میں اُتر کر دِل کو کھرچ رہی ہو اس قدر سوز و گداز، جذب و درد آواز میں تھا کہ اس کی تشریح ممکن ہے اور نہ اس کی تاثیر بیان ہوسکتی ہے۔

جناب فریدالدین فضا بیان کرتے ہیں، کہ موضع ببول کھیڑا میں ایک روز حضور بابا صاحب رونق افروز تھے، دس بجے شب کے قریب حضور کی طبیعت استراحت کی طرف مائل ہوئی، خدام نے فرش بچھایا، تکیہ رکھا، آپ لیٹ گئے اور خدام نے چادر اوڑھادی، صرف دو خادم رہ گئے، گاؤں والوں کو بھی خادموں

نے ہٹادیا، میں جاگتا رہا، بمشکل آدھ گھنٹے آرام فرمایا ہوگا کہ آپ نے مجھسے فرمایا۔

"حضرت! بیڑی نہیں پلاتے"

میں اُس زمانہ میں بیڑی کا عادی نہیں تھا مگر پان، بیڑی اور ناس ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا کیونکہ یہ تینوں چیزیں آپ کبھی کبھی طلب فرمایا کرتے تھے۔ میں نے بیڑی جلاکر پیش کردی آپ نے دو تین کش لگاکر بیڑی پھینک دی۔

تلاوت

اُس کے بعد قرآن شریف کی تلاوت شروع کردی، قرآن کے کسی ایک مقام سے آپ چار پانچ آیتیں پڑھتے اور اس کے بعد اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔ پھر کسی مقام سے چار پانچ آیات تلاوت فرماتے، پھر اسی تکبیر مبارک کی تکرار فرماتے۔ غرضیکہ اسی طرح تین چار مقامات سے چار چار پانچ پانچ آیات آپ نے پڑھیں اور تکبیر کی تکرار فرمائی۔ پڑھنے کا انداز اتنا دلکش، موثر اور پُرکیف تھا کہ مجھے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ یہی محویت اور ربودگی طاری تھی کہ وہ آیات بھی مجھے یاد نہ رہیں آجتک وہ سرور وکیف میری روح میں موجود ہے لیکن الفاظِ بیان سے قاصر ہوں، میں اس کیفیت کو ظاہر کرہی نہیں کرسکتا۔ تلاوت ختم کرنے کے بعد آپ نے مجھسے ارشاد فرمایا

"اب حضرت قرآن تم سُناؤ"

ارشادِ عالی سُن کر جیسے مجھے ہوش آگیا، میں نے سورہ مزمل شریف کی تلاوت شروع کردی جب میں اس آیت پر پہنچا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ط تو آپ نے فرمایا، بس حضرت تم بھی پڑھو اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ اللہ اکبر اللہ اکبر وللہِ الحمد۔

چنانچہ میں نے تکبیر پڑھی۔

نعت خوانی

بعد ازاں حضور نے نہایت ہی وجد و کیف کے عالم میں باآواز بلند یہ پڑھنا شروع کیا:۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ　　　کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ　　　صلوا علیہ و اٰلہٖ

بار بار اس کی تکرار فرماتے رہے، ہر مرتبہ ایک عجیب کیفیت سی ہوتی رہی، آپ نے پھر یہ شعر نہایت ہی پُرجوش لب و لہجہ میں پڑھا ؎

چہ غم دیوارِ اُمت را کہ باشد چوں تُو پشتیباں
چہ باک از موجِ بحر آنرا کہ باشد نوح کشتیباں

بعد ازاں یہ شعر بار بار باآواز بلند پڑھا ؎

مرحبا سیّدِ مکی، مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آپ کی آواز سُن کر مجمع بڑھنے لگا تو میں رخصت ہوگیا۔ میں نے آپ کی اجازتِ تکبیر سے حج کا ارادہ مُراد لیا، الحمد للہ! کہ میں حج کی سعادت سے مشرف ہوا، اور فاتخذہُ وکیلاً والی آیت "بس حضرت" فرما دینے سے میرے دل کو یہ ہدایت ہوئی کہ میں اپنے رب کو تمام امور میں کارسازِ حقیقی سمجھنے لگا، دنیاوی حکام کی مدح، خوشامد اور خوشنودی جو لبسلسلہ ملازمت ضروری سمجھتا تھا اُس سے بیزار ہوگیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدت العمر مجھے کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

نعتیہ اشعار

حضرت قبلہ و کعبہ نے ایک روز فرمایا، اکثر یہ اشعار التزاماً پڑھیئے ؎

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

چہ عجب خوش لقبی کے بجائے بابا پڑھتے

"چہ عجب بے عجبی"

سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ نعتیہ بھی اکثر پڑھتے

چہ غم دیوار امت را کہ باشد توں پشتیباں
چہ باک از موج بحر آں را کہ باشد نوح کشتیباں

درود شریف اور تلاوت قرآن

حاضرِ دربار ہونے والوں میں سے تقریباً ہر شخص کو ذکرِ الٰہی کی تعلیم وتلقین فرماتے، اس میں دعا بھی شامل ہوتی، اکثر یہ جملے زبان سے ادا فرماتے

"اللہ اللہ کرتے اچھے رہتے"

"مسلمانوں کے لئے دو عمل نہایت ضروری ہیں، درود شریف اور تلاوت قرآن"

"تلاوت قرآن سے ضعیف قوی ہوجاتا ہے"

نماز

پہلے نماز

حال ہی میں مولانا عبدالرؤف خطیب نور مسجد صدر، کراچی اپنے عزیزوں کے ساتھ میرے مکان پر آئے، فرمایا، میں مولوی آدمی بزرگوں کا قائل نہ تھا، مگر بابا صاحب کی خدمت میں جاکر قائل ہونا پڑا، ناگپور اسٹیشن سے نماز ظہر پڑھے بغیر ہم لوگ جلدی اس لئے چلے کہ کہیں بابا صاحب باہر نہ نکل جائیں، نماز کا وقت وہاں پہنچکر بھی رہے گا، ہم لوگ

جیسے ہی حاضرِ خدمت ہوئے فرمایا

"تاج الدین چڑیل ہے جو اُڑ جاتا؟ نماز پڑھے بغیر چلے آئے، جاؤ پہلے نماز پڑھو"

نماز کا حکم

مولوی سید ضیاء الحق ایڈوکیٹ مقیم کراچی کو حضور کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہے، اُن کا بیان ہے کہ ایک رات وہ حضور کے ساتھ جنگل میں پھر رہے تھے، مجمع پیچھے پیچھے تھا، میں حضور کے ساتھ مؤدب فاصلے پر چل رہا تھا، حضور پر رات بھر عجیب وغریب کیفیات طاری رہیں، صبح کے قریب میں نے چاہا کہ نمازِ صبح پڑھوں، پھر خیال ہوا کہ میں نماز میں لگا تو نہ جانے حضور کہاں چلے جائیں، آپ کی خدمت سے علیحدہ ہو کر نماز کو جانا گوارہ نہ تھا، اس مبارک صحبت کا ہر لمحہ میرے لئے عبادت تھا، اس لئے میں نے طے کیا کہ اگر حضور کو مجھے نماز پڑھوانا ہے تو حکم دیں گے یا اشارہ فرمائیں گے، حضور چلتے چلتے کھڑے ہو گئے میں نے سمجھا کہ یہ قیام کا اشارہ ہے، مگر ہو سکتا کہ اتفاقی امر ہو، اس لئے کوئی دوسرا اشارہ ہونا چاہیئے۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد حضور ایک ٹیلہ کے ڈھال پر بیٹھ گئے۔ میں نے اشارہ تو نہ سمجھا مگر یہ خیال ہوا کہ نماز کی مہلت ملی، ذرا دور جا کر نماز پڑھی، نہ جانے نماز ہوئی بھی یا نہیں، نماز پڑھوانا ہے تو حضور رکوع کا ارشاد فرماتے جو مکمل اشارہ ہے، اسی خیال کو لئے ہوئے حاضر ہوا تو حضور مجھے دیکھ کر رکوع میں گئے اور رکوع سے کھڑے ہو کر میری طرف دیکھ کر فرمایا سمع اللہ لمن حمدہ — میرے تمام خطرات کا جواب مل گیا۔

نماز کا اہتمام

ایک مرتبہ شکردرہ باؤلی کے قریب جہاں حضرت قبلہ و کعبہ بابا یوسف شاہ تاجیؒ کو حضور نے ٹھہرایا تھا حضور بابا صاحب تشریف فرما تھے، مغرب کا وقت ہو گیا، اذان ہوئی، حضور نے تمام حاضرین

کو حکم دیا "جاؤ اذان ہوگئی ہے" پھر دوسری بار فرمایا "جاؤ اللہ اللہ کرو" چنانچہ سب نے تعمیلِ حکم کی۔

دوسرے ہی دن ایک انجمن قائم ہوئی جو حاضرینِ دربار کو نماز کی دعوت دیتی تھی، کچھ لوگوں نے اس دعوت کو رد کیا اور کہا، ہمیں حضور کا سہارا کافی ہے۔

دوسرے دن یہ لوگ بغرضِ قدمبوسی حاضر ہوئے تو حضور نے اُن کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا" فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ یعنی اعمالِ خیر و شر کا ذرہ ذرہ محاسبہ میں آئیگا۔

ربّ العٰلمین تاج الدین

مولینا قاضی نور احمد صاحب ضلع چاندہ سے حاضرِ دربار ہوئے، یہ اہلحدیث غیر مقلد تھے، حاضر ہونے کا مقصد تصدیقِ واقعات تھا۔

بابا کے تصرفات کی ہر طرف عالم میں دھوم تھی، یہ انبیاء علیہم السلام کو مجبورِ محض سمجھنے والے بھلا کسی ولی کے تصرفات کا اعتراف کس طرح کر لیتے، ادھر جن احباب سے واقعات سُنے، اُن کو جھوٹا نہیں جانتے تھے، مجبوراً خود بہ نفسِ نفیس شکردرہ حاضرِ دربار ہوئے، چند روز قیام کیا، یہاں حاضرینِ دربار کے احوال کا معائنہ کیا تو بدعقیدتی اور بھی بڑھی، نہ خدا کا ذکر ہے نہ رسول کا نام ہے، جدھر دیکھئے بابا ہی بابا وردِ زبان ہے، لوگ ہیں کہ بابا کے نام کا وظیفہ پڑھ رہے ہیں، انھیں حاجت روا اور مُشکلکشا اور نہ جانے کیا کیا سمجھ رہے ہیں؟ ان کی پاؤں کی خاک کو سُرمہ بناتے ہیں، "سلام علیکم" کے بجائے قدمبوسی اور سجدہ ریزی۔ یہ تمام مناظر دُور ہی دُور سے دیکھتے رہے اور سب کو کافر، مشرک، بدعتی قرار دیتے رہے۔ اتفاقاً ایک دن باباصاحب شکردرہ سے باہر برآمد ہو رہے تھے، دروازہ سے لیکر سڑک تک دو رویہ قطار میں ہزاروں زائرین مودب دست بستہ کھڑے تھے، ان میں کہیں قاضی صاحب بھی تھے، باباصاحب برآمد ہوئے، دونوں صفوں

کے درمیان سے سر جھکائے گذر رہے تھے کہ وہاں گذر ہوا جہاں قاضی صاحب کھڑے تھے، چلتے چلتے حضور نے قاضی صاحب کی طرف مُنہ کیا اور ایک نظر ڈال کر آگے بڑھ گئے، قاضی صاحب کھو گئے، سارا علم غائب، حواس گم، عقل رخصت، عشق بیدار ہوا، باطن میں ایک شدید تغیر نے انگڑائی لی، جذب طاری ہوگیا۔

حضرت قبلہ و کعبہ پیر و مرشدؒ اپنا مشاہدہ بیان فرماتے، اُن کی نظر میں سوائے بابا کے کوئی چیز باقی نہیں تھی یا کوئی چیز نہ تھی جو اُن کی نظر میں بابا نہ ہو، نماز کو جذب میں بھی ترک نہ کیا مگر پڑھنے کا یہ حال تھا

بِسمِ اللّٰہِ الرحمٰنِ الرحیمِ ○ بابا تاج الدین

اَلحمدُ لِلّٰہِ ربّ العٰلمین ○ بابا تاج الدین

الرّحمٰن الرحیم ○ بابا تاج الدین

مَالِكِ یومِ الدّین ○ بابا تاج الدین

ایّاك نعبدُ وایّاك نستعین ○ بابا تاج الدین

اھدنا الصراط المستقیم ○ بابا تاج الدین

صراط الذین انعمت علیھم ○ بابا تاج الدین

غیرِ المغضوبِ علیھم ولا الضالین ○ بابا تاج الدین

آمین ○ بابا تاج الدین

رفع یدین

نماز میں رفع یدین برابر جاری تھا، مگر خیال ہوا کہ بابا صاحب کا دربار حنفی ہے، اس لئے رفع یدین ترک کر دینا چاہئیے، اس خیال پر عمل کرنے سے پہلے حضرت قبلہؒ سے مشورہ کیا۔ اُنھوں نے بھی فرمایا کہ آپ کے رفع یدین پر دربار کے بہت سے لوگوں کو اعتراض بھی ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے رفع یدین ترک کر دیا اُسی دن حضرت قبلہ و کعبہ کے ساتھ بابا کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت قبلہ و کعبہ

فرماتے تھے کہ ہم دونوں کے سامنے جاتے ہی حضور نے مجھسے فرمایا

"فعلِ رسول پر اعتراض نہیں کرتے، حضرت!"

پھر قاضی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا

"ہمیشہ کی طرح نماز پڑھتے، گڑبڑ نہیں کرتے، نہیں تو ہڈی توڑ دیتا ہوں"

قاضی صاحب متنبہ ہوئے اور نماز حسب معمول پڑھنا شروع کردی۔ چند روز تربیت میں رکھنے کے بعد حضور نے دعاؤں کے ساتھ اُن کو گھر جانے کی اجازت دے دی۔

تاج الدین نُورُ اللہ

گھر پہنچ کر، غلبہ حال میں اُنھوں نے ایک جھنڈا نصب کیا جس پر تحریر تھا

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ

تاج الدین نورُ اللّٰہ

دوسری حرکت یہ کی کہ بابا صاحب کا ایک چھوٹا سا فوٹو، ایک چاندی کے تعویذ میں منڈھوا کر، بازو بند بنا کر ہاتھ پر باندھ لیا اور بابا صاحب کی مناقب خوانی، علی الاعلان کرنے لگے، قال اللہ قال الرسول یک قلم غائب، بابا صاحب کے گیت ہر وقت گائے جا رہے ہیں، ایک رات خواب میں دیکھا کہ بابا صاحب طلب فرما رہے ہیں۔

دوسرے دن حاضر دربار ہوئے، بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر قدمبوس ہوئے بابا نے فرمایا

"بازو بند کھول دو"

"جھنڈا اُتار دو"

تعمیلِ حکم کی گئی۔ اُس کے بعد محبت میں غلو تو ضرور باقی رہا مگر اس کا اظہار ممنوع ہونے کی وجہ سے اسرار بن گیا۔

سُود

خدائے رام پکا سود خوار تھا، سو روپے کے کئی سو روپے وصول کرتا تھا، وا کی شریف میں حضور کے سامنے آیا تو خار دار لکڑی سے خوب پیٹا اور فرمایا

"بڑا ظالم ہے، مخلوق کو ستاتا ہے، سود کھاتا ہے"

پھر فرمایا

"سود چھوڑ دے ورنہ جہنم میں جائے گا"

اس پر یہ اثر ہوا کہ دنیا چھوڑ کر وہیں بیٹھ گیا، عمر بھر حاضرِ دربار رہا، مولینا نجم الدین اُس کے ہم وطن تھے۔

نشہ سے پرہیز

حضرت قبلہ و کعبہ نے ایک روز فرمایا، بابا کا ارشاد ہے "ہمارے بچے نشہ نہیں کرتے" آپ کی نظر جس کسی پر پڑی، مستی کی حقیقت کھل گئی ؎

مستِ مئے بیدار گردد نیم شب
مستِ ساقی روزِ محشر بامداد

زنا سے منع

طوائف بکثرت حاضرِ دربار ہوتی تھیں، بظاہر یہ امر ظاہر بینوں پر گراں گذرتا تھا، مگر حالات سے باخبر لوگوں کو معلوم تھا کہ شاید ہی کوئی طوائف ایسی ہو جو حاضر ہوئی ہو اور اس کی زندگی نہ بدل گئی ہو۔

دُنیا طلبی کی غرض سے آنے والے دنیاوی اغراض میں کامیاب ہوتے ہوتے خود بخود طالبِ دین بن جاتے تھے اور اپنے صدق و اخلاص کی بدولت ولایت کے مراتب طے کرتے۔ آپ کے حُکم سے لوگوں کی تقدیریں بدل جاتی تھیں۔ طوائفوں کو مختلف انداز میں حکم دیا جاتا تھا۔ کبھی فرماتے

"اماں! سواری کے لئے ایک گھوڑا پسند کرلو"

کبھی فرماتے

"زیادہ کیلے نہیں کھاتے"

بڑے نجاس ایک دن طوائفوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا

"حضرت یہ لوگ بڑے نجاس ہیں"

پتہ بچھو ایک طوائف قدمبوسی کرنا چاہتی تھی، آپ نے ایک درخت کا پتہ، جو سامنے پڑا تھا اُس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا

"اس کو سجدہ کرو، یہ تمھارا معبود ہے"

جب اُس نے پتہ پر سجدہ کرنا چاہا تو پتہ بچھو کی صورت بن کر ڈنک مارنے لگا طوائف نے ڈر کے مارے سر اُٹھا لیا، دیکھتی ہے بچھو نہیں ہے پتہ ہے۔ آپ نے پھر فرمایا

"اپنے معبود کو سجدہ کرو"

اس نے سجدہ کرنا چاہا تو پتہ نہیں تھا، بچھو تھا، بڑی دیر تک یہی کیفیت رہی۔ آخر اُس نے گناہوں سے توبہ کی اور ہدایت قبول کی، نکاح کر لیا ؎

گر تو سنگِ خارہ مرمر شوی

چوں بصاحبدل رسی گوہر شوی

ایفائے نذر الہ آباد کی ایک طوائف حاضرِ خدمت ہوئی، اُس کی ماں نے درخواست کی، بابا میں اپنی بچی کو گانے بجانے کی زندگی سے بچانا چاہتی ہوں مگر معاشی تنگی سے مجبور ہوں، دعا کیجئے، کسی اچھی جگہ اس کا ٹھکانہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا

"بڑے آدمی سے نکاح ہو جاتا ہے، بہت خوش رہتی ہیں، لڑکا پیدا ہوتا ہے، تو اپنے بابا کے دربار میں حاضر ہو کر نیاز کرتی ہوں غریبوں

کو کھانا کھلاتی ہیں"۔

حضور کا ارشاد حرف بحرف پورا ہوا، ایک بڑے آدمی سے نکاح ہو گیا، بڑے کر و فر سے زندگی بسر ہونے لگی، نویں مہینے لڑکا پیدا ہوا، بڑی دھوم دھام سے عقیقہ ہوا، نیاز کا کھانا پکایا گیا، غریبوں کو خوب کھلایا گیا، خود نے کھایا، اسی وقت سے پیٹ میں درد شروع ہوا، ہزار علاج معالجہ کیا گیا، افاقہ نہ ہوا بلکہ زیادتی ہوتی رہی، مرغ بسمل کی طرح رات دن تڑپتی، کسی کروٹ چین نہ آتا، سوکھ کر کانٹا ہو گئی۔ حکیم حیران، ڈاکٹر پریشان، جان نکلتی ہے نہ آرام آتا ہے، کامل ایک سال کے بعد جب اُمید زیست منقطع ہوئی، ایک رات آنکھ لگی یا غفلت طاری ہوئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ بابا صاحب تشریف لائے اور فرما رہے ہیں

"کیوں فقیر سے دھوکا اور بے وفائی کہ نذر پوری کرنے کو حاضر دربار نہیں ہوئی"

خیال آیا، واقعی غلطی ہوئی، بچہ کی کم عمری کی وجہ سے میں نے جان کر ناگپور جانا ملتوی کر دیا تھا اور نیاز گھر پر ہی کر دی تھی۔

اپنی غلطی پر پشیمان ہوئی، ہر چند سفر کے لائق نہ تھی، مگر ناگپور روانگی کا ارادہ کر لیا پیٹ کا درد موقوف ہو گیا، ناگپور پہنچی تو اچھی خاصی طبیعت بحال ہو چکی تھی، بابا کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضور نے وہی الفاظ دُہرائے جو خواب میں فرما رہے تھے۔

"کیوں فقیر سے یہ دھوکا اور یہ بے وفائی کی، نذر پوری کرنے حاضر دربار نہیں ہوئی"

اس نے پاؤں میں سر رکھ کر معافی چاہی، اپنے دعائیں دیں، قصور معاف کر دیا

اِنَّ اللّٰہ ھو التواب الرحیم۔

چند مسائل ان احکام کی روشنی میں جو قاضی صاحب کے معاملہ میں حضور بابا صاحب نے صادر فرمائے چند مسائلِ شرعی حل ہو جاتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ بابا صاحب ایسے صاحبِ باطن، عظیم الشان ولی اللہ کو شریعتِ مطہرہ کا کس قدر پاس تھا؟

اول:- نماز ہمیشہ کی طرح پڑھتے رہنے سے شافعی طریقہ کی نماز پڑھنے کی اجازت دینا۔

دوم:- گڑبڑ نہیں کرتے، فرما کر الحمد شریف پر جو حاشیہ چڑھایا گیا تھا اُس کی ممانعت، باز نہ آنے کی صورت میں ہڈی توڑ دینے کی تہدید۔

سوم:- بازو بند کھول دینے کا حکم جس میں فوٹو تھا، اگرچہ وہ لوگوں کی نظروں سے چھپا ہوا تھا مگر وہ نظرِ ولایت سے نہ چھپ سکا۔ اس لئے فوٹو کے متعلق آپ کا منشاء واضح ہو جاتا ہے۔

جو لوگ بابا صاحب کے فوٹو کو ہندوؤں کی طرح پوجتے ہیں، یہ نادانی سے اس بات کو نہیں سمجھتے کہ خود بابا صاحب اس بات سے خوش نہیں ہیں کہ اُن کو بت بنایا جائے، اُن کا مشن تو کھُلم کھُلا بت شکنی تھا، خود راجہ کے مندر کی مورتیوں کو اُٹھا کر ادھر اُدھر پھینکا، اُن پر پیشاب کیا، جب راجہ سے ہندوؤں نے شکایت کی تو راجہ نے کہا "بابا صاحب بھی دیوتا ہیں، یہ دیوتاؤں کا معاملہ ہے، ہم آپ کو بیچ میں نہیں پڑنا چاہیئے"۔

تعجب ہے کہ بابا کے نام لیوا، آج بابا کے فوٹو کو بابا کا قائم مقام سمجھتے ہیں اور اس کی پرستش کو اچھا جانتے ہیں، ان کو محبت کا دعویٰ کرنے سے شرمانا چاہیئے کہ ان کا دل کاغذ کے ٹکڑے سے بھی گیا گذرا ہے، کاغذ کے ٹکڑے کی نسبت کتنی اچھی ہے کہ بابا کے عکس کو قبول کیا اور اس دل کو بابا سے کیا نسبت ہے جس میں بابا صاحب کا تصوّر

جم کر تصویر نہ بن سکا۔

یہ واقعہ ہے کہ اس دنیا میں شاید ہی کسی بزرگ کا فوٹو اتنا مقبول عام ہوا ہو جتنا کہ باباصاحب کا فوٹو مقبول ہوا۔ سی، پی ہندو اکثریت کا صوبہ ہے، وہاں کسی ہندو کا گھر ایسا نہ ملے گا جہاں یہ فوٹو نہ ہو۔ ہندو باباصاحب کو اوتار مانتے تھے، انھوں نے اس فوٹو کی پرستش شروع کر دی، دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی فوٹو کی تعظیم وتکریم کو اپنایا۔ باباصاحب سے جو عقیدت ہے، وہ اس کی مقتضی ہے کہ آپ کے فوٹو کا احترام کیا جائے مگر احترام کی صورت ایسی نہ ہونا چاہیئے کہ بُت پرستی کی حد تک پہنچ جائے۔

جاء الحق وزحق الباطل

ناگپور کے کسی مندر میں ایک بہت بڑی مورتی تھی جس کا وزن ۱۲ من سے زائد تھا جو نہایت مضبوطی سے مجسمہ کی صورت میں فرش سے مستحکم نصب کی گئی تھی، حضور باباصاحب نے ایک رات اس کو زمین سے اکھاڑ کر دور لیجا کر ڈال دیا، صبح شور وغوغا ہوا، کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کام کس نے کیا؟ آخر اس بُت کو گاڑی میں ڈال کر لایا گیا اور پھر مندر میں نصب کر دیا گیا۔ دوسری رات پھر باباصاحب کو دیکھا گیا کہ وہ اس مورت کے بال پکڑے، گھسیٹے لئے جا رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں" پھر آگیا، پھر آگیا، میں نے تجھے یہاں سے نکالا تھا، پھر آگیا"۔

دیکھنے والے حیران وششدر رہ گئے ؎

ہر کہ عاشق گشت حُسنِ ذات را

اوست سید جملہ موجودات را

طرزِ خطاب

حضرت باباصاحب کو جو شخص جس طرح خطاب کرتا آپ بھی اسی طرح خطاب فرماتے۔ بابا کہنے والوں کو آپ بھی بابا فرماتے۔ بھائی کہنے والوں کو آپ بھی بھائی فرماتے۔

مثالی زبان

جنگل کے معنیٰ
یاسین خاں
اَلسی
کرم خوردہ پتّہ
پتّہ
پتّہ کا تعویذ
لے جا کر آ
مٹی کھودتے
جنگل جنگل

حضرت قبلہ وکعبہؒ نے ایک روز فرمایا کہ بابا کے ارشادات نہایت بلیغ اور پُرمعنی ہوتے تھے۔ کلام الملک ملک الکلام آپ کے کلام کی صفت ہے آپ کی بات سمجھنے کے لئے بھی آپ کی دی ہوئی فہم کی ضرورت تھی۔ حاضرین سے اکثر آپ اُنھیں کی زبان گفتگو فرماتے، ہم نے تجربہ کیا دنیا کی اور بہت سی مشہور معروف زبانوں کے علاوہ آپ اور بھی بہت سی زبانوں میں کلام فرماتے۔ انگریز سے انگریزی میں، ہندی سے ہندی میں، گجراتی سے گجراتی میں، عرب سے عربی میں، ایرانی سے فارسی میں ترکی سے ترکی میں، جرمنی سے جرمنی میں، جاپانی سے جاپانی میں بے تکلف کلام فرماتے اُن کی مُرادیں جواب میں پوری فرماتے۔ ہمارے شکردرہ کے دورانِ قیام میں یہ خدمت ہمارے سپرد تھی، لوگ ہم سے آکر مطلب دریافت کرتے اور ہم سمجھاتے لیکن اظہارِ حقائق میں آپ کی زبان مثالی ہوتی اور جس پر عالم مثال منکشف نہ ہوتا وہ اُس کا مطلب کیا سمجھتا؟

جنگل کے معنیٰ ایک دن بابا صاحب نے ایک صاحب کو جو جنگل کی ملازمت میں پریشان تھے حکم دیا۔

"جنگل جاتے، پان کھاتے"

یہ اس کا مطلب نہیں سمجھے، ہمارے پاس آئے، ہم نے کہا جنگل کا مطلب ہمارے یہاں شہر ہے، آپ کو شہر میں رہ کر سرخروئی حاصل ہوگی، موجودہ پریشانی دُور ہو جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، وہ صاحب شہر میں تبدیل ہو کر آگئے اور ہم سے بمقام ساگر سی پی بڑی محبت و عقیدت سے ملے۔

یاسین خاں حضرت قبلہ وکعبہؒ نے ایک روز فرمایا ایک صاحب سورۂ لیٰسین شریف کثرت سے پڑھتے تھے، ایک عرصے سے اُس کے عامل تھے، اتفاقاً حاضرِ دربار ہوئے۔ بابا صاحب نے

انھیں دیکھکر فرمایا "یاسین خواں"۔ انھوں نے عرض کیا "حضور میرا نام تو یاسین خاں نہیں ہے"۔ حضور نے پھر فرمایا "یاسین خواں"۔ وہ پھر بھی نہ سمجھے۔ ہم پاس کھڑے تھے، چپکے سے پوچھا آپ سورۂ یٰسین پڑھتے ہیں؟ انھوں نے جواب میں کہا، اس کا تو میں عامل ہوں، اور بات سمجھ گئے۔

السی

ایک صاحب[1] ملازمت کی درخواست لیکر حاضر دربار ہوئے، وہ کسی دفتر میں درخواست دینا چاہتے تھے، مگر پہلے بابا کا حکم لینا چاہتے تھے۔ آپ نے درخواست ہاتھ میں لے کر فرمایا "السی"۔ اور درخواست ان کو واپس کردی وہ کچھ نہ سمجھے مگر درخواست بہرحال دفتر میں جا کر پیش کرتا تھا۔ افسرِ اعلیٰ نے اس پر لکھا "I will see" اور زبان سے بھی یہی کہا "آئی ول سی" اور اس لب و لہجہ میں کہا کہ "السی" کا مطلب ان کی سمجھ میں آگیا۔

کرم خوردہ پتّہ

ایک بہت بڑے جاگیر صاحب حاضرِ دربار ہوئے اُن کی تمام جاگیر ضبط ہو رہی تھیں، گورنمنٹ اُن سے جاگیر کی سند اسناد طلب کر رہی تھی، اور وہ پیش کرنے سے قاصر تھے، کس زمانہ میں کس کی طرف سے یہ جاگیر حاصل ہوئی؟ اس کا کوئی ثبوت ہاتھ نہیں آتا تھا۔ جس وقت یہ جاگیردار صاحب حاضر ہوئے، حضور بابا صاحب جنگل میں ایک آم کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ایک پتّہ اُٹھا کر اُن کو دے دیا، یہ پتّہ جگہ جگہ سے کرم خوردہ سا تھا۔ جاگیردار نے سلام کر کے پتّہ لے لیا۔ آپ نے فرمایا۔

"جاؤ، فتح کرو"۔

---

[1] یہ صاحب آجکل بہار کالونی کراچی میں مقیم ہیں اور اس واقعہ کو انھوں نے مجھ سے بھی بیان کیا، مجھ سے بڑی محبت رکھتے ہیں اور خلوص سے ملتے ہیں۔

وہ گئے، جاکر حکم دیا کہ دفتر کے پرانے کاغذات میں تلاش کرو، مجھے یقین ہے کہ کوئی سند ضرور ملے گی۔ خدا کی شان! ایک پٹہ ملا جو اس پتہ کی طرح جگہ جگہ سے کرم خوردہ تھا (جو بابا صاحب نے عطا کیا تھا) مگر عبارت صاف بچی ہوئی تھی۔ جاگیردار نے بڑی خوشی منائی اور پٹہ گورنمنٹ میں پیش کیا، جاگیر بحال ہوگئی، احکامِ ضبطی منسوخ ہوگئے شکرورہ حاضر ہو کر انھوں نے بڑی خیر خیرات کی۔

پتّہ

حاجی لطیف کتیانے والا ایک غریب آدمی تھا، بابا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُس کو ایک پتّہ اُٹھا کر دے دیا، اُس نے سنبھال کر رکھ لیا اور جی میں کہا، مجھے بابا نے پتّہ دیا ہے، اس لئے پتّہ کا روزگار کرنا چاہئیے۔ بیڑی کے پتوں کی خرید و فروخت کرنے لگا اور بیڑی کا کام شروع کر دیا، چند روز میں لاکھوں کے وارے نیارے ہوگئے۔ اور یہ فرم اپنی اس روایت کے ساتھ آجتک زندہ و پائندہ ہے اور کمالِ عروج پر ہے۔

پتّہ کا تعویز

جس سال سلور جوبلی ہوئی تھی (شہنشاہ برطانیہ کی) میں ناگپور شریف عرس میں حاضر ہوا تھا، دورانِ عرس میں ایک جلسۂ عام ہوا تھا، اس میں حضرت قبلہ و کعبہؒ نے بیان فرمایا تھا، اور بھی مقررین تھے، ان میں منشی ارپرشاد امراؤتی والے بھی تھے۔ اُنھوں نے ایک انگریز کا واقعہ بیان کیا جو غالباً ناگپور میں اُس وقت ڈپٹی کلکٹر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میں ذیابیطس میں مبتلا تھا۔ ولایت میں بہت کچھ علاج کرایا مگر فائدہ نہ ہوا۔ اتفاق سے میرا تقرر ہندوستان میں ہوا اور میں ناگپور آگیا۔ یہاں جو انگریز پہلے سے موجود تھے وہ سب کے سب بابا صاحب سے عقیدت رکھتے تھے اور جو حالات میں نے بابا صاحب کے اُن سے سُنے، اگر میں کسی ایسے شخص سے سُنتا جو انگریز نہ ہوتا تو کبھی یقین نہ کرتا۔ مگر مجھے اپنے انگریز دوستوں پر اعتماد تھا اس لئے یقین پیدا ہوا اور خیال آیا کہ میں بھی کسی وقت

حاضر ہو کر اپنی صحت کے لئے دعا کراؤں ۔

ایک دن میں اپنے دوستوں کے ساتھ حاضر ہوا، اُس وقت بابا صاحب جنگل میں زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سلام کیا، آپ نے ایک گھاس کا پتہ توڑ کر مجھے دے دیا، میں چلا آیا اور اس پتے کو سونے کے تعویز میں محفوظ کر کے اپنے بازو سے باندھ لیا جو آجتک بندھا ہوا ہے، اُس دن سے آجتک وہ شکایت پھر مجھے کبھی نہیں ہوئی ۔

لے جا کر آ

ناگپور پاگل خانے کے مہتمم ڈاکٹر عبدالمجید تھے، حضور کی کرامتوں کا سکہ اُن کے دل پر ایسا جم گیا تھا کہ اپنا کوئی کام بھی حضور کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے ۔

ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب کو ناگپور سے کسی تقریب میں بمبئی جانا تھا، حضور سے اجازت چاہی، آپ نے بمبئی جانے سے منع فرما دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے پھر اجازت طلب کی تو حضور نے ایک پتہ توڑ کر ڈاکٹر صاحب کو عطا کیا اور فرمایا ۔

"نہیں مانتا، لے جا کر آ"

ڈاکٹر صاحب نے پتہ اپنے پاس رکھا اور بمبئی کے ارادے سے روانہ ہو گئے۔ بھساول اسٹیشن پر اترے اور پٹری عبور کر کے دوسرے پلیٹ فارم پر جانے لگے، اچانک ایک انجن پوری رفتار سے آتا ہوا اُن کے پاس آکر رُکا اور یہ بیہوش ہو کر گر پڑے، یہ حالت دیکھ کر لوگوں نے شور و غل مچایا کہ دیکھو وہ آدمی کٹ گیا، ادھر انجن ڈرائیور اور دوسرے ملازمین نیچے اُترے اور ڈاکٹر صاحب کو اٹھا کر پلیٹ فارم پر لے آئے ۔ جب وہ ہوش میں آئے تو ڈرائیور نے پوچھا سچ بتائیے، آپ کون بزرگ ہیں کہ پوری رفتار سے آتا ہوا انجن روکے بغیر خود بخود رُک گیا۔ یہ سُن کر ڈاکٹر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ پتہ اپنی جیب سے نکال کر آنکھوں سے لگاتے

ہوئے کہا "میں ولی نہیں ہوں لیکن ایک ولیٔ کامل کا خادم ضرور ہوں۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے پورا واقعہ کہہ سنایا، جس کو سن کر بھاول سے زائرین کے جتھے کے جتھے حضور کی خدمت میں پہنچنے لگے، جو جس مقصد سے آتا کامیاب ہو کر جاتا۔

مٹی کھودتے

واسع صاحب سی پی میں محکمہ خوراک میں ایک آفیسر ہیں، ان کے بڑے بھائی عبدالرحیم صاحب سرکار بابا صاحب کے پاس زمانۂ طالب علمی میں گئے تو فرمایا

"مٹی کھودتے ہیں، اچھے رہتے ہیں"۔

ان کی سمجھ میں نہ آیا، لیکن بعد میں یہ زراعت پڑھنے لگے اور زراعت کے محکمہ میں ملازم ہو گئے (چند سال پہلے وہ ڈائرکٹر کی پوسٹ سے ریٹائرڈ ہو گئے)، جب محکمۂ زراعت میں ملازم ہو گئے تو ان کی سمجھ میں آیا کہ سرکار بابا صاحب نے مٹی کھودتے کو کہا تھا اس کا مطلب کیا ہے؟

جنگل جنگل

گلشن و گلزار یہاں کی مشہور طوائفیں ہیں، یہ دونوں بہنیں بمبئی سے ناگپور جا کر ایک دن حاضرِ دربار ہوئیں، حضور نے فرمایا۔

"جنگل جنگل پھرتی ہیں، اچھی رہتی ہیں"

یہ چلی آئیں مگر ارشادِ عالی کا مطلب جب سے اب تک نہ سمجھیں، مجھ سے مطلب دریافت کیا، میں نے کہا مطلب واضح ہے ؎

ایک جا رہتے نہیں عاشقِ بدنام کہیں
دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں

آہوئے وحشی کی طرح، شاعرِ آوارۂ فکر کی طرح، جنگل جنگل، وادی وادی، نت نیا دانہ نیا پانی، سیلِ خودسر کی طرح مسلسل سفر، پیہم روانی، نہ نکاح نہ شادی، نہ شہرت

نہ خانہ آبادی۔ جنگل پھرنے کا یہی مطلب ہے۔

کہنے لگیں یہ مطلب معلوم ہو جانے کے بعد ہم اپنی پوری زندگی کے واقعات کو دو جملوں کے آئینے میں ہو بہو دیکھ رہے ہیں۔ وہ ہمارے حسن و شباب کا عالم، وہ ہمارے فنِ موسیقی کی مسلّمہ شہرت، وہ ہماری زندگی اور بود و ماند کے طور طریقے، وہ بڑے بڑے صاحبِ عزّت، صاحبِ دولت و ثروت لوگوں کا ہماری طرف والہانہ التفات، اظہارِ محبت و خلوص، شرعی وابستگی پر اصرار اور وہ ہمارا انکار و فرار، وہ کبھی ہماری آمادگی، ہمارا اصرار، مگر اُدھر سے حوصلہ فرسا طرزِ عمل اور دل شکن طریقِ کار، غرضیکہ بنی بنائی بات کا بار بار بگڑ جانا، کبھی ہماری ضد، کبھی اُن کا اڑ جانا، بڑھاپا آگیا مگر وہ دن نہ آنا تھا نہ آیا کہ ہم خانہ نشین ہوے خانہ بدوشی سے باز آتے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

لوحِ محفوظ است پیشِ اولیاء از چہ محفوظ است از خطا

محمد فرید خان صاحب فضا، حال مقیم کراچی، ایک صاحبِ زہد و تقویٰ بزرگ ہیں سنہ ۱۹۰۱ء سے حضور تاج الاولیاءؒ بابا تاج الدین علیہ الرحمتہ کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے۔ آپ اس وقت ناگپور انجمن اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ واقعات ذیل بیان کیے۔

پہلی کرامت

واقعہ یہ ہوا کہ ایک مدراسی میجر سیّد امین الدین صاحب تھے، ان کے ایک چھوٹے بھائی تھے، میجر صاحب نے اپنے بھائی کے لئے والد مرحوم سے فارسی پڑھانے کے لئے کہا۔ انھوں نے کہا اچھا میاں گلستان لے آؤ۔ وہ شام کو روزانہ "گلستان" پڑھنے کے لئے آتے تھے۔ ایک دن شام کو نہ آئے تو حوالدار صاحب (والد صاحب) نے ناغہ کا سبب پوچھا۔ انھوں نے کہا ہم حضرت بابا صاحب سے ملنے پاگل خانے چلے گئے تھے، وہاں جیسے ہی مجھے خیال آیا کہ آج گلستان کا ناغہ ہو گیا فوراً بابا صاحب نے ارشاد فرمایا۔

چچا سعدی اچھے بڑے آدمی ہیں اور گلستان اچھی کتاب ہے، اور وہ مولانا صاحب بھی اچھا پڑھاتے ہیں۔

دوسری کرامت

دوسری کرامت یہ ظاہر ہوئی کہ ایک دن میں حاضر ہوا تو میرے شانے میں سخت درد تھا۔ میرے کچھ کہے بغیر بابا صاحب نے خود ہی فرمایا۔ کیا شانے میں درد ہے۔ میں نے جواب میں سر

ہلاکر "جی" کہا اور آپ نے شانے پہ ہاتھ رکھا، درد فوراً غائب ہوگیا۔ ان دونوں واقعات کے سننے کے بعد مجھے بھی حاضر ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ میرے لئے یہ واقعات محرک ثابت ہوئے۔ میں جس دن حاضر دربار ہوا اُس دن آپ سفید جُبہ زیب تن فرمائے ہوئے تھے۔ کسی نے ستایا تو آپ نے جذبہ میں گریبان چاک کر لیا اور برہنہ ہوگئے۔ بکمالِ جذب فرمایا۔ ستاتے ہیں، جاؤ اللہ اللہ کرو۔ کمال جلال و جذب نے میری کمر توڑ دی اور میں بغیر ملے واپس ہوگیا۔

میں نے ایک دن والدہ صاحبہ سے عرض کیا کہ میں حضرت بابا صاحب کی خدمت بابرکت میں جا رہا ہوں۔ انھوں نے جلدی جلدی کھانا تیار کیا اور ایک ناشتہ دان میں کھانا رکھکر کہا کہ یہ بابا صاحب کو پیش کر دینا۔

دن کے دس بجے تھے کہ میں وہاں حاضر ہوا۔ اُس وقت آپ بہت مسرور تھے اور ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما تھے، اُس وقت میرے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ میں خوش تھا کہ یہ موقعہ اچھا ہے۔ میں نے کھانا پیش کرنے کی اجازت چاہی، آپ نے بخوشی اجازت دی اور کھانے کو نوش کرتے ہوئے فرمایا۔

"بڑا اچھا کھانا ہے۔ عقیدت و محبّت کا کھانا ہے"۔

اگر کوئی مُرادمند حاضر ہوتا تو آپ فرماتے کہ جاؤ کام ہوگیا۔ اور پھر بھی کوئی نہ مانتا تو آپ پہ جذبی کیفیت طاری ہوجاتی تھی، آپ کے تن پہ جُبہ چار پانچ منٹ سے زیادہ نہیں رہ سکتا تھا فوراً چاک کر دیتے اور خادم دوسرا جُبہ پہنا دیتے۔ گورنمنٹ نے بابا صاحب کی زیارت پہ فیس کی پابندی عائد کر دی تھی، لیکن اژدھام روز بروز بڑھ رہا تھا۔ ہزاروں افراد حاضر ہوتے حاضرین میں سے کسی کے دل میں کوئی خیال آتا تو فوراً جواب ملتا اور سوال کرنے والا ایک دم سمجھ جاتا۔

دربارِ شاہانہ | یہ ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے، میں حاضر تھا، شکردرہ میں

لال محل کے سامنے، سائیڈن میں پُرتکلف فرش بچھا ہوا تھا بابا صاحب زرنگار قالین پر ریشمی عمامہ زیب سر کئے ہوئے تشریف فرما تھے۔ کم از کم دو ہزار افراد مؤدب صف بستہ چاروں طرف حاضر تھے۔ سماع ہو رہا تھا، بغرض قدمبوسی میں بھی ذرا آگے بڑھا، مگر حضرت بابا صاحب کے رعب و داب اور تزک احتشام دیکھکر میری ہمت نہ ہوئی کہ مزید آگے بڑھوں دُور ہی سے تعظیماً جھکا اور سلامِ نیاز عرض کر کے سید احمد صاحب پٹیل کے پاس چلا گیا۔

پٹیل صاحب کئی مواضعات کے مالک تھے۔ اور ایک ممتاز زمیندار تھے، بابا صاحب کے بڑے فدائی تھے، آخر میں تارک الدنیا ہو کر بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے، وہ اس زمانے میں اسی باؤلی میں مقیم تھے جہاں حضرت بابا صاحب یوسف شاہ تاجی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت بابا صاحب نے بٹھایا تھا۔

میرے پہنچتے ہی پٹیل صاحب نے مجھ سے استفسار کیا کہ بابا صاحب کی قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے عرض کیا نہیں؛ حضرت کے شاہانہ رعب و جلال کی وجہ سے میری ہمت نہیں پڑی کہ قدمبوسی کا شرف حاصل کرتا۔ دُور ہی سے سلام کر کے چلا آیا پھر کبھی حاضر ہو جاؤں گا۔

پٹیل صاحب نے فرمایا کہ بیٹھو، حضور ابھی تشریف لاتے ہیں، اس بات کو بمشکل پانچ منٹ گذرے ہوں گے کہ مجمع اور ہجوم کی سی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ ہم نے آگے بڑھکر دیکھا تو سب سے آگے حضور اور ان کے پیچھے مجمع چلا آرہا ہے۔ میں اور پٹیل صاحب باولی کے سہارے کھڑے تھے۔ حضور سیدھے ہمارے پاس تشریف لائے میں نے قدمبوسی کی، حضور نے فرمایا "چلو حضرت جنگل چلتے ہیں"۔

صوبہ پرستی

خواجہ لطیف احمد ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ اردو ہائی اسکول امراؤتی سی۔ پی کے حوالے سے فرید صاحب فضا ایم ایل ٹی نے بیان کیا ان کے اسکول کا نام پہلے گورنمنٹ محمدی ہائی اسکول تھا، اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت جتنے تعلیمی ادارے تھے اُن کے صدر سب کے سب امراؤتی لوگ تھے جو براری نہ تھے۔ باہریوں کو بڑا معلوم ہوا۔ صوبہ پرستی کے ماتحت ایجی ٹیشن شروع ہوا۔ اُنھوں نے جھوٹی سچّی شکایتیں شروع کیں۔ اس سے یہ لکھنوی، بھوپالی، دہلوی، بیرونی حضرات پریشان ہوئے اور ناگپور شکردرہ بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، بابا صاحب کی یہ عجیب مستقل کرامات تھی کہ سائل کو کبھی کچھ کہنے کا موقع نہ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ لوگ جوں ہی حاضر خدمت ہوئے بابا صاحب نے فرمایا

"نہیں حضرت ہمارا کچھ نہیں بگڑتا، ہم تو عینک لگائے کوٹ پتلون پہنے اپنی جگہ کرسیوں پر ڈٹے رہتے ہیں، ہمیں کوئی نہیں ہٹا سکتا۔"

حاضر ہونے والے شاد کام واپس آگئے۔ خدا کی شان کہ انتہائی مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود یہ حضرات جو حاضر دربار ہو چکے تھے بدستور اپنی اپنی جگہ قائم رہے حالانکہ اُن کے علاوہ باقی براری ملازمین سب کے سب ہٹا دیئے گئے جو حاضر دربار نہیں ہوئے تھے۔ صرف وہی لوگ برخاست ہونے سے بچے جو حاضر خدمت ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر صوفی غلام محی الدین پی، ایچ ڈی جو آخر میں دہلی یونیورسٹی کے رجسٹرار ہو گئے تھے یہ اُس وقت حاضر ہونے والوں میں تھے۔ یہ اُس وقت معمولی میٹرک پاس تھے۔ مگر برابر حاضری دیتے رہے اور علم و مدارج میں برابر ترقی کرتے رہے، آج کل نیو ٹاؤن کراچی میں رہتے ہیں۔

یارِ مردانِ خدا باش کہ در کشتیٔ نوح
ہست خاکے کہ بآبے نخرہ طوفان را

علالت اور وصال کی پیشگوئیاں

کیا اچھی مٹی ہے؟

ارے میرا تاج کہاں؟

مجھے مٹی دے کر جانا

ہزاروں کنکریاں کھا گئے

اب چاند نہ دکھے گا

زمانۂ محرم

علاج و تیمارداری

وصال

غسل شریف

نماز جنازہ

آغوشِ لحد

وصال کے بعد کلام

مصارفِ تجہیز و تکفین

حضور کی جھلک

کیا اچھی مٹی ہے؟

وصال سے بہت پہلے حضور بابا صاحب نے حضرت بابا یوسف شاہ تاجی رحمۃ اللہ علیہ کو موضع "بیر بٹے" (جو، اب تاج آباد کے نام سے مشہور ہے) مقیم کر دیا تھا، آپ فرماتے تھے کہ ایک دن حضور اس سرزمین پر تشریف لائے اور اس جگہ سے آپ نے تھوڑی سے مٹی اٹھا کر (جہاں اب مزار ہے) سونگھا اور فرمایا

"سبحان اللہ، کیا اچھی مٹی ہے؟"

ارے میرا تاج کہاں؟

حضرت قبلہ وکعبہ بابا یوسف شاہ تاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک رات نصف شب بعد حضور شکر درہ راجہ کے نشست محل کی چھت پر رونق افروز تھے میں مودب فاصلہ پر دم بخود کھڑا تھا، حضور نے یکبارگی آسمان کی طرف دیکھا اور عجیب بھولے پن کے انداز میں سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا

" ارے میرا تاج کہاں؟"

یہ سنتے ہی میرا کلیجہ دھک سے بیٹھ گیا اور سمجھ گیا کہ اب حضور کے وصال کا وقت قریب ہے، فرمایا" ابھی دیر ہے"

مجھے مٹی دیکر جانا

محمد فرید خاں صاحب فضا ایم اے ایل ٹی، ہیڈ ماسٹر انجمن اسکول ناگپور سے حیدر آباد جانا چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا

" مجھے مٹی دے کر چلے جانا"

ہزاروں کنکریاں کھا گئے

داروغہ عزیز الحق جو ناگپور شہر میں سب انسپکٹر پولیس تھے، اُن میں بابا کی نظر سے تغیر ہوا اور اب رندانہ، قلندرانہ زندگی گذار رہے ہیں اُن کا بیان ہے کہ بابا صاحب کی علالت

کے دوران میں کسی نے عرض کیا، بابا اچھے ہو جاؤ تو فرمایا

"اب کیا اچھے ہوں گے، ہزاروں کنکریاں کھا گئے"

اب چاند نہ دِکھے گا

ماہ ذی القعدہ ۱۳۴۳ھ میں حضور بابا صاحب ایک دن گھومنے کے لئے نکلے اور ڈگوری کے پُل پر قیام فرما ہوئے، بے شمار افراد حاضرِ خدمت تھے اور اپنی اپنی حاجتیں پیش کر رہے تھے، حضور نے فرید الدین صاحب تاجی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا

"تاج العارفین سراج السالکین، تاج الملوک جانتے ہو یہ کون ہے؟"

اُنھوں نے جواب دیا "آپ کے سوا کون ہو سکتا ہے؟

آپ نے فرمایا "ہوا بالو"

ایک لمحہ کے بعد پھر فرمایا

"عید کا چاند دِکھ گیا!"

فرید الدین صاحب تاجی نے عرض کیا کہ رمضان کی عید ہو چکی ہے، اب عید الضحیٰ یعنی بقرعید کا چاند دِکھے گا۔

فرمایا "ہو بالو" "اب اس کے بعد چاند نہ دِکھے گا"

حضور بابا صاحب کا معمول تھا کہ عید کے روز شہر ضرور تشریف لے جاتے، اُس دن جسم مبارک پر ریشمی جُبّہ ہوتا تھا، عمامہ بھی زیب سر ہوتا تھا، ہر شخص زیارت سے مشرف ہوتا تھا، لیکن بقرعید کا روز تھا، شام تک خدام چاہتے رہے کہ آپ نیا لباس زیب تن فرمائیں، لیکن آپ نے اُس دن نہ تو کوئی لباس پہنا اور نہ ہی شہر کی طرف تشریف لے گئے۔ الغرض یہ مہینہ اسی طرح گذرا، کبھی طبیعت ٹھیک ہوئی تو حضور باہر گھومنے جاتے ورنہ نہیں۔

زمانۂ محرم

محرم کی ۱۶ اور ۱۷ تاریخ تھی کہ حضور کو قدرے بخار ہوا،

حضور نے دو ماہ قبل ہی کچھ ایسے ارشادات فرمائے تھے کہ سب مریدین و خدام متفکر رہنے لگے تھے۔

محرم میں حضور کا معمول تھا کہ ۱۰ محرم الحرام کو سبز جُبّہ زیب تن فرما کر "میدانِ کربلا" کو جاتے، اُس دن باقاعدہ آپ کے مُریدین و خدام اور مہاراجہ راگھو صاحب کی سواری نکلتی یعنی مہاراجہ صاحب ہاتھی پر سوار آگے پیچھے اُن کے سپاہی گھوڑوں پر سوار نیزے ہاتھوں میں لئے ہوئے نکلتے، اس کے بعد راجہ صاحب کی سواری گذرتی، پھر حضور کی سواری گذرتی، پھر حضور کے مُریدین محمد حسین بابا صاحب، خواجہ امیر الدین علی صاحب، خواجہ قادر محی الدین صاحب کی سواریاں نکلتیں۔ حضور بابا صاحب کی بگھی کے قریب دو نشان بردار ہوتے۔

اس مرتبہ بھی ۱۰ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ کو حضور نے وزیر نشان بردار کے ہاتھ سے علم لیکر خود اُٹھایا اور بلند آواز سے فرمایا ؎

امامِ دیں سلطانِ مدینہ
شاہوں کے سردار حسینؑ

عِلاج و تیمارداری حکیم ظفر حسین صاحب تاجی آپ کی خدمت میں مصروف تھے، نیز مہاراجہ صاحب کی طرف سے ڈاکٹر حاضرِ خدمت تھے۔

ایک روز ڈاکٹر حوپلکر صاحب تاجی حاضر ہوئے اور حضور کو دیکھکر بتایا، مجھے تو کوئی مرض معلوم نہیں ہوتا، میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کس مرض کا علاج کروں؟ یہ کہکر ڈاکٹر صاحب چلے گئے اور دوسرے دن پھر حاضر ہوئے، لیکن مرض پھر بھی تشخیص نہ کیا جا سکا۔

وصَال الغرض ہر ممکن کوشش کے باوجود ان کی حالت حق کی طرف

مائل ہوتی جا رہی تھی، مہاراجہ نے بحکم حضور ہر طرف اطلاع کرادی کہ ہر شخص حضور کی ملاقات کو حاضر ہو سکتا ہے۔

۱۷ اگست ۲۵ء مطابق ۲۶ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ یوم دوشنبہ (پیر) بوقت مغرب ہر ایک آدمی کے لئے ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کی اور ہر ایک خدمت گذار کی تسلی وتشفی فرمائی اور پلنگ سے اُٹھ کر ایک مرتبہ ہر ایک کو نظرِ رحمت سے دیکھا، پھر پلنگ پر لیٹ گئے، اور ایک گھنکار کے ساتھ ہی روح پرُفتوح پرواز کر گئی۔

جناب فریدالدین صاحب نضا بیان کرتے کہ وصال کے دوسرے روز صبح شکردرہ پہنچا، سی پی برار میں ہر جگہ خبر ہو چکی تھی، کثرت سے لوگ جمع ہو چکے تھے۔ راگھوراؤ راجہ، آپ کو شکردرہ میں دفنانا چاہتا تھا، مگر نواب نیاز الدین خاں نے "بیربٹ" میں ایک پلاٹ دیا اور اعلان کیا کہ بیس ہزار روپے ملنے پر وہ پورا موضع "بیربٹ" باباصاحب کی درگاہ کو دیدیں گے۔

سب کی رائے سے طے ہوا کہ آپ کو "بیربٹ" میں دفن کیا جائے۔

غُسل شریف

مولوی نجم الدین صاحب نے مجھ سے کہا کہ تین بج رہے ہیں، غُسل کا انتظام نہیں ہورہا ہے، کیونکہ زیارت کرنے والوں کا بڑا ہجوم ہے۔ ہمیں موقعہ نہیں ملتا، میں وہاں پہنچا، لوگوں کو سمجھایا، ذرا مجمع کم ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ ہجوم اندر چلا آتا تھا، وہاں پولیس کا انتظام تھا، مگر مجمع قابو سے باہر تھا، میں نے پولیس سے کہا ۲۴ گھنٹے ہو چکے ہیں غُسل کا انتظام نہیں ہوا۔ پولیس نے کہا، تشدد تو ہم کر نہیں سکتے، خوشی سے کوئی مانتا نہیں، ہم کیا کریں؟ میں نے کہا، میں اندر سے لوگوں کو نکالتا ہوں، آپ پھر اندر نہ آنے دیں، بہزار دقت میں نے مجمع کو خوشامد درآمد، ڈانٹ ڈپٹ سے باہر کیا تو غُسل کا انتظام ہوا۔

مولوی نجم الدین صاحب کابلی نے غسل دیا، میں شریک غسل تھا، حسن نامی ایک شخص بھی تھا، پولیس نے اندر لوگوں کو نہیں آنے دیا، صرف آپ چار پانچ آدمی تھے۔

نمازِ جنازہ

غسل کے بعد کفنایا گیا اور جنازہ تیار کیا گیا، پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔ جنازہ کے گرد بلّیاں باندھی گئیں تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ کاندھا دے سکیں۔ مخلوق نے جنازہ کے ساتھ سارے شہر کا گشت لگایا، سارا شہر ماتم کدہ بن گیا تھا، چھوٹے بڑے مسلم وغیر مسلم مرد عورت پروانہ وار گررہے تھے۔

بارش بڑے زور سے ہو رہی تھی، اُس وقت تھم گئی۔ جنازہ شہر سے تاج آباد شریف (ریبیٹ) مغرب کے وقت پہنچ گیا، نمازِ جنازہ مولوی محمود علی صاحب ندوی لکھنوی نے پڑھائی، یہ صاحبِ تقویٰ بزرگ تھے، اُنھوں نے حضور کو جنازے سے باہر کھڑے دیکھا۔

آغوشِ لحد

تاج آباد شریف میں جہاں جہاں قبر کھودی گئی وہاں زمین خشک نکلی، اِس زمین کو جیسا کہ تحریر کیا جاچکا ہے وصال سے چند روز پیشتر حضور نے خود پسند فرمایا تھا "سبحان اللہ کیا اچھی مٹی ہے۔" قبر تیار ہو گئی، ساڑھے دس بجے رات کے وقت مولوی نجم الدین صاحب نے مجھ سے کہا کہ بابا صاحب کو کیسے لحد میں اُتارا جائے؟ ہجوم مانتا ہی نہیں، میں نے مجمع کو پھر قابو میں کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ ہم بابا صاحب کے جنازے کو ایک طرف رکھتے ہیں تاکہ بابا صاحب کا مُنہ دیکھ دیکھ کر لوگ دُور دُور چلے جائیں، واپس نہ آئیں اس طرح سب کو زیارت کا موقع مل جائے گا اور بھیڑ بھی نہ ہوگی۔ اس تجویز پر عمل کیا گیا، جوق در جوق لوگ آخری زیارت سے مشرف ہو کر جانے لگے۔

اس کے بعد مولوی نجم الدین صاحب اور حکیم سید ظفر حسین صاحب دونوں نے جسدِ اطہر کو لحد میں اُتارا، میں چادر تھامے کنارے پر کھڑا رہا۔

وصال کے بعد کلام

حکیم ظفر حسین صاحب اتوارہ بازار ناگپور کا بیان ہے کہ جب میں قبر میں اُترا اور لحد میں بابا کو اُتارنے کے بعد مولینا نجم الدین صاحب باہر نکل آئے، تو میں نے بابا سے عرض کیا، آپ نے تو فرمایا تھا کہ عمر بھر تیرے ساتھ ہوں، اب آپ تو قبر میں آگئے، حضور نے آنکھیں کھول دیں، فرمایا کہ لوگ بہت ستاتے تھے، اس لئے پردہ کر لیا ہے، ہم برابر تمھارے ساتھ ہیں۔ چنانچہ حکیم ظفر صاحب ہمیشہ رات کو تنہائی میں مزار شریف پر حاضر ہوتے تھے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دِلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما

اُس کے بعد مولوی نجم الدین صاحب اور حکیم سید ظفر حسین صاحب دونوں نے جسدِ اطہر کو آغوشِ لحد میں اُتارا۔ میں چادر تھامے کنارے پر کھڑا تھا۔ تدفین کے بعد فاتحہ ہوئی اور سب ملول و رنجیدہ اپنے گھر پہنچے۔

مصارف تجہیز و تکفین

میں دو تین دن بعد حکیم ظفر حسین صاحب کے پاس پہنچا، وہاں سیٹھ ہرمزجی چوڑی والے بھی موجود تھے، حساب کتاب کی بات ہو رہی تھی، ہرمزجی کا حساب تین سو روپے کا تھا، دو سو روپے حکیم صاحب دے چکے تھے، سو روپیہ باقی تھا، حکیم سو روپے نہیں دینا چاہتے تھے۔ میں نے حکیم صاحب کی طرف سے دخل دیا اور ہرمزجی سے کہا کہ کل صبح آپ کے حساب کتاب کے موافق روپیہ جمع کرادوں گا۔ وہ چلے گئے تو حکیم صاحب مجھ پر بگڑے کہ تم نے کیوں روپیہ دینے کا وعدہ کیا؟ جتنا سامان ہم نے منگوایا تھا، اُس کا روپیہ دے چکے ہیں، مزید

سامان انھوں نے اپنی مرضی سے بھیجا تھا۔ میں نے کہا، بابا صاحب کی تجہیز و تکفین میں غیر مسلم کا روپیہ نہیں لگنا چاہیئے۔

حضور کی جھلک

قاضی امین الدین صاحب تاجی فرماتے ہیں کہ میں حضور بابا صاحب قبلہ کے وصال کے دسویں دن تاج آباد شریف گیا اور درگاہِ عالیہ سے تھوڑے فاصلہ پر کھڑا ہو کر حضور کی طرف رجوع ہوا اور عرض کیا کہ آپ بھی شکردرہ سے تاج آباد آگئے اور تمام لوگ شکردرہ سے یہاں آکر آباد ہو رہے ہیں، میں آپ ہی کے حکم سے مہاراجہ رگھوسنگھ جی کے یہاں نوکر ہوا تھا، اگر اجازت فرمائیں تو اور لوگوں کی طرح میں بھی یہاں آباد ہو جاؤں۔ میں دل ہی دل میں عرض کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں جناب کریم بادشاہ عرف اللہ کریم میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ تجھے بنگلے میں رہ کر راجہ کو سلام کرنے کا حکم ہے، لال بنگلہ سے ابھی اللہ کا پیارا اٹھا نہیں ہے (لال بنگلہ سے مراد شکردرہ میں وہ محل ہے جہاں حضور بابا صاحب کا قیام تھا۔

کرامات بعد وصال

جر بانو یرس پارسی کالینی، دادر بمبئی کی سات سال کی لڑکی تھی۔ لیکن وہ نہ زبان سے بول سکتی تھی اور نہ چل سکتی تھی۔ سینکڑوں روپیہ خرچ ہوا، لیکن فائدہ نہ ہوا مجبوراً تمام علاج معالجے بند کر دیئے۔ ان کا بیان ہے کہ۔

میری بیوی بچی کو لیکر دادا بھائی گذدر کے پاس گئی۔ دادا بھائی نے بابا صاحب کا صندل اور پانی دیا۔ اور انھوں نے کہا کہ آپ لوگ حضور کی کوئی بھی منّت مان لیں کہ ہماری لڑکی اچھی ہو جائے گی تو دربار میں حاضر ہو کر حسب حیثیت پھول و چادر وغیرہ چڑھائیں گے اور میری بیوی نے منّت مان لی اور دادا سیٹھ نے ان کو وقت بھی دیدیا تھا کہ اتنے وقت میں تمھاری لڑکی حضور کی دعا سے صحت یاب ہو گی، چنانچہ وہ لڑکی صحت یاب ہو گئی۔

ناگپور کے بزرگ

بتاریخ ۱۸ر جولائی ۱۹۲۵ء اخبار انگریزی TIMES OF INDIA (ٹائمز آف انڈیا) رقمطراز ہے کہ:۔

"ناگپور سے ایک عجیب واقعہ کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص جو ایک عرصہ قبل موٹر کے حادثہ کی وجہ سے لنگڑا ہو گیا تھا اور اس واقعہ کے بعد سے ناگپور ریلوے اسٹیشن کے قریب بیٹھا بھیک مانگا کرتا تھا۔ وہ صرف ایک رات میں صحت یاب ہو گیا۔ شخص مذکورہ نے ہمارے نامہ نگار ناگپور سے بیان کیا کہ اس نے گزشتہ ماہ میں ناگپور کے مسلمان بزرگ حضرت تاج الدینؒ کے مزار پہ حاضری دی تاکہ اپنی صحت یابی کے لئے دعا مانگے لیکن چونکہ کئی ہفتہ کی مدت گذر جانے کے باوجود اس کو اپنی حالت میں کوئی تغیر محسوس نہیں ہوا۔ اس لئے اُس نے حضرت پر شدت سے لعن طعن کیا۔ اُس شخص کی بدزبانی سے برانگیختہ ہو کر حضرتؒ

ایک سفید عمامہ پہنے ہوئے اُس کے خواب میں نمودار ہوئے اور اس لنگڑے شخص کو حکم دیا کہ وہ سیدھا کھڑا ہو جائے۔ چار مرتبہ ایسا کہا گیا لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ پانچویں مرتبہ حضرت نے اُس کو کچھ مٹھائی اور ایک گلاس شربت دیکر ایک ٹھوکر لگائی اور پھر حکم دیا کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ اس تدبیر سے مقصد حاصل ہو گیا اور لنگڑے شخص نے محسوس کیا کہ اس میں طاقت آگئی ہے کہ وہ کھڑا ہو سکے اور چل پھر سکے۔ ہمارے نامہ نگار کا بیان ہے ناگپور میں متعدد ذمہ دار اشخاص موجود ہیں جو اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ شخص مذکور اپنے لنگ کی وجہ سے اس ہفتہ تک زمین پر رینگتا تھا۔"

بتوں کے آنسو

۲۵ اگست ۱۹۲۵ء اخبار انگریزی "ایوننگ نیوز" (EVENING NEWS) رقمطراز ہے کہ:-

"قبل ازیں جس واقعہ کو محض من گھڑت بات کہی جاتی تھی اب متعدد لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے جنھوں نے اس واقعہ کا عینی مشاہدہ کیا ہے اور اس عجیب واقعہ کی حقیقت کی تشہیر غرض سے جناب نارائن راؤ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اپنے دستخطی دستی اشتہارات تقسیم کئے کہ بتاریخ ۱۷ اگست ۱۹۲۵ء ناگپور کے مندر پانڈو رنگ پٹھوی میں وٹھل اور رُکمنی کی مورتیوں کی آنکھوں سے بارہ گھنٹے تک آنسو جاری رہے اور ہزارہا اشخاص نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا۔ قدرت کے اس مظاہرے کے نتیجہ کے طور پر مندر میں بطور خاص عبادت کی جارہی ہے۔ متعدد لوگ مورتیوں کی اس اشک باری کو حضرت تاج الدین باباؒ کی وفات سے منسوب کرتے ہیں جن کا وصال تاریخ مذکور پر ہوا۔"

مورتیوں کی اشک باری

مدراس میل بتاریخ ۱۷ اگست ۱۹۲۵ء رقمطراز ہے کہ:-

"جس وقت حضور نے جسم اطہر کو چھوڑا اُس روز سے ۳ یوم تک ناگپور

کے دیویوں کی ساری مورتیوں اور دیوتاؤں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ خاصکر دکھو یا دیو نے تو بعض لوگوں کے خواب میں آکر اپنے رونے کا سبب یہ بتلایا کہ دنیا سے ایک بہت بڑی ہستی حضور بابا صاحب قبلہؒ کی اُٹھ گئی اور دنیا والوں نے ان کی کوئی قدر نہ کی اس لیے روتا ہوں۔"

روزنامہ "مدینہ" بجنور

اخبار "مدینہ" بجنور بتاریخ ۲۳ صفر المظفر ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۲۵ء رقمطراز ہے کہ "حامل کمالاتِ ظاہری و باطنی جناب قبلہ حضور مولانا سید بابا تاج الدین شاہ صاحب چند روز کی علالتِ بخار وغیرہ میں مبتلا ہو کر بتاریخ ۱۷ اگست ۱۹۲۵ء مطابق ۲۶ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ بروز دوشنبہ بوقت ۷ بجے شام بمقام محل راجہ رگھوجی صاحب بھونسلے شکردرہ ناگپور اس دارِ فانی کو خیرباد کہکر عالمِ جاودانی کو سدھارے۔ اِنّا للہ و انا الیہ راجعون۔ حضورؒ کی زندگی میں لوگ دُور دُور سے آپ کی زیارت کو آتے تھے جو شخص حاجت مند آتا، حضورؒ حق تعالیٰ سے اُن کی مشکل کُشائی و حاجت روائی کی دعا فرماتے۔ کثرت سے عقیدت مند اور مریض، کوڑھی، اپاہج، آسیب زدہ اور دیگر قسم کے حاجت مند آپ کی امداد کے خواہاں دربار میں پڑے رہتے تھے ہر آدمی آپ کے وجود سے فیض باطنی وظاہری حاصل کرتا۔ ہر وقت لنگر خانہ جاری رہتا تھا صدہا غریب و مسکین، یتیم و لیسر کی پرورش کا سامان دربار میں موجود تھا۔"

رام کا دوسرا جنم

"آکدھرا ایتریکا" بتاریخ ۲۲ اگست ۱۹۲۵ء رقمطراز ہے کہ "رام ایک جنم میں آکر چلا گیا تھا اور اب تاج الدینؒ بابا کے جنم میں آیا تھا جو ۱۷ اگست ۱۹۲۵ء کو اس دنیا سے چلا گیا، اور دنیا نے افسوس کہ پہچانا نہیں۔"

سلام

از:- حضرت ذہین شاہ تاجی

سلام اُس پر کہ جس کا ذِکر ہی دل کی عبادت ہے
سلام اُس پر کہ جس کا ذکر طاعت ہے اطاعت ہے
سلام اُس پر کہ جس کا غیر پایا ہی نہیں جاتا
بغیر اُس کے حرم کیا دیر پایا ہی نہیں جاتا
سلام اُس پر کہ وہ سب کچھ ہے مصداق ہُوالکُل ہے
وہ گلشن ہے وہ گلچیں ہے وہ بلبل ہے وہی گل ہے
سلام اُس پر کہ اپنی ذات سے خود انجمن ہے وہ
شعورِ ماومن ہے وہ ظہورِ جان و تن ہے وہ
سلام اُس پر کہ جس کی ہر نظر میں سو کرامت ہیں
سلام اُس پر کہ جس کے زیرِ سایہ ہم سلامت ہیں
سلام اُس پر کہ جس کی ٹھوکروں میں ہے مسیحائی
سلام اُس پر کہ جس کی خاکِ پا خاکِ شفا پائی
سلام اُس پر کہ جس پہ فخر، ہر اعجاز کرتا ہے
ظہورِ امرِ کُن اس کے لبوں پہ ناز کرتا ہے

سلام اُس پر کہ جس کو دیکھکر اللہ یاد آئے
سلام اُس پہ کہ جس کے در سے ہر ناشاد، شاد آئے
سلام اُس پر کہ جس کی شان، حق آگاہی جانے
سلام اُس پر کہ جس کے بھید کو اللہ ہی جانے
سلام اُس پہ کہ جس کو دیکھکر ایمان تازہ ہے
سلام اُس پر کہ جس کی گردِ رہ، مومن کو غازہ ہے
سلام اُس پہ کہ جس نے بھر دیا نورِ یقیں دل میں
سلام اُس پہ لگادی آگ جس نے وہمِ باطل میں
سلام اُس پہ کہ جس نے دین کی تحقیق آساں کی
مقامِ اولیاء اللہ کی تصدیق آساں کی
سلام اُس پر کہ جس نے لاج رکھ لی ہاتھ خالی کی
سلام اُس پہ کہ جس نے جھولیاں بھر دیں سوالی کی
سلام اُس پر کہ جو سائل کو شرمندہ نہیں کرتا
ضمیرِ ہر گدا سے باخبر ہے وہ سخی داتا

سلام اُس پہ کہ سرتاپا رحیمی و غفوری ہے
سلام اُس پر کہ تاج الدین بابا ناگپوری ہے

اخلاقِ حمیدہ

حضور انتہا درجہ رحمدل اور غریب پرور تھے، ہر ایک کے ساتھ ہمدردی اور حاجت روائی آپ کا شعار تھا، نہ پیٹ بھر کر کبھی کھانا کھاتے، نہ دن رات میں چند ساعتوں کے سوائے آرام فرماتے، جب کوئی سائل آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ میٹھی زبان سے حاجتمند کی تسلی فرماتے۔ آپ ہر قوم پر انتہا درجہ کی شفقت رکھتے تھے اور خود دُور دُور سے لوگوں کو بُلا کر ہر قسم کی نعمتوں سے سرفراز فرماتے۔ آپ جذب وجلال میں ہوتے اُس وقت بھی شفقت وعنایت کا ظہور رہتا، گنہگاروں، محتاجوں اور عاجزوں پر آپ زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ کئی کئی گھنٹے آپ پر جلال طاری رہا، کوئی حاجت مند حاضر ہوا تو ایسے وقت میں بھی اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، حضور کے سالک درویش ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے، ورنہ مجذوب سے اکثر نقصان ہی ہوتے دیکھا گیا ہے۔ یہ بات بھی عجیب وغریب ہے کہ جب کوئی دُکھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اُس کا دکھ اپنے آپ پر طاری کر کے اُس کے دکھ کو دور کر دیتے۔ الغرض مخلوق کے فائدے کی خاطر آپ بڑی بڑی تکالیف برداشت کرتے۔

"رحمت اللعالمین" کے گھرانے کے چشم وچراغ ہونے کی وجہ سے آپ کا دربار تمام اہلِ عالم کے لئے باعثِ رحمت تھا۔ بلا امتیاز مذہب وملّت کروڑوں انسان آپ سے مستفیض ہوئے حاضرینِ دربار نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ

مقامِ عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے

دریائے فیض ہر آن جاری تھا۔ ہر شخص بقدر ظرف بقدر استعداد سیراب ہوا کوئی شخص کبھی محروم نہ گیا۔

رفتار

حضور سبک خرام، تیز رو تھے، آنکھیں بند کئے، مراقبے اور استغراق کی کیفیت میں چلتے، راستہ میں کبھی کسی پتھر سے ٹھوکر کھاتے نہ کبھی کوئی کانٹا آپ کو چبھتا، کانٹے پاؤں میں بچھ جاتے تھے، جنگلوں کے درندے گزندے قدمبوس ہوتے آپ کے ساتھ چلنے والے زائروں کو بھی گزند نہ پہنچاتے آپ کی رفتار سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے زمین پر پاؤں ہی نہیں رکھتے ہیں معلق چل رہے ہیں۔ حضرت عبدالعزیز عرف نانا میاں کا بیان ہے کہ ایک دن میں حضور کے ساتھ جنگل میں تھا، مئی کا مہینہ تھا، دھوپ تیز تھی، خدام چھتری کا آپ پر سایہ کئے چل رہے تھے یعقوب خادم نے مجھے بھی اس خدمت کا موقع دیا، میں نے چلتے ہوئے حضور کو دیکھا تو بالکل مستغرق تھے، معلوم نہیں کون چل رہا تھا؟

راستہ کی طرف زمین کی طرف حضور بالکل نہیں دیکھ رہے تھے۔ حضور زمین پر نہیں بلکہ معلق چل رہے تھے، چلتے چلتے راستہ میں ایک پتھر آیا جو زمین میں گڑا ہوا تھا دفعتاً وہاں حضور کھڑے ہو گئے اور فرمایا:-

"ایسے رہتے ہیں اور آگے بڑھتے ہیں"

ہر لحظہ آپ کے قدم اعلیٰ جانب سرگرم سفر تھے۔

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہرچہ بروے میرسی بروے مایست

ذوقِ سماع

حضور سماع کا ذوق رکھتے تھے، خوش الحانی آپ کو مطبوع تھی۔ بزم سماع، بزم میلاد حکماً منعقد ہوا کرتی تھی یوں بھی حاضر ہونے والے قوالوں اور گانے والوں

کو دربار میں حاضری کا موقع مل جاتا تھا۔ ان کی دل دہی اور پرورش کے لئے بھی حضور اس طرف توجہ فرماتے تھے۔ جب کبھی آپ جنگل کی طرف جاتے گانے والے بھی ساتھ ساتھ پیچھے پیچھے گاتے جاتے۔ حاضرین میں بچے، بوڑھے، جوان، مرد، عورت سب ہی ہوتے

ایک دفعہ بارش ہو رہی تھی، آپ جنگل میں تھے، مجمع ساتھ تھا آپ سب سے آگے تھے قوال کی آواز دور سے آ رہی تھی۔

آدمی پہلے محبت میں بگڑ لے تو بنے
جب ملے خاک میں دانہ تو شگوفہ نکلے

حضور نے سن کر فرمایا۔

"ہو! جیسے ہم بگڑے"

کبھی کبھی حضور مزاح بھی فرماتے۔

قوال گا رہا تھا ؎

عشق کیا شے ہے کسی کامل سے پوچھا چاہیئے
کس طرح جاتا ہے دل بیدل سے پوچھا چاہیئے

حضور نے فرمایا یوں پڑھو۔

کس طرح جاتا ہے دل مرجوں سے پوچھا چاہیئے

کبھی کبھی حضور یہ بول پڑھتے۔

بڑھیا ہو گئی لڑکپن چھوڑ دے

ایک دن قوالی ہو رہی تھی ایک شخص کیفیت کی سی حالت میں ہُو حق کرتا ہوا مجمع سے نکلا اور حضور کے قدموں پر آ گرا۔

حضور نے فرمایا۔

"حضرت بخار چڑھانا اچھا نہیں ہوتا"

اس نے عرض کیا حضور کی قدمبوسی اس بہانے سے کرنا تھا۔

ایک صاحب نے عرض کیا بابا حال کیسے آتا ہے؟
حضور نے اُن کی ترکی ٹوپی کو اُلٹ کر رکھدیا وہ اُلٹ گئے، خوب اچھلے کودے لوٹ پوٹ ہوتے رہے۔ حضور نے پھر اس ٹوپی کو سیدھا کر دیا۔ فوراً وہ بھی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ حضور نے فرمایا۔
سمجھ گئے حال کیسے آتا ہے؟

حالِ طفلی داروغہ عزیز الحق صاحب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں بغیر اجازت حضور کے تخلیہ میں چلا گیا حضور نے فرمایا

چہل سال عمرِ عزیزت گزشت　　　　مزاج تو از حالِ طفلی نگشت

دُو دن کی باجریا سید ضیاء الحق صاحب جن دنوں سی پی پولیس میں سب انسپکٹر تھے، ایک رات حضور کے ساتھ جنگل میں رہے۔ ان کا بیان ہے کہ حضور ایک بڑے سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے درخت کی جڑ زمین پر آکر حمدار ہوگئی تھی اُس پر حضور تھاپ مار مار کر یہ بول پڑھنے لگے۔

جگ دو دن کی باجریا رے سوچ سمجھ کر سودا کرے
جگ دو دن کی باجریا رے

یعنی دو دن کی دنیا کا ایک چھوٹا سا بازار ہے اس میں سوچ سمجھ کر سودا کرے۔
رات کا وقت تھا ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی بابا کی آواز میں ناقابل بیان سوز و گداز درد و کیف تھا، آواز میں گریہ کی سی کیفیت بھی تھی۔ دیر تک حضور ان جملوں کو دُہراتے رہے۔

دیگر خلفاء و مریدینِ خاص

بابا یوسف شاہ تاجیؒ

حضرت النسان علی شاہؒ

حضرت اللہ کریمؒ

حضرت سبحان الدین شاہؒ

حضرت محمد غوث باباؒ

حضرت بابا عبدالرحمٰن شاہؒ

حضرت بابا محمد حسینؒ

حضرت فتح محمد شاہؒ

حضرت مسکین شاہ صاحب

حضرت رسول بابا صاحب

حضرت کملی شاہؒ

حضرت عبدالخالق صاحب

حکیم نعیم الدین صاحب

فریدالدین کریم بابا تاجیؒ

مریم بی اماں صاحبہ

اور دیگر مریدینِ خاص

حضرت انسان علی شاہؒ

آپ بمشکل ایک ماہ کے تھے کہ آپ کے والد بزرگوار نے رحلت فرمائی اور آپ کی پرورش نانی اور نانا نے کی۔ آپ موضع لٹرا ضلع بلاسپور کے باشندہ تھے۔

تعلیم و تربیت اپنے ایک عزیز سے انھوں نے تعلیم حاصل کی اور بچپن ہی میں صوم وصلوٰۃ کے ازحد پابند تھے۔

دیگر حالات رشتہ داروں ہی میں آپ کی شادی ہوئی، آپ کا زمیندار طبقہ سے تعلق تھا، نہایت نفیس لباس زیب تن فرماتے، مہمان نوازی آپ کی محبوب عادت تھی۔ تقریباً ۲۲ برس کی عمر سے آپ پر جذبی کیفیت ہونا شروع ہوگئی تھی۔ بالآخر چند آدمیوں کے ہمراہ آپ کو مشہور درگاہوں پر حاضر کیا گیا اور تمام مشہور درگاہوں کی زیارت کر کے آپ واپس اپنے گاؤں لٹرا آئے، لیکن حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ آخر کار حضور بابا کی خدمت میں حاضر کئے گئے تو حضور انسان علی صاحب کی طرف مخاطب ہوئے اور کچھ اس طرح کہا کہ لوگ نہ سمجھ سکے۔ اس کے بعد آپ کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں توڑ دی گئیں۔ یہ تین چار دن شکردرہ حاضر رہ کر اپنے گاؤں واپس آگئے اور ان سے کرامات ظاہر ہونے لگیں۔

حضرت اللہ کریمؒ

آپ روشن ضمیر بزرگ تھے، شکردرہ کے صدر دروازہ پر آپ کا قیام رہتا تھا لوگوں سے گھوم پھر کر اس طرح سوال کرتے: "اللہ کریم آیا ہے باسی کھانا مانگتا ہے" کبھی کبھی آپ حضور تاج الاولیاء "لال بنگلہ" کہہ کر مخاطب کرتے، حضور بابا صاحب کی تشریف آوری سے قبل اعلان فرماتے "اب لال بنگلہ آتا ہے خبردار ہو جاؤ" اور حضرت بابا

صاحبؒ کو ملٹری کے انداز میں سلام (سلوٹ) کرتے۔

وصال حضرت تاج الاولیاءؒ کے وصال کے چند روز بعد آپ بھی وصال فرما گئے۔ آپ کو تاج آباد کے قبرستان میں دفن کیا گیا ہے۔

حضرت سبحان الدین شاہؒ

ضلع ناسک کے قدیمی پیرزادے ہیں۔ آپ نے عشقِ الٰہی میں نوکری کو بھی خیرباد کہا اور حضرت باباصاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر متوکلانہ زندگی بسر کرنے لگے، آپ فیاضی اور مہمان نوازی میں بہت مشہور ہیں۔

حضرت تاج الاولیاءؒ کے وصال کے بعد کئی ایک صندل آپ کی طرف سے پیش ہوئے۔

حضرت محمد غوث باباؒ

آپ مدراس کے رہنے والے تھے اور شکر درہ کے پاس آپ کا جھونپڑا تھا، ہدایت و تبلیغ بیجانگر اور کٹک کے علاقوں میں خوب فرمائی۔ یہاں کے کئی راجہ اور ساہوکار آپ کے دستِ حق پرست پر ایمان لاچکے ہیں۔ آج بھی دیجانگر اور مچھلی پٹن میں آپ کے کئی خلیفہ آپ کے روحانی مشن کی تبلیغ و توسیع فرما رہے ہیں۔

حضرت بابا عبدالرحمٰن شاہؒ

آپ پلٹن کے وظیفہ یاب مدراسی تھے، بحری جہاز میں سفر کرتے ہوئے آپ کے قدم پھسل گئے اور دریا میں گر گئے۔ آپ کا دل حضورؒ کی یاد سے آباد تھا بے اختیار "بابا" پکار اٹھے۔ باباصاحب کے کرم سے آپ کنارے پر سلامت پہنچ گئے۔ اس کے

بعد حاضر دربار ہوئے، حضور کی توجہ سے آپ نے ظاہری لباس اُتار کر پھینک دیا۔ برہنگی اور جذب کی حالت میں عیسائیوں کے قبرستان میں رہنے لگے۔ عیسائی بھلا ایک برہنہ مجذوب کو کس طرح برداشت کرتے؟ انھوں نے آپ کو بہت پریشان کیا کئی دن بعد آپ پھر حاضر دربار ہوئے تو حضور نے ایک کپڑا عنایت کیا اور حکم فرمایا کہ اس کا احرام باندھو۔ احرام باندھتے ہی آپ پرسکون ہو گئے، پھر بابا صاحب کے فرمان سے ہریجن مندر گاڈ اگھاٹ کامٹی میں تبلیغ کرتے رہے۔ سینکڑوں ہریجنوں کو آپ نے راہِ حق دکھائی۔ کچھ عرصے بعد آپ سہ بارہ حضرت تاج الاولیاء کی خدمت میں حاضر ہوکر قدمبوس ہوئے۔ آپ بیمار تھے۔ حضور نے آپ سے مخاطب ہوکر فرمایا "آپ پہلے جائیں میں بھی آتا ہوں"۔ چنانچہ ۲۳ محرم کو حضور بابا صاحب کے وصال سے تین روز پہلے آپ نے وصال فرمایا۔ آپ سرگروہ کے تکیہ میں مدفون ہیں ——

حضرت بابا محمد حسین رح

آپ کا ابتدائی نام عبدالکریم تھا۔ آپ کے والد حضرت حسن احمد صاحب الغامدار نزموں ضلع مچھلی بندر تھے۔ آپ پلٹن ۱۳ میں بھرتی ہوکر ناگپور آئے۔ لیکن والد کی خفگی کے باعث آپ نے اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور کامٹی ندی کے کنارے ایک مزار پر بیٹھ گئے۔ صاحبِ مزار نے بشارت دی کہ زمانہ حال میں حکومت حضرت بابا تاج الدین کی ہے وہاں حاضر ہو۔ حضرت تاج الاولیاء کے دربار میں حاضر ہوئے تو حکم ہوا کہ تم اپنے والد کی زیارت کرکے واپس آؤ۔ آپ والد بزرگوار سے ملاقات کرکے واکی شریف حاضر ہوئے، آپ زمین کے اندر گھر (قبر) بنا کر ذکرِ الٰہی کرتے حضور بابا صاحب نے آپ کا نام محمد حسین رکھا تھا۔ پلیگ کا زور ہوا تو اس زمانہ

ہیں حضور بابا صاحب واکی شریف میں قیام فرماتھے۔

محمد حسین بابا کو ناگپور جانے کا حکم دیا اور فرمایا "اونٹ پر بیٹھکر ناگپور گلی گلی گھومو بلا کو بھگاؤ"۔ آپ ناگپور کی گلیوں میں گھوم گھوم کر لوگوں کی گلٹیوں پر حضور کا نام لیکر لب لگاتے اور وہ مریض فوراً اچھے ہوجاتے، چندہی دن میں پلیگ ختم ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت بابا صاحبؒ شکردرہ تشریف لائے تو بابا محمد حسین شاہ بھی ہمراہ تھے، لیکن وہاں ان کا قیام مہاراجہ لچھمن راؤ کے باغ میں تھا۔

مہاراجہ آپ کے وہاں قیام سے ناخوش تھے اتفاقاً مہاراجہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا وہ دودھ نہیں پیتا تھا، علاج معالجہ کیا گیا کئی ڈاکٹر نگراں تھے لیکن صحت کی امید ختم ہوچکی تھی۔ کسی نے مہاراجہ سے کہا کہ محمد حسین بابا کو بُلایا جائے چنانچہ ایک آدمی آپ کی خدمت میں روانہ کیا آپ نے جواب دیا راجہ خود آئے تو چلیں گے چنانچہ مہاراجہ آئے اور عرض کیا کہ یہ میرا پہلا بچہ ہے اور ہم مایوس ہوچکے ہیں۔ آپ پہلے تو مسکرائے پھر جذبی حالت میں راجہ کے زنان خانہ میں آئے۔ اور رانی کی گود سے بچّہ لیکر اپنی چھاتی سے لگایا۔ باہر برآمدے میں اُس کو لے آئے کچھ دیر بعد رانی صاحبہ کی گود میں دیکر حکم دیا "بچّے کو دودھ پلاؤ" خدا کی شان بچّہ نے دودھ پینا شروع کردیا۔

آپ کا وصال ۲۷ رجب کو ہوا۔ آپ کا مزار تاج آباد شریف کے قریب ہے

حضرت فتح محمد شاہؒ

آپ افغانی ہیں۔ وارد ہا ضلع الیوت محل میں آکر ایک مسجد میں حضرت بابا صاحبؒ کے حکم سے گوشہ نشین ہوگئے۔ حضرت بابا صاحب کی زیارت کو کبھی

پاگل خانہ آتے تھے۔ جذبی کیفیت کی زیادتی سے لوگوں نے آپ کو پاگل خانہ بھجوادیا آپ عین اُس وقت پاگل خانہ میں داخل ہوئے جب کہ حضرت بابا صاحب کا ارشاد تھا "یہ جگہ خالی نہیں رہے گی"۔ راگھوراؤجی نے آپ کی بھی ضمانت داخل کرنا چاہی لیکن آپ نے یہ فرماکر اُن کی تجویز کو مسترد کردیا کہ "وہ جگہ سر کے بل حاضر ہونے کی ہے اور تم مجھے آج ہی لیجانا چاہتے ہو۔

چنانچہ تادمِ زلیست آپ کا قیام پاگل خانہ ہی میں رہا۔ وصال کے بعد آپ کا جنازہ "تاج آباد لایا گیا اور یہی آپ کی "سر کے بل حاضری" تھی"۔ آپ تاج آباد شریف میں مدفون ہیں۔

حضرت مسکین شاہ صاحبؒ

آپ کا نام غلام مصطفٰےؒ ہے۔ شطاری ہیں اور قادری سلسلہ میں صاحبِ اجازت بھی تھے۔ اپنے پیرومرشد کے حکم سے حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں سے پولیس لائن ناگلی کی مسجد میں امام مسجد رہے وہاں آپ کو حضور سے ظاہری و باطنی فیوض حاصل ہوئے۔

کچھ عرصے بعد سکندرآباد ضلع بلند شہر تشریف لے گئے۔ سلسلہ عالیہ تاجیہ کی نشرو اشاعت فرمائی وہاں آپ کے سینکڑوں مُرید ہیں۔

سالِ گذشتہ میں سکندرآباد ہی میں آپ کا وصال ہوگیا۔ وصال سے ایک سال قبل پاکستان تشریف لاکر عُرس حضرت تاج الاولیاءؒ میں بمقام خانقاہِ تاجیہ کراچی شرکت فرمائی۔ فقیر سے خصوصی محبّت و یگانگت کا اظہار فرمایا۔ فرماتے تھے کہ میں یہاں بھائی یوسف شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے آیا تھا کہ تمھیں دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ بھائی تمھاری صورت میں موجود ہیں۔

حضرت رسول بابا صاحبؒ

آپ کے والدین ذات کے بنئے تھے اور اُن کے کوئی اولاد نہ تھی۔ بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے ارشاد فرمایا "پہلا بچہ ہمارا ہوگا جا لیجا" اس ارشادِ گرامی کے ۹ مہینے بعد آپ تولد ہوئے ارشاد مبارک کی تعمیل کی گئی اور آپ حضور کے قدموں پر لاکر ڈال دیئے گئے۔ حضور نے آپ کا نام رسول بابا رکھا اور پرورش کے لئے اپنے ماموں حضرت عبدالرحمٰن شاہ صاحب کے سپرد فرمایا۔ رسول بابا پیدائشی اور مادر زاد ولی تھے۔ کمسنی ہی میں حضور بابا صاحب کا طواف کرتے رہے۔ کچھ سن بڑھا تو ایک شخص بھی آپ کی خدمت کے لئے معمور کردیا گیا۔ آپ اکثر مستانہ وار گھومتے نظر آتے اور کبھی کبھی با آواز بلند "یا تُراب" کا نعرہ لگاتے۔

حضور کے دربارِ عالی سے آپ کو آسیب زدگان کے علاج کی اجازت تھی اور آپ اس خدمت کو ذمہ داری سے انجام دیتے رہے۔

حضور کے وصال کے بعد ۱۸ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ تاج آباد میں بابا صاحب کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت دوّا بابا صاحبؒ

گورکھپور کے باشندے تھے تاج مرادی کے مولف نے لکھا ہے کہ انھوں نے حضورؒ کے وصال کے تین روز بعد انھیں اپنے اصطبل خانہ میں اچانک دیکھا حاضر ہوکر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ آپ کے آنسو بہہ رہے تھے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا کہ ارے بھائی، کیا بتائیں کہ ہم کون ہیں؟ غرض آپ تاج آباد ہی میں قیام فرما ہوئے اور ہزاروں لوگ آپ کے معتقد ہوئے۔ لیکن آپ پر جذب کی کیفیت طاری تھی

آنے جانے والوں کے پتھر اُٹھا کر مارتے ۔ آپ کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ۔ لیکن اسی رات سب کو معلوم ہو گیا کہ زنجیریں وہیں پڑی ہوئی ہیں اور آپ غائب ہیں ۔ اس کے بعد آپ پندرہ روز تک تاج آباد شریف سے غائب رہے ، واپس ہوئے تو آپ پر جذب وجلال کے اثرات کم ہو گئے تھے ۔ کچھ عرصہ بعد آپ راجہ اعظم شاہ کے قلعہ میں تشریف فرما ہوئے ۔ راجہ اعظم شاہ کے یہاں ہی آپ کا وصال ہوا ۔ اور تاج آباد شریف میں مدفون کئے گئے ۔

آپ سے تصرفاتِ کثیر سرزد ہوئے ۔ راجہ اعظم شاہ کو اولاد نہ تھی آپ کی دعا سے صاحبِ اولاد ہوا ۔ تاج آباد شریف میں آپ نے زمین پر لات ماری وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا ۔ حضرت قبلہ وکعبہ نے اُس چشمہ کو دِہ دردہ حوض کی صورت میں تبدیل فرما دیا ۔

ایک روز حضرت قبلہ وکعبہ نے راقم سے بمقام تاج آباد شریف دوّا بابا صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کی زیارت کر لو ۔ یہ اب جانے والے ہیں ۔ میں زیارت سے مشرف ہوا اُس وقت آپ کمال جذب ومستی میں سرشار تھے ۔

دوسرے وقت میں نے حضرت قبلہ وکعبہؒ سے عرض کیا کہ دوّا بابا صاحب بجائے تندرست وتوانا نظر آتے ہیں ۔ مگر حضور نے فرمایا ہے کہ یہ جانے والے ہیں اس کی وضاحت چاہتا ہوں ۔ فرمایا کہ دوّا بابا صاحب کی شکل وصورت ، گفتگو ہو بہو بابا صاحب سے ملنے لگی ہے ۔ سر مو فرق نہیں رہا تھا ۔ یہ علامت ان کے وصال کی ہے ۔

حضرت کملی شاہؒ

حضور بابا صاحب آپ کو "گودڑ شاہ" بھی فرمایا کرتے ۔ عالم فاضل اور عبادت گذار تھے ۔ حضور بابا صاحب کے پاس شکردرہ حاضر ہوئے تو وہیں کے ہو رہے

اور ایک گوشہ میں معمولی سی جھونپڑی بنا کر عزلت گزینی اختیار کر لی۔

آپ کا وصال قریب تھا کہ حضرت بابا صاحبؒ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے گذرے کہ "دروازہ کھول دو"۔ بحکم حضور بابا صاحب آپ کی جھونپڑی کا دروازہ کھول دیا گیا۔ آپ نے نظیر بائی مغنیہ کو طلب فرمایا اور کہا کچھ سناؤ۔ نظیر بائی نے غزل شروع کی۔ جب یہ مصرعہ آیا ؎

اِدھر خیال چلا اور اُدھر چلی لیلیٰ

آپ نے ایک نعرہ بلند کیا اور لیٹ گئے۔ بمشکل تین بار اس مصرعہ کی تکرار کی گئی ہوگی کہ آپ کی روح پرفتوح پرواز کر گئی۔

بوقت غسل لوگوں نے دیکھا کہ آپ کا گوشت جگہ جگہ سے چوہوں نے کھایا تھا۔ آپ کی تجہیز و تکفین شکردرہ کے تالاب کے کنارے کی گئی، آپ کی تربت بے نشان ہے۔

آپ کا مشہور مصرعہ "اسم اعظم تاج الدین ہے غافلو ہوشیار ہو" اس سے آپ کے عرفان کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت محمد عبدالعزیز عرف نانا میاں

آپ کے والد فوج میں ملازم تھے۔ مدراس کے رہنے والے تھے، لیکن قیام رائے پور میں تھا۔

آپ کا خواب ایک شب آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت تشریف فرما ہیں جن کے ایک طرف روشنی پھیل رہی ہے اور دوسری جانب پانی ہی پانی ہے۔ قریب سے ایک شخص نمودار ہوا اور درویش کی طرف اُنگلی اٹھا کر ان سے کہا "تمھارا راستہ یہ ہے"۔

باباصاحب کے دربار میں حاضری

نانا میاں اسی فکر میں غلطاں و پیچاں تھے کہ وہ خواب والے بزرگ سے کب اور کہاں ملاقات ہوتی ہے۔ باباتاج الاولیاء کی ہر دلعزیزی اور شہرت نے اُن کو بھی شوق دلایا اور واکی شریف حاضر ہوکر قدمبوس ہوئے اور پہچان گئے کہ یہ وہی بزرگ ہیں جن کا خواب میں زیادت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اکثر آپ حضور باباصاحب کی خدمت میں نعت خوانی کرتے اور میلاد پڑھتے۔

ایک دن حضور نے آپ سے کتاب طلب کی۔ آپ نے ایک کتاب پیش کی۔ کتاب کا ورق اُلٹ کر تاج الاولیاء نے ماچس کی ایک تیلی رکھدی اور فرمایا کہ یہ تمھارا ترک ہے۔ انھوں نے ترکِ دُنیا سے مراد لی تو پھر طلب فرمایا اور ان کی کتاب پر تحریر فرمایا ۵۰، ۶۰، اور ۷۰ اور فرمایا ترک کو سمجھو۔

ایک دن حاضر ہوئے تو کھانا نوش فرمارہے تھے اور ہجوم سے بچنے کے لئے چاروں طرف پردے ڈال کر آپ اس کے اندر قیام فرما تھے۔ آپ نے اُنھیں آواز دی اور کھانے کا تھال دیتے ہوئے فرمایا "لو یہ کھانا، تمھارے کام کی چیز ہے"۔ اور وہ کھانا کیا تھا مونگ کے چھلکے، بیڑی کے ٹکڑے، کنکر اور پتھر۔ آپ نے اس کھانے کو بڑے شوق سے کھایا اور دوسروں کو بھی تبرکاً کھلایا، اتنا لذید اور خوش ذائقہ تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ اسی طرح ایک دن آپ کو پانی کا گلاس عطا فرماتے ہوئے کہا "لو یہ تمھارے کام کی چیز ہے"۔

ایک دن حاضر ہوئے تو باباصاحب نے "ید اللّٰہ فوق ایدیھم" ان کا ہاتھ تھام کر ارشاد فرمایا۔

ایک دن نانا میاں سے فرمایا "حضرت لال کتاب پڑھتے ہیں" چنانچہ ان الفاظ کی برکت اور فیض آج بھی جاری ہے۔ غبی اور کند ذہن دل و دماغ بھی نانا

میاں کے پاس حاضر ہو کر ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اور قرآن ختم کرنے میں پندرہ دن سے زیادہ نہیں لگتے۔

حضرت عبدالخالق صاحبؒ

آپ مدراسی تھے اور ریاست حیدرآباد دکن میں پیشکار کے عہدہ پر مامور تھے۔ فقراء کی صحبت بہت پسند تھی۔ تاج الاولیاء کے دربار میں حاضر ہو کر قدمبوس ہوئے تو فرمایا "خوب پیتے کھاتے مزے کرتے"۔ آپ شراب کے عادی تھے آپ نے خیال کیا کہ حضرت باباصاحب نے پینے کی اجازت عطا فرمادی لہٰذا شراب بدستور پیتے رہے۔ حضور کے وصال کے بعد صرف ایک وقت کھانا کھانے لگے۔ سر شام ہی سے شراب پینا شروع کردیتے اور بکثرت پیتے۔

عالم جذب میں فرماتے کہ میرا ہر رگ و ریشہ ذکر کرتا ہے۔

وصال ایک دن عالم جذب میں پیشنگوئی فرمائی کہ "۲۶ رمضان المبارک کو میرا سفر آخرت ہے"۔ آپ کا وصال ۲۶ رمضان کو کوکھم میں ہوا اور آپ وہیں مدفون بھی ہوئے۔

خواجہ علی امیر الدین صاحبؒ

بمقام ہینگنا ضلع ناگپور کے ایک بنجارے کے گھر پیدا ہوئے۔ مادرزاد ولی تھے۔

چھ سال کی عمر ہوئی تو آپ نے کھانے پینے کی طرف سے توجہ ہٹا لی اور بالکل چپ لگ گئی۔ والدین پریشان ہو کر واکی شریف حضرت باباصاحب کی خدمت میں لے گئے۔ حضور نے فرمایا "اِن کو ستایا نہ کرو۔ یہ بڑی شان والے ہیں۔ تم نہیں

جانتے ان کا نام خواجہ علی امیر الدین ہے"۔ اسی دن سے آپ خواجہ علی امیر الدین کے نامِ نامی سے مشہور ہو گئے۔

والدین واپس وطن لوٹ گئے لیکن آپ اور آپ کے دادا صاحب وہیں ٹھہر گئے۔

آپ کا معمول تھا کہ راتوں کو جنگل میں گھوما کرتے اور صبح واپس ہوتے تو لوگ دیکھتے کہ دو ایک سانپ ان کے گلے میں لٹکے ہوئے ہیں۔ ان کے دادا اور دیگر لوگ گھبرا جاتے۔ دادا خفا ہو کر کہتے کہ یہ کیا حرکت ہے؟ سانپ کسی کو کاٹ لے گا تو میرے سر آفت آجائے گی۔ دادا کے بگڑنے پر آپ سانپوں کو چھوڑ دیتے اور اشارے سے بھگاتے وہ وہیں غائب ہو جاتے۔ جس آدمی کے کاندھے پر سوار ہوتے یا کاٹ لیتے اس کی مراد پوری ہو جاتی۔

شکردرہ آنے کے بعد آپ کا جلال و جذب بڑھنے لگا۔ ایک دن عالمِ جلال میں حضور بابا صاحب کی خدمت میں آئے اور اپنی توتلی زبان سے فرمایا "محل تو الٹ دوں"۔ دوبارہ یہ جملہ دہرایا تو بابا صاحب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے منہ کو تین بار انگشتِ شہادت سے مارا اور فرمایا "حضرت یہ دعا کا دربار ہے"۔ یہ ارشادِ گرامی سن کر خواجہ صاحب گھبرا کر واپس لوٹ آئے اور آپ کا جلال اس دن سے جمال میں تبدیل ہو گیا۔

اس واقعہ سے حضور بابا صاحبؒ کا خوف آپ پر ایسا چھا گیا تھا کہ قریب نہیں آتے آخر دم تک دور ہی سے آداب و قدمبوسی کرتے رہے۔

حضرت خواجہ قادر محی الدین کے وصال سے کچھ گھنٹے پہلے آپ ان کے پاس گئے اور فرمایا آپ آج جاتے ہیں ہم بھی ایک دن بعد آتے ہیں"۔ چنانچہ ایک سال بعد حضرت خواجہ صاحب نے ۲۶ ربیع الثانی کو صبح ہی سے یہ رٹ شروع کر دی کہ "ہم بابا صاحب

کی چھبیسویں کی فاتحہ میں جاتے ہیں اب واپس نہ ہوں گے"۔ صبح سے شام تک آپ یہی الفاظ دُہراتے رہے۔

بوقتِ مغرب ۲۶ ربیع الثانی بحالت سجدہ آپ نے وصال فرمایا۔

بمبئی والے بابا

آپ کا اصل نام قادر محی الدین ہے مگر باباصاحب آپ کو"مست بابا" فرمایا کرتے۔ آپ مادرزاد ولی تھے اور خواجہ علی امیرالدین صاحب کے ہمشکل تھے خواجہ صاحب کی طرح آپ بھی توتلی زبان میں بات چیت فرمایا کرتے۔ آپ ہمیشہ برہنہ پھرتے کئی بار حضورؒ نے جُبّہ سے سرفراز فرمایا کہ یہ اپنا تن ڈھانپیں لیکن آپ نے پھاڑ کر پھینک دیا۔ ایک دن اسی حالت برہنگی میں حاضر ہوئے تو سرکار باباصاحب نے فرمایا "حضرت دھوپ میں نہیں رہتے۔ ہم بھی چھاؤں میں رہتے ہیں تم بھی چھاؤں میں رہا کرو" اور پھر جبہ عنایت کر کے ارشاد فرمایا" جبہ پہنا کرتے ہیں"۔ اُسی دن سے آپ جبہ پہننے لگے۔ ایک مرتبہ حاضر ہوئے تو سرکار باباصاحب نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا" دیکھو، حضرت یہ مست آرہے ہیں، سرمست کا نام سُنا ہے نا۔ ان کا نام قادر محی الدین ہے، یہ مست ہیں، ان سے ڈرا کرو کہ ہم ڈرتے ہیں۔ کالے ناگ ہیں دیکھو ان کے سر کو" آپ کے سر کو دیکھا گیا تو کنڈلی مارے ہوئے سانپ کے پھن کا نشان موجود تھا اور آپ کی پیشانی پر چاند کا نشان اور ٹھوڑی پر تارے کا نشان تھا۔ ایک دفعہ سخت طوفان اور بارش میں آپ ایک ہوٹل میں قیام فرما تھے۔ لوگوں کے اضطراب سے خود بھی مضطرب ہو گئے یکبارگی روبہ قبلہ ہو کر آسمان کو دیکھا اور بآوازبلند کہا" اللہ میاں پانی بند کلدو (کردو) دوسری بار پھر فرمایا" اللہ میاں پانی بند کلدو" لیکن پانی بند نہ ہوا، تیسری بار نہایت جوش و جلال میں کھڑے ہوئے اور اپنی چھاتی

پر ہاتھ مار کر فرمایا" ہمالہ ہو تم پانی بند ہو جاؤ" (ہمارا حکم پانی بند ہو جا) یہ لفظ اِدھر آپ کی زبان سے نکلے اُدھر پانی ایک دم رُک گیا۔

وصال وصال سے چھ مہینے قبل ہی آپ قوالوں سے فرماتے:۔ "سیاں گیو بڑی لمبی سفر کو" گاؤ، آپ اس گانے کو سُن کر از حد خوش ہوتے اور خود بھی توتلی زبان میں گانے لگتے۔

اچانک آپ کا بدن کانپنے لگا۔ ایک بنگالی ڈاکٹر نے دیکھا مگر تشخیص نہ کر سکا۔ رعشہ شروع ہوئے تیسرا دن تھا کہ آپ نے فرمایا" ہم کو نہلاؤ، دھلاؤ دولہا بناؤ، چنانچہ آپ کے اصرار پر آپ کو نہلایا گیا۔ اور آپ کے حسب ارشاد کپڑے پہنائے گئے۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا" رسّی لاؤ"۔ رسی حاضر کی گئی تو فرید الدین صاحب تاجی کو ایک سِرا دیکر فرمایا" دُدل (دور) جا" جہاں تک رسّی جا سکی وہاں پر آپ نے انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا" دیتھ یہ میلی ڈلگاہ ہے"۔ (دیکھ یہ میری درگاہ ہے) رات میں کئی دفعہ فرمایا" ہمالی ڈوا لاؤ" (ہماری دوا لاؤ) آخر شربت بنا کر پیش کیا گیا تو آپ اللہ اکبر کہکر اُٹھے اور شربت نوش فرمایا۔ شربت پی کر دوبارہ اللہ اکبر کہا اور آپ کی رُوح پرواز کر گئی۔ آپ کا وصال ۴ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ میں بروز جمعہ بوقت ۴ بجے شام ہوا۔

پُونے والے بابا رح

یہ طبقہ اناث سے تھیں اور پونہ میں مقیم تھیں۔ حضرت قبلہ بابا صاحب رح کی بڑی مداح تھیں۔ عوام میں "بابا جان" کے نام سے مشہور تھیں۔ مزارِ مبارک چار باؤلی پونہ میں لبِ سڑک بنا ہوا ہے۔

آپ صاحبِ تصرف ولیہ تھیں، بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔ کوئی امّاں کہتا تو ناراض ہو جاتیں اور کوئی بابا کہتا تو خوش ہو جاتیں

حکیم نعیم الدین صاحب

آپ مدراسی تھے آپ کے آباواجداد فوجی ملازمتیں کرتے آئے تھے۔ چچا ریاست حیدرآباد میں شاہی طبیب تھے۔ لیکن اُن کے کوئی اولاد نہ تھی لہذا حکیم صاحب کی تعلیم و تربیت وہی کرتے تھے۔ آپ کے چچا صاحب نے عربی، فارسی اور انگریزی پڑھی۔ حکمت سے بھی خوب واقفیت حاصل کی، شطرنج کے عمدہ کھلاڑی تھے۔ نواب صاحب آف کلیانی سے بہت دوستی تھی۔ اُن کے انتقال کا حکیم صاحب کو بہت صدمہ ہوا اور حضور بابا صاحب کا ارشاد یاد آیا کہ "دنیا کا چند روزہ تماشہ دیکھ آؤ"۔

اب اُن کے دل میں یہ سمائی کہ فنا کا تماشہ دیکھ چکے اب حضور سے بقا کا تماشہ بھی دیکھیں گے۔ آپ حیدرآباد واپس آئے تو والدہ سدِ راہ بن گئیں۔ آپ کو والدہ صاحبہ کی خدمت کا خیال تھا اس لئے ارادوں کو ٹالتے رہے۔ والدہ کی رحلت ہوئی تو حکیم صاحب نے اپنی تمام جائداد لوگوں میں تقسیم کر دی۔ گرم سوٹ پھاڑ کر فقیروں کی سی گودڑی بنالی۔ چچا کی چند مجرّب ادویات جھولی میں ہمراہ لیں اور پیدل ناگپور شریف چل دیئے، راستے میں ایک بوڑھا شخص بھی ہم سفر ہو گیا۔ منماڑ اور بھساول ہوتے ہوئے دو ماہ بعد شکر درہ پہنچے۔ جو کچھ روپیہ تھا وہ اتنے عرصہ میں ختم ہو چکا تھا دو دن کی بھوک نے نڈھال کر دیا۔ حکیم صاحب مرض سنگ رینی کے مریض تھے اور اسی وجہ سے افیون کے بھی عادی تھے۔ آپ کے پاس اکسیر کا نسخہ موجود تھا، ایک تولہ ٹھیکرے پر سونا تیار کر کے اپنے ساتھی کو دیکر کہا کہ بازار جاکر اُسے فروخت کر آؤ۔ بوڑھا تو بازار چلا گیا اُدھر بابا صاحب اسی مقام پر تشریف لائے جہاں یہ مقیم تھے ان کی طرف دیکھکر بابا صاحب نے فرمایا "عقبیٰ کا متلاشی دنیا لیکر آیا ہے"۔ اور یہ فرماکر اُس ٹھیکرے کو اوندھا کر دیا اور تشریف لے گئے۔ بوڑھا ساتھی بھی ساتھ

چھوڑ گیا۔ آپ نے اکسیر کی جھولی دفن کر دی اور ایک دو دن پتیاں کھا کر گذارا۔ تیسرے دن وزیر بابا جھنڈے والے اپنے گھر لے گئے۔ اور اُن کا بہت خیال رکھنے لگے۔ لیکن ان کی حالت بدلتی چلی گئی، سر کے بال جٹا کے مانند بڑھ گئے اور تن بدن کا ہوش نہ رہا۔

وصال

بوقت عصر ۱۲ رجب کو آپ نے کچھ لوگوں سے صاف فرمایا۔ "تم کہیں نہ جانا۔ ہماری روانگی ہے"۔ عصر کے وقت جب حاضرین نے بتایا کہ عصر کا وقت گذر چکا ہے تو آپ نے بآواز بلند لا الہ الا اللہ پیر نبی جی صلی اللہ علیہ دو بار پڑھا اور تیسری بار لا الہ الا اللہ پیر نبی جی صلی اللہ پڑھا صلی اللہ کی آواز ختم ہوتے ہی آپ کی رُوح پرواز کر گئی۔

آپ کا مزارِ مبارک چھوٹا نا ندرا گیان ندی کے کنارے ضلع بلوڈانہ برار میں ہے۔

بابا نیل کنٹھ راؤ

بابا نیل کنٹھ راؤ صاحب اعلیٰ مرہٹہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آباؤ اجداد کا وطن مدراس تھا۔ لیکن آپ جبل پور کے کسی آفس میں کلرک تھے۔ حضور بابا صاحب سے بہت عقیدت تھی اور دربار تاج الاولیاء میں حاضر ہوئے تو آپ پر جذب طاری تھا۔ شکر درہ میں ناگ پھنی کی باڑ پر آپ کا بستر جما اور جھوم جھوم کر حضور کی شان میں گیت گائے۔ چند روز بعد جبل پور تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کی بہت شہرت ہوئی اور ہزارہا افراد نے آپ سے فیوض حاصل کئے۔ کچھ عرصے بعد پھر شکر درہ حاضر ہوئے اور جبل پور واپس چلے گئے۔ مؤلف تاج مرادی بیان کرتے ہیں کہ میں بھی ساتھ تھا۔ آپ نے جبل پور کچھ روز ٹھہر کر "سائیں کھیڑا" چلے جانے کا

حکم دیا جہاں داداجی دھونی والے مشہور بزرگ کا قیام تھا۔ دو تین میل پہلے ایک دیہات میں بابا نیل کنٹھ راؤ قیام فرما ہوتے اور مجھے حکم دیا کہ آپ سائیں کھیڑا جائیں اور تمام لوگوں کو میرے یہاں آنے کی خبر کر دیں۔ میں سائیں کھیڑا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ داداجی دھونی کے پاس سر سے پاؤں تک کمبل اوڑھے پڑے ہیں اور قوال ہارمونیم پر گا رہے ہیں ؎

"رکشا کرو ہماری داداجی دھونی والے"

کچھ لوگوں کے ہمراہ نیل کنٹھ راؤ صاحب کو لینے واپس گیا۔ میں نے وہاں پہنچ کر اطلاع دی لوگ میرے ساتھ ہوئے اور واپس بابا نیل کنٹھ صاحب کو لیکر گیا۔ راستہ میں وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے ؎

پار بیڑا لگا ہوا جانے ۔۔۔ جو محمدؐ کو نا خدا جانے
اس سمندر کے گھاٹ میں لاکھوں ۔۔۔ پار اُترے جو راستہ جانے
جس نے پی لی شراب مرشد کی ۔۔۔ وہ حقیقت کا ذائقہ جانے

بابا نیل کنٹھ کو داداجی کے پاس حاضر ہوتے ہوتے صبح ہو گئی۔ داداجی ایک چبوترے پر دھونی لگائے ہزارہا افراد کے ساتھ رونق افروز تھے۔ منیر نیل کنٹھ راؤ صاحب کے ایک عقیدت مند ہمراہی تھے وہ گا رہے تھے ؎

ایک نظر میں جس کو چاہے رنگ دے

نیل کنٹھ عالمِ وجد میں گھٹنوں کے بل داداجی کی طرف بڑھے اور قدمبوس ہو کر "بابا تاج الدین" کا نعرہ لگایا۔ داداجی نے جواب دیا "تاج الدین گھڑا میں ہے نکارو جائے تو نکار لے" (تاج الدین گھڑے میں ہے نکالا جائے تو نکال لے) یہ کہکر نیل کنٹھ مہاراج کے منہ میں جلیبی کا ٹکڑا ڈال دیا اور اوپر سے تھوڑا سا سرسوں کا تیل، اس کے بعد داداجی نے نیل کنٹھ بابا کو گدڑی دینے کے لئے ہاتھ

بڑھایا جس کو لینے سے انھوں نے انکار کر دیا۔ داداجی نے دوبارہ یہ کہتے ہوئے "لے رہے موٹا" (لے رے لڑکے) لکڑی بڑھائی اور تیسری بار اسے لینے پر اصرار کیا لیکن یہ نہ مانے۔ داداجی نے عالمِ جلال میں جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی اور اُن کے سر پر یہ کہتے ہوئے ماری "تین چھٹانک آٹا بیچنے والا اور اتنا دماغ"۔ بیل کنٹھ بابا کا سر پھٹ گیا اور آگ کی چنگاریوں سے کرتا جل گیا۔ بمشکل آگ بجھائی گئی۔ ۱۹۱۳ء میں آپ کا وصال ہوا۔

فریدالدین کریم باباتاجی

کاٹھیاواڑ کے رہنے والے ہیں۔ بچپن ہی سے حاضر دربار ہو گئے تھے۔ خواجہ بابا صاحب کی خدمت میں پھر حکیم نعیم الدین صاحب کی خدمت میں رہے، طب اور دواسازی کا ذوق اس کی صحبت میں پیدا ہوا۔ بابا صاحب کے دیکھنے والے بزرگوں سے برابر استفادہ کرتے رہے۔ جہاں بھی رہے بابا کے خیال میں رہے تاج آباد کمیٹی کے آجکل آپ صدر ہیں۔ تاج مراری آپ کی تالیف ہے۔

کاشی ناتھ پٹیل

ڈاگی کے ذی ثروت جاگیردار تھے حضور بابا کی خدمت تن من دھن سے انجام دی اور اس خدمت کو اپنے لئے باعث عزت سمجھا۔

راگھوراؤ راجہ

حضور بابا صاحب کے فدائی تھے شکردرہ حضور کو لائے اور اپنے تمام محلات ملازمین کو، لوازمے کو حضور باباصاحبؒ کی خدمت میں وقف کر دیا تھا۔ حاضرین

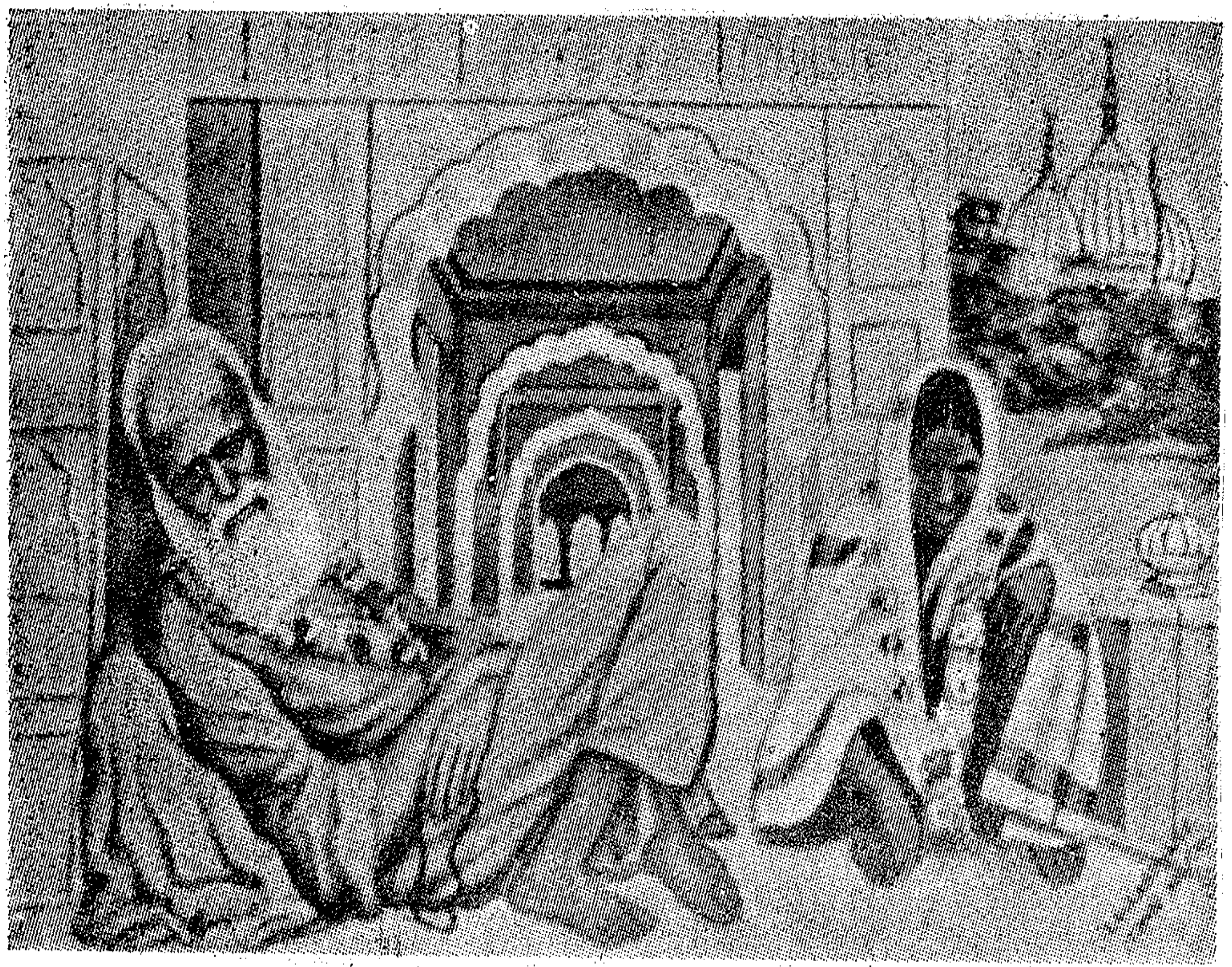

بابا تاج الدین اولیا اور کامٹی والی مریم اماں

دربار کی آؤ بھگت کرتے۔ حضورؒ نے فرمایا میرا بستر تیرے گھر سے لاکھوں برس نہیں اُٹھے گا۔ چنانچہ حضور کی قیام گاہ آج تک زیارت گاہِ خلق ہے۔

مریم بی امّاں صاحبہ

آپ کی پیدائش قصبہ کا جلیشور، تعلقہ مرتضٰی پور ضلع اکولہ میں ہوئی۔ شادی کے بعد تھوڑے ہی دن میکہ میں گذارے تھے کہ آپ کے بھائی قطب الدین صاحب نے اُنھیں اپنے گھر پر ٹھہرالیا۔ کیونکہ آپ کی دنیا کی طرف مطلق توجہ نہ تھی ذکر الٰہی اور صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں کامٹی میں جہاں پر مقیم تھیں ایک درویش تشریف لائے اور انھوں نے اماں صاحبہ کو دیکھکر فرمایا کہ اُن کے حصہ کی دولت حضرت بابا صاحب کے پاس ہے اور وہ عنقریب ملنے والی ہے۔ ان کو فوراً حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئیے۔

اماں صاحبہ حضرت بابا صاحب کی زیارت کرنے پاگل خانہ میں حاضر ہوئیں۔ حضور بابا صاحب نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا "میں تیرا مدت سے انتظار کررہا تھا" یہ کہکر اماں صاحبہ کے دونوں ہاتھوں کی چوڑیاں توڑدیں اور فرمایا روزانہ آیا کرو

حسب ارشاد آپ روزانہ پاگل خانہ جانے لگیں اور پھاٹک کے باہر ایک مقام پر حضور کی طرف رجوع کرکے صبح سے شام تک کھڑی رہتیں۔ کھانے پینے کی طرف توجہ کم ہونے لگی اور کپڑوں کا ہوش بھی ختم ہونے لگا۔ پاگل خانہ سے حضور بابا صاحب واکی تشریف لائے تو اماں صاحبہ بھی ساتھ تھیں۔ ایک عرصہ کی سخت ریاضت عبادت کے بعد حضور نے کنہان ندی کی طرف گھومتے ہوئے ایک خطرناک مقام پر اماں صاحبہ کو قیام کرنے کا حکم دیا اور فرمایا "خبردار! یہاں سے بلا اجازت نہ اُٹھنا" حضور بابا صاحب کے حکم سے واکوڈیا نام کا کسان ان

کی خدمات انجام دینے لگا۔ وہ بہ اصرار شدید اپنی باڑی پہ لے گیا اور اماں صاحبہ کے لئے ایک جھونپڑا بنا دیا۔ کبھی کبھی حضور بابا صاحب بھی یہاں تشریف لاتے اور اماں صاحبہ کو لیکر گھومنے جاتے۔ گھوم کر واپس ہوتے تو اماں صاحبہ اپنے ڈیرے پہ رُک جاتیں۔ الغرض سخت ریاضت ومجاہدے کے بعد حضور نے اماں صاحبہ کو دولتِ دارین سے سرفراز فرمایا۔ یہانتک کہ اماں صاحبہ کی یہ حالت ہوگئی جو بات بابا صاحب اپنے دربار میں فرماتے وہ اس کا اظہار اپنے دربار میں کر دیتیں تھیں خود حضور بابا صاحب بھی ہزارہا حاجت مندوں کو اُن کے پاس روانہ کرتے۔

وصال سے پہلے حضور بابا صاحب آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا "یہ لو تمھاری کنگھی اور یہ لو تمھاری کنجی"۔ حضور کا یہ فرما کر لوٹنا تھا کہ آپ اپنی حقیقت کی طرف رجوع کر گیئں۔

وصال

مورخہ ۲۷ شوال کو آپ واصل بحق ہوئیں۔ بحکم حضور بابا صاحب آپ کا جنازہ کامٹی لایا گیا۔ اور آپ کا مزار گاڑھا گھاٹ پر واقع ہے۔

یوم وصال پہ شاندار عرس ہوتا ہے۔ عرس کا انتظام تاج آباد شریف سے ہوتا ہے۔ ایک بار جہلم کے بعد قوالی شروع ہوئی تو آپ کی قبر شریف وجد میں تھی اور لوگ یہ گمان کر رہے تھے کہ قبر شق ہوجائے گی۔ حضرت قبلہ وکعبہ بابا یوسف شاہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اماں صاحبہ کی فاتحہ کا اہتمام حسب الحکم بابا صاحب ایک مرتبہ ہماری زیر نگرانی ہوا۔ یہ پہلا عرس ہوا۔ مخلوق بکثرت موجود تھی۔ محفل سماع گرم تھی قوال یہ کہہ رہے تھے ؎

پھر کیوں نہ میں اِتراؤں سکھی میری چنریا صابر نے رنگی ہے

دفعتاً اماں صاحبہ کا مزار وجد میں آیا۔ مجمع پر خوف، ہراس، حیرت اور تعجب

طاری ہوا۔ ہم نے حکم دیا کہ مزار شریف کے چاروں طرف چادر سے پردہ کیا جائے اور بابا صاحب کا عطیہ ایک جُبّہ ہمارے پاس تھا وہ مزار شریف پر ڈال دیا تو وہ کیفیت رفع ہوئی یہ واقعہ مشہور ہے خواص و عوام میں۔ مولف تاج مراری نے بھی اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

آپ کی کرامتیں

سیّد ضیاء الحق صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں سی پی میں سب انسپکٹر تھا۔ بابا صاحب کے دربار میں حاضر ہوتا تھا تو اماں صاحبہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا تھا۔ پہلی مرتبہ اماں صاحبہ کے یہاں حاضر ہوا تو دیکھا کہ اماں صاحبہ دو شالہ پہنے ہوئے پھولوں کے ہار گلے میں ڈالے بیٹھی تھیں۔ میرے ساتھ عبد العزیز عرف نانا میاں تھے۔ اماں صاحبہ نے ایک ہار اُن کو دیا انھوں نے ادب سے چوُما آنکھوں سے لگایا۔ رومال میں لپیٹ کر جیب میں رکھا، دوسرا ہار اماں صاحبہ نے مجھے عنایت کیا۔ میں نے اس کو زمین پر ڈال دیا۔ باسی پھولوں کے مستعملہ ہار کی جو عزت عبد العزیز صاحب نے کی تھی وہ بجائے خود میرے نزدیک مضحکہ خیز تھی میں بھلا پھر ایسے ہار کی کیا عزت کرتا۔

اماں صاحبہ عبد العزیز صاحب کی خیر و عافیت دریافت کرتی رہیں۔ میں دل میں خیال کر رہا تھا کہ ایک جوان عورت دنیاداری کی باتیں کر رہی ہے مگر لوگ ہیں کہ اس کا ادب و احترام کرتے ہیں ولیہ سمجھتے ہیں۔

دفعتاً اماں صاحبہ نے میری طرف دیکھا میری ان کی چار نظریں ہونا تھا کہ میری آنکھوں سے آنسوؤں کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ آنسو گوبر سے لپی ہوئی زمین پر پڑ کر پھیل پھیل کر ساری زمین تر بتر ہوتی جا رہی تھی ہچکیاں بندھ گئیں، رنگ زرد ہو گیا، جسم پر رعشہ طاری ہو گیا۔ میری یہ حالت دیکھ کر عبد العزیز صاحب نے

اماں صاحبہ سے کہا یہ سب انسپکٹر پولیس ہیں آداب سے ناواقف ہیں آپ معاف فرمائیں۔

اماں صاحبہ نے پھر میری طرف دیکھا۔ آنکھیں چار ہوتے ہی آنسو خود بخود تھم گئے طبیعت بحال ہو گئی۔ عبدالعزیز صاحب نے رخصت طلب کی۔ اماں صاحبہ نے دعاؤں کے ساتھ اجازت دی۔ میں بھی آنے کو چلا آیا مگر اب میرا جی چاہتا تھا کہ میں اماں صاحبہ کے قدموں سے جدا نہ ہوں۔ عبدالعزیز صاحب سے معلوم ہوا کہ اب اماں صاحبہ آرام فرمائیں گی۔ کسی سے ملاقات نہ ہوگی شام کو برآمد ہوں گی۔ مگر دل نہ مانا میں جاکر اماں صاحبہ کی قیام گاہ کے سامنے مودب کھڑا ہو گیا۔ دن گذر گیا شام ہونے کو آئی۔ اماں صاحبہ برآمد ہوئیں ایک خادمہ ساتھ تھی۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔

"دیوانے نہیں ہو جاتے"

اور جنگل تشریف لے گئیں۔ میری وہ خفت جاتی رہی۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً دربار تاج الاولیاء میں حاضر ہوتا اور اماں صاحبہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا رہا۔

صبح نہیں تو شام

ایک دفعہ میں ملازمت سے معطل ہو گیا سپرنٹنڈنٹ پولیس نے برخاستگی کی تجویز کی۔ میں بابا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجمع تھا۔ میں نے پشت پہ کھڑے ہوئے عرض کیا "میں اپیل کر دوں"۔

فرمایا "ہو"

میں نے پھر عرض کیا۔ منظور ہو جائے گا؟

فرمایا "ہو"

اس کے بعد میں اماں صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوا، بغیر کچھ کہے سُنے آپ نے بابا صاحب کے حکم کی تشریح اس طرح بیان فرمائی :-

"دیل کے تھنتے کی صحبت ذر ذر کرتے پچھمڑی جاتے اپیل کرتے صاحب کی آنکھوں سے انکھیاں لڑائے کھڑے رہتے۔ وہ کچھ کہنا تو نہیں مانتے صبح نہیں تو شام اپیل منظور ہو جاتا۔"

میں کچہڑی پہنچا انسپکٹر جنرل پولیس کے سامنے اپیل کیا۔ صبح صبح پیشی ہوئی صاحب نے کہا ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ البتہ تم نوجوان ہو تمھاری زندگی خراب نہ ہو اس خیال سے ہم یہ کر سکتے ہیں کہ تمھیں سب انسپکٹر کی بجائے ہیڈ کانسٹبل بنا دیں بتاؤ تمھیں یہ تجویز منظور ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ صاحب بہادر نے کہا تم خود سوچو اور ہمیں جواب دو۔ میں نے کہا سوچ لیا۔ ہرگز منظور نہیں۔ صاحب نے جھنجھلا کر حکم سُنایا کہ :-

اپیل نامنظور۔

میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

بابا صاحب اور اماں صاحبہ کو جی ہی جی میں بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ دونوں نے اپیل منظور ہونے کا حکم دیا تھا۔ اماں صاحبہ نے صاف صاف فرما دیا تھا کہ صاحب کچھ کہتا ہے تو نہیں مانتے۔

اگر انھوں نے منع نہ کیا ہوتا تو میں ہیڈ کانسٹبلی منظور کر لیتا۔ چند روز بعد پھر سب انسپکٹر ہو جاتا۔

انہی خیالات میں پریشان غلطاں پیچاں صاحب کے کمرے سے باہر نکلا۔ دوست احباب پوچھنے لگے۔ میں نے ماجرا کہہ سُنایا۔ سب نے کہا تم نے بُرا کیا۔ صاحب

کا کہنا نہ مانا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ میں بیل گاڑی میں اسٹیشن پہنچا۔ ٹکٹ لیا، ٹرین آئی تو میں اس میں سوار ہونے کو جگہ تلاش کر رہا تھا۔ قلی آگے آگے تھا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اچانک ایک پولیس افسر نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا آپ کا نام ہے ضیاء الحق؟

میں نے کہا جی ہاں۔

پولیس افسر:- آپ ٹرین میں سوار نہ ہوں میرے ساتھ چلیں۔

میں گھبرا گیا۔ خیال ہوا کہ اب مجھ پر کوئی مقدمہ چلایا جائے گا۔ میں نے کہا میں ٹکٹ لے چکا ہوں۔ مجھے جانا ہے۔

پولیس افسر نے کہا۔ میں تعمیل حکم پر مجبور ہوں۔ ٹکٹ واپس ہو جائے گا۔ آپ پولیس کے ساتھ ڈاک کی لاری میں کچہری صاحب کے پاس جائیں گے۔ مجبوراً آکر مجھے ٹکٹ واپس کرنا پڑا۔ اور پولیس کے ساتھ روانہ ہو کر صاحب بہادر کے دفتر میں حاضر ہونا پڑا۔ وہاں دفتر والے دوست احباب نے مبارکباد دی۔ میں نے تفصیل پوچھی تو کہا کچھ معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ کو برخاستگی کا حکم سنانے کے بعد تین فیصلے برخاستگی کے لکھے گئے ٹائپ ہوئے دستخط میں بھیجے گئے۔ مگر ہر مرتبہ صاحب نے چاک کر کے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیئے۔ آخر میں حکم دیا کہ ضیاء الحق کو پیش کرو اس سے امید ہوتی ہے کہ شاید صاحب بہادر کا خیال اچھا ہو گیا ہے۔ تم جاؤ حاضر ہو جاؤ۔ اس مرتبہ ضد نہ کرنا، میں اندر گیا، سلام کیا۔

صاحب بہادر نے کہا ضدی لڑکے ہم نے تم کو سب انسپکٹری پر بحال کیا جاؤ۔

میں سلام کر کے واپس ہوا تو شام کا وقت تھا۔ اور ان الفاظ کی صداقت کا نقشہ میری آنکھوں میں پھر رہا تھا جو اماں صاحبہ نے فرمائے تھے۔

"صبح نہیں تو شام اپیل منظور ہو جاتا"۔

بی اماں صاحبہ راجورہ

آپ کا وطن چاندہ ہے۔ آپ کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ صاحبہ نے منت مانگی تھی کہ جو اولاد ہوگی حضور بابا صاحبؒ کی خدمت میں نذر کر دوں گی۔ اس لئے کہ اُن کے کوئی اولاد جیتی نہیں تھی۔ اس طرح اماں صاحبہ تو کم سنی ہی میں بابا صاحب کی نذر کر دی گئیں۔ آپ کی پرورش بابا صاحب نے اپنے ماموں حضرت عبدالرحمٰن شاہ صاحب کے سپرد فرمائی۔

یہ سنِ بلوغ کو پہنچیں تو اُن کے رشتہ دار کسی طرح لیکر چاندہ واپس ہوئے اور اپنے رشتہ داروں میں بیاہ دیا۔ چند روز ہی میں آپ کا جذب بڑھ گیا۔ سب رشتہ دار پریشان ہو گئے۔ جب بابا صاحب کی خدمت میں واپس آئیں تو آپ کا جذب گھٹنے لگا اور چند روز کے اندر ہی سلوک میں آگئیں۔

حضور بابا صاحب نے آپ سے بڑی بڑی مشقتیں اور ریاضتیں کرائیں ہیں حضور آپ کو "عبدالرحمٰن" کہکر یاد فرماتے۔

آپ تا حال راجورہ میں مقیم ہیں۔ صوم وصلوٰۃ کی پابند ہیں۔ آپ کے دروازے پر حاجتمندان حاضر ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت نانی صاحبہ

آپ فقیر خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، مجرّد درویشہ تھیں لنگوٹ کے ساتھ لمبا کرتا آپ کا لباس تھا۔ کبھی کبھی مستانہ وار جھومتیں اور بابا صاحب کی شان میں مناقب پڑھتیں۔

آپ تا دم آخر تاج آباد شریف میں مقیم رہیں۔ آپ کی کوئی بات رموز د

نکات سے خالی نہیں ہوتی تھی۔

وصال آپ کا وصال تاج آباد شریف میں ہوا ہے اور وہیں آپ مدفون ہیں۔

حنیفہ بی اماں

آپ منشی سراج الملک کی اہلیہ ہیں۔ آجکل آپ تاج آباد میں مقیم ہیں۔ ان کے پاس حضور کے تبرکات دندانِ مبارک، موئے مبارک اور ناخن مبارک ہیں اور یہ تبرکات حضور بابا صاحب نے آپ کو خود عطا فرمائے تھے جن کو آپ بہ زمانۂ عرس غسل دیتی ہیں اور ان کی زیارت کے بعد ایک جلوس مہندی ۲۴ محرم کو نکالتی ہیں ہزارہا افراد شریک ہوتے ہیں۔

سکّو بائی

آپ مقام پلس گاؤں اسٹیشن سندھی ضلع وردھا میں "ستی ماں" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ کنبی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور مادر زاد مست ولی ہیں۔

حضور بابا صاحب نے ایک پنجارہ (روئی دھنکنے والا) گلاب سے فرمایا تھا کہ اپنے گاؤں میں چراغ رکھکر یہاں کیوں آیا ہے؟ جا اور مجھے وہاں دیکھ"! وہ آنکھوں سے معذور تھا اور اسی لئے حضور بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا بیچارہ بڑا حیران ہوکر واپس ہوا۔ اُس وقت سکّو بائی کا بچپن تھا۔ سکّو بائی خود اس کے گھر پہنچ گئیں اور اُس کی آنکھوں پہ ہاتھ پھیرنے لگیں۔ یہ دیکھکر پنجارہ کو خیال ہوا کہ حضورؒ نے ان ہی کے متعلق مجھ سے فرمایا ہے۔ سکّو بائی اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر اپنے گھر آگئیں اور پنجارہ کی آنکھیں روشن ہونے لگیں

یہانتک کہ بینائی بالکل قائم ہوگئی۔

سکو بائی کی اسی دن سے شہرت ہونے لگی اور آج بھی سینکڑوں افراد اپنی اپنی حاجتیں لئے ان کے دروازے پر حاضر رہتے ہیں۔

فرید الدین

میٹرک پاس نوجوان تھے۔ قطب الدین صاحب کے صاحبزادے تھے۔ حاضر دربار ہوئے تو پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

بابا صاحب نے ان کو پانی پلایا تھا۔ بابا صاحب کا کرم تھا ان کی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ آنکھیں بند کر کے مراقبہ میں جو کچھ معلوم ہوتا کہہ دیتے اور وہ بالکل صحیح نکلتا۔ چھوٹے بابا کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ۱۹۵۶ء میں انتقال ہوگیا۔ تاج آباد میں مدفون ہوئے۔

شوکت بابا

شوکت علی صاحب آئی سی ایس تھے۔ یوپی میں سیشن جج تھے۔ حاضر دربار ہوئے تو سوٹ پہنے ہوئے تھے، ٹائی باندھے ہوئے تھے۔ حضور نے اپنے ہاتھ سے ٹائی کھول دی، کپڑے اتار دیئے اور فرمایا:۔

"یہاں ہی رہتے ہیں، اللہ اللہ کرتے ہیں"

آپ اس دن سے دربار میں مقیم رہے۔ آپ کو جذب ہوگیا تھا، بہت سی کرامتیں آپ سے سرزد ہوئیں۔ پاکستان بننے کے بعد تاج آباد شریف میں آپ نے وفات پائی۔ وہاں ہی مدفون ہوئے۔

حضرت قادر الاولیاء وجیانگرم والے

قادر الاولیاء حضرت قادر بابا ۳ ربیع الثانی ۱۳۲۰ھ بروز جمعرات تولد ہوئے

آپ کے والد کا نام نواب محمد علی تھا۔ والد بزرگوار کی وصیت کے بموجب شکر درہ

حضور بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بابا صاحب نے فرمایا کہ "شیر کا بچہ

شیر ہے"۔ اور ایک کیلا جو زیادہ گل گیا تھا آپ کو عنایت فرمایا۔ آپ کی طبیعت نے

گوارہ نہ کیا اور کیلے والا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ بابا صاحب نے فرمایا "تم کھاؤ یا نہ کھاؤ جو

تمھیں پہنچنا تھا پہنچ گیا۔

حیات خاں لنگر خاں کے مہتمم نے آپ سے لنگر خانہ کی لکڑیاں پھڑوائیں، آپ

کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، جب حیات خاں کھانا لیکر بابا صاحب کی خدمت

میں حاضر ہوئے تو فرمایا "دیکھو جی یہ حیات خاں ہم سے لکڑیاں پھڑواتا ہے، یہ

دیکھو ہمارے ہاتھ کے چھالے"۔ حاضرین نے بابا کے ہاتھ میں چھالے دیکھے۔ ایک

دن چائے کا گلاس کچھ نوش کرنے کے بعد آپ کو پلا دیا۔

بہت سی برکات وفیوض حاصل کر کے آپ وجیانگرم واپس آئے۔ دو سال

گھر ہی پہ قیام فرمایا اس کے بعد ایک خطرناک جنگل میں رہنے لگے جو اب قادر نگر

کہلاتا ہے۔ قادر نگر مرجع خلائق ہے۔ فیضان ولایت جاری ہے۔ آپ کا نام قادر

محی الدین ہے، صاحب تصرف بزرگ ہیں۔

نظام باپو

کاٹھیاواڑ کی اولوالعزم ہستی حضرت نظام الدین شاہ صاحب عرف نظام باپو

پوربندر سے جیت پور تشریف لائے تھے کہ ایک درویش حضرت نظام باپو کے پاس

تشریف لائے جن کو دیکھکر آپ تعظیماً کھڑے ہو گئے، آپ کو بٹھایا اور خدمت میں کھانا پیش کرنے لگے۔ اُس بزرگ نے تبلایا کہ :-

"میں ناگپور سے آرہا ہوں، تھکا ہوا ہوں، تھوڑی دیر آرام کرلوں گا اور چلا جاؤں گا۔"

نظام الدین بالپو نے فوراً ان کے آرام کا بندوبست کیا اور دودھ بھی پیش کیا تمام لوگ اپنی اپنی جگہ سو رہے ہے۔ حقّو نامی ایک شخص بیان کرتا ہے کہ وہ بھی سو گیا اور کچھ دیر بعد اس نے درویش کے کمرے کی طرف جھانک کر دیکھا تو اُسے نظر نہ آئے اس نے درویش کو نہ پاکر نظام بالپو سے عرض کی کہ کمرہ میں درویش صاحب نہیں ہیں جس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ "وہ حضرت بابا صاحب قبلہ تھے اور مجھے اپنے عرس کی دعوت دینے آئے تھے۔ لہذا اب میں نے یہ نیت کرلی ہے کہ حضرت بابا قبلہ کے عرس کو نہ چھوڑوں گا۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ دس سال تک برابر حاضری دیتے رہے اور گیارہواں عرس کرنے جانے کے بعد ۲۱ صفرالمظفر ۱۳۵۵ھ کو آپ کا وصال بمقام جونا گڈھ ہوا

حضرت بابا محمد یوسف شاہ تاجی

بحیثیت طالب علم
بحیثیت عالم
بحیثیت عامل
بابا تاج الدین ناگپوری کی خدمت میں
بحیثیت مجذوب سالک
تکمیلِ سلوک
بحیثیت واصل
اخلاق و عادات
وصال
پہلی حاضری
چاہِ یوسف
لقمان کو نصیحت
شریعت و طریقت
بابا کے خزانہ کی کنجی
خلافت نامہ
منصب ولایت
خواجہ سلطان التارکین
اخلاقِ درویشانہ
صاحب بہادر بے ٹکٹ
آدابِ حاضری
سب کچھ لُٹا دیا
ناگور میں ناگپور
دس برس پہلے کا خواب
علمِ لدنی

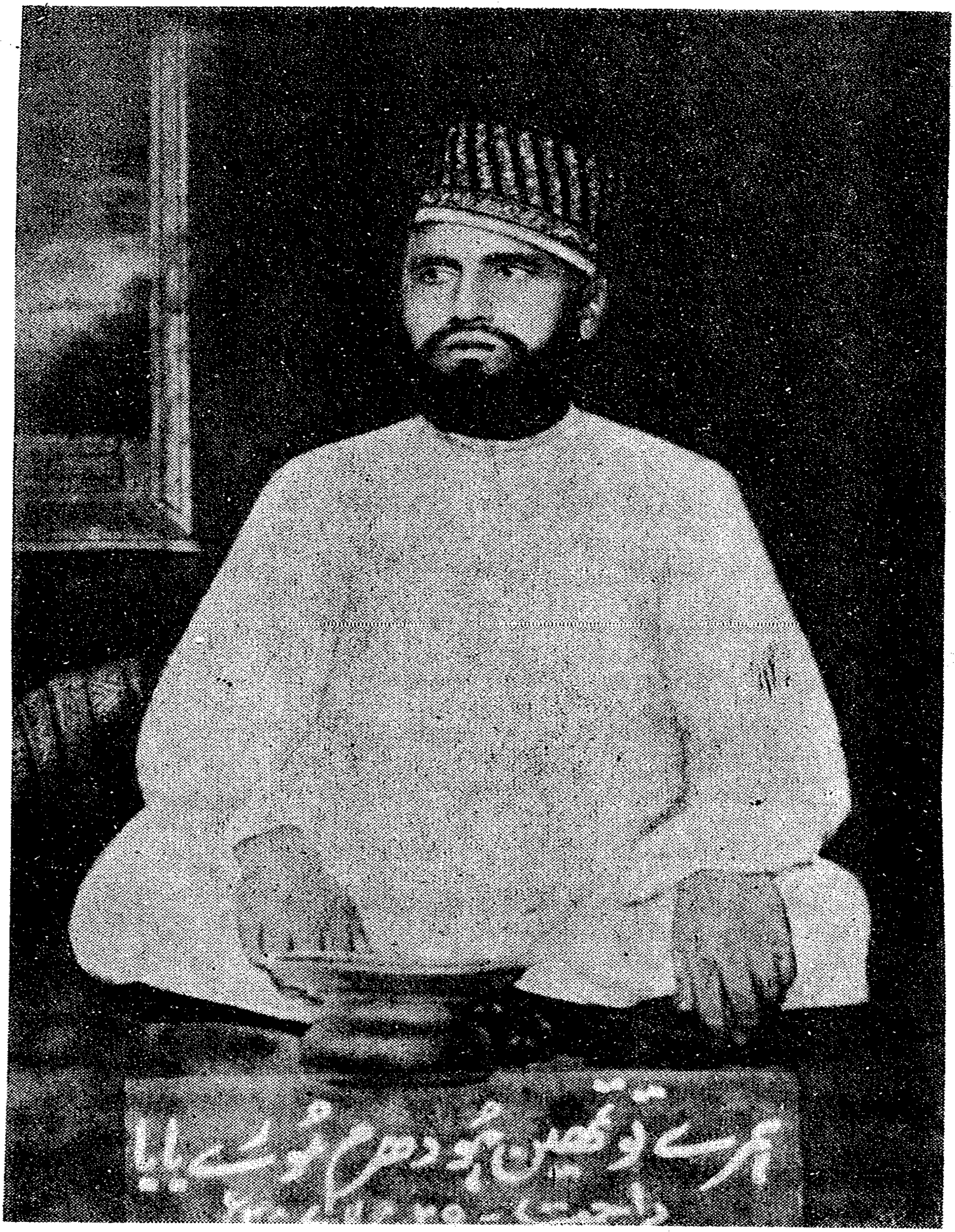

حضرت بابا یوسف شاہ تاجیؒ

سیدنا و مرشدنا حضرت غوث محمد یوسف شاہ تاجی کا نام نامی عبدالکریم شاہ صاحب تھا۔ کہنے کو آپ کا وطن جے پور تھا مگر حقیقتاً ظاہر میں ظاہرِ حق اور باطن میں باطنِ حق آپ کا ٹھکانہ تھا۔ یوں تو دیکھنے میں ایک غریب خاندان میں آپ پیدا ہوئے۔ مگر دیکھنے والوں نے بچپن ہی میں دیکھ لیا تھا کہ آپ امیر کشورِ فقر و شہِ اقلیم عرفان کی طرف سے نامود ہیں السعید من سعد فی بطن اُمّہٖ شکم مادر (حقیقتِ محمدیہ) اعیانِ ثابتہ سے ہی آپ ولی پیدا ہوئے۔ ماہِ صیام تھا۔ والدہ ماجدہ روزے سے تھیں۔ اس لئے ماسوائے اللہ سے اجتناب آپ کی فطری خصوصیت رہی چونکہ یہ نومولود مسعود مردانِ خدا کی صف میں ایک امتیازی مقام حاصل کرنے والا تھا، عشقِ الٰہی کی دشوار گذار کٹھن منزلوں سے آپ کا گذرنا مقدر ہو چکا تھا اس لئے بچپن ہی سے ایک ابتلا کا دور شروع ہوا۔ البلاء بقدر الولا جتنی محبت اتنی ہی مصیبت ؎

نازپروردہ تنعّم نبرد راہ بدست
عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

ابھی آپ چھ مہینہ کے تھے کہ قدرت نے ناز و نعم سے بیگانہ درد آشنا تکلیف پسند، غم دوست، ذوق کی تربیت کے لئے شفقت مادری سے محروم فرمایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے دنیا سے پردہ کر لیا۔ آپ کے والد ماجد سیدنا لعل محمد نے آپ کی پرورش فرمائی۔

بحیثیت طالب علم

ذرا بڑے ہوئے تو مکتب میں بٹھایا گیا۔ مکتب میں عربی، فارسی اور اردو پڑھی، ذرا ہوش سنبھالا تو خانگی حالات سے مجبور ہو کر تعلیم کو چھوڑنا پڑا۔ فکرِ معاش ذوقِ تعلیم پر غالب آئی۔ ریاست میں ملازمت کرنا پڑی۔ آخر سعادت ازلی رہنما ہوئی اور آپ نے تحصیل علم کا تہیّہ کر لیا۔ اعلیحضرت احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں داخل ہو گئے انتہائی عسرت میں تحصیل علم کی طرف متوجہ رہے۔ اعلیحضرت سعادتِ ازلی اور صلاحیت

ازلی کے آثار آپ کے انداز میں ملاحظہ فرماتے تھے۔ وہ توجہاتِ خصوصی سے آپ کو مستفیض فرماتے رہے۔

اسی اثناء میں اعلیٰحضرت احمد رضا خاں صاحب کے مدرسہ میں ایک جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا تھا۔ اس جلسہ میں حضرت تاج الاولیاء نے میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہِ نیازیہ صدر جلسہ تھے۔ آغاز جلسہ تلاوتِ قرآن سے ہوا اور تلاوت قرآن کے لئے اعلیٰحضرت نے آپ سے کہا اور تاج الاولیاء کے تخت پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا آپ اکثر اس واقعہ کو اس انداز میں بیان فرماتے جیسے کہ حضرت تاج الاولیاء سے آپ کو ایک نسبت خاص حاصل ہو۔ فرماتے تھے کہ میں نے یہ دیکھا کہ مجھے تخت پر بیٹھنے کا ادھر اشارہ کیا گیا اور اُدھر میں معاً تخت پر موجود تھا جیسے کہ تاج الاولیاء کے اشارہ انگشت نے مجھے تخت پر پہنچا بھی دیا ہو، کیونکہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے ارادہ کیا ہو، اور اپنی جگہ سے اُٹھکر چلا ہوں اور تخت پر جاکر بیٹھا ہوں۔ تاج الاولیاء کی کرامت نے آپ کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا، اور حقیقتاً یہ تخت نشینی کی رسم ہی نسبت فقر کی تخت نشینی کی پیشگوئی تھی جو تاج الاولیاء تاج الملّت والدین شہنشاہ ہفت اقلیم بابا سید محمد تاج الدین ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ کے الطاف واکرام سے بعد میں ظہور پذیر ہوئی — وہی تاج الاولیاء جو آج مدرسہ میں نواز رہے ہیں، وہی تاج الاولیاء آخر میں تربیت فرماکر آپ کو تخت وتاج کا وارث بنائیں گے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

دو مبیں و دو مجو و دو مخواں
خواجہ را در خواجۂ خود محو داں
گر جدا دانی ازاں ایں خواجہ را
گم کنی ہم متن و ہم دیباچہ را

بحیثیت عالم

اعلیحضرت رح سے تحصیلِ علم کے بعد تبلیغ دین کے سلسلہ میں سیاحت اختیار فرمائی۔ آپ نہایت ہی فصیح و بلیغ خطیب تھے، خطابت میں دلآویزی اثر آفرینی کا یہ عالم تھا کہ سامع متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ خوش الحانی کا یہ عالم تھا کہ ہر بات تیر و نشتر بن کر دل میں اُتر جاتی تھی۔ سامعہ مدہوش ہو جاتا تھا۔

بحیثیت عامل

آپ کی زندگی کا دوسرا رُخ علم سے عمل کی طرف متوجہ ہونا ہے، اس زمانے میں آپ زہد و پرہیز سے آراستہ اور شرع و ورع سے ظاہراً و باطناً پیراستہ تھے اور اوراد و وظائف پر عمل درآمد تھا۔ شب بیداری اور ذکر الٰہی کا اہتمام تھا۔ صلاحیت فطری بروئے کار آنے کے لئے دل میں کروٹیں لے رہی تھی اور آپ سلوک الی اللہ میں گامزن ہونے کے لئے کسی رہنما کی تلاش میں تھے۔ حسنِ اتفاق سے مولانا شاہ سید صوفی عبد الحکیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے اجمیر شریف میں شرف ملاقات حاصل ہوا۔ صوفی صاحب علوم ظاہری و باطنی میں منفرد تھے۔ علوم و عرفان کا بحر ذخار تھے آپ کا سلسلہ شاہ طالب حسین فرخ آبادی رح کے توسل سے حضرت صوفی شاہ عبد الرحمٰن لکھنوی رح سے ملتا ہے۔ آپ کی مثنوی "نظارۂ سلوک" قابلِ دید ہے۔ مثنوی مولانا روم رح کی بحر میں تمام مقامات سلوک اور مسائل تصوف کو نظم فرمایا ہے۔ اکثر مقامات پر مولانا روم رح کے اشعار کی پُرلطف تشریح اشعار میں ہی فرمائی ہے۔ مثلاً مولانا روم رح کا مشہور شعر ہے ؎

دِہ مرد، دِہ مرد را احمق کند　　　عقل را بے نور و بے رونق کند

صوفی صاحب اس کی تشریح میں فرماتے ہیں ؎

چیست دِہ آں پیرِ نا واصل شدہ
دست در تقلید دو رجعت زدہ

یا جیسے مولانا روم ؒ کا یہ مشہور شعر ہے ؎

علم حق در علم صوفی گم شود ــــــ ایں سخن کے باور مردم شود

اس کی تشریح کیسے عجیب انداز میں آپ نے فرمائی ہے

علم صوفی خط و علم حق نقط ــــــ بے وجود نقطہ نبود لبود خط

حضرت صوفی صاحب قبلہ ؒ نے آپ کو کچھ روز اپنی خدمت میں رکھا ۔ تعلیم و تربیت فرمائی اور اجازت و سندِ خلافت عطا کی (آپ کی تمام تعلیمات اوراد و اشغال اعمال وظائف حضرت قبلہ و کعبہ کے قلمی فقیر کے پاس محفوظ ہیں) اور اجمیر شریف عرس حضرت خواجہ غریب نواز کے موقع پر آپ کو آستانہ غریب نواز پر پیش کیا ۔ حضرت قبلہ و کعبہ فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھے پیر و مرشد نے غریب نواز کی خدمت میں پیش کیا تو میری ٹوپی سر سے اُتر گئی اور مزار شریف کے اندر چلی گئی ، باہر آیا تو جوتا کسی صاحب نے قبول فرما لیا تھا ، الغرض ہم ننگے پاؤں ننگے سر ہی خواجہ حسام الدین جگر سوختہ ؒ کے عرس میں مقام سانبھر ریاست جے پور حاضر ہوئے ۔ اس واقعہ کو حضرت قبلہ و کعبہ بابا صاحب کے دربار میں پہنچ کر برہنہ پائی اور برہنہ سری کے پیش آنے والے واقعات کی طرف اشارہ ہونا فرمایا کرتے ۔ چنانچہ ہوا بھی یہی کہ جب حسب الحکم پیر و مرشد آپ بابا صاحب کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ پر جذبی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ ننگے سر اور ننگے پاؤں عرصہ دراز تک قلندرانہ گھومتے رہے ۔

بابا تاج الدین ناگپوری ؒ کی خدمت میں

بابا صاحب رضی اللہ عنہ نے آپ کے حال پر شفقت فرمائی ، شکر درہ کی باولی میں آپ کو بٹھا دیا ۔ آپ کی تربیت کی سلوک اور جذب کی منازل سے گذارا ، محمد یوسف شاہ نام رکھا ۔ رشد و ہدایت پر مامور فرمایا ۔

بحیثیت مجذوب سالک

بابا صاحب رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضری نے آپ کی زندگی بدل دی۔ عالمانہ وضع قطع کا لباس ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا۔ ایک عرصہ تک کمبل کا لانبا کرتا جسم مبارک پر ہوتا تھا۔ شیریں گفتاری، سحر بیانی اور فصیح اللسانی گہرے اور مسلسل سکوت میں تبدیل ہوگئی۔ گھنٹوں پہروں خاموش، مستغرق اور بےحس و حرکت آنکھیں بند کئے بیٹھے رہتے، جنگلوں میں رات دن گھومتے، ہجوم ساتھ ہوتا، جو ساتھ ہوتا اس کو بھی تن بدن کا ہوش نہ رہتا الگ ہونے کو جی نہ چاہتا، کئی کئی دن لوگ اپنے گھر نہ جاتے۔ کھانا ترک تھا، صرف چائے پر گذر رہتا۔

تکمیل سلوک

اسی زمانہ میں آپ سے بیشمار کشف و کرامات خوارق و عادات کا ظہور ہوا۔ حضور بابا صاحب رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے آپ کے مراتب ولایت کا اندازہ ارباب کشف و شہود سے بھی متعذر رہے۔ آپ تمام کمالاتِ ولایت کا سرچشمہ ہیں اور تمام کرامتیں جو مختلف زمانوں میں مختلف اولیاء اللہ سے سرزد ہوئیں آپ کے نام گرامی سے منسوب ہیں۔ جس ذات گرامی نے ہزاروں بندگانِ خدا کو چشم زدن میں مرتبۂ ولایت پر فائز کردیا اس کے مرتبہ کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ پھر ظاہر ہے کہ آپ جس کی تربیت فرمائیں جس کو نوازیں، جس کو اپنا بیٹا کہیں، ولی اللہ فرمائیں اپنے خزانہ کی کنجی قرار دیں، جبہّ عنایت فرمائیں، عمامہ دستِ مبارک سے سرپر باندھیں، اس کے مدارج کا اندازہ، اس کے علوئے مرتبت کا تخمینہ کس طرح ممکن ہے، حضرت قبلہ و کعبہ خود فرماتے تھے کہ ہم سے بابا رضی اللہ عنہ نے فرمایا" سب سے پیچھے آئے اور سب سے اچھے رہے" ؎

دیر آمدہٗ زراہِ دور آمدہٗ

مگر جہاں آپ کے تمام محامد کا احاطہ ممکن نہیں وہاں یہ امکان ضرور ہے کہ آپ نے جتنا علم اپنے متعلق ہم کو عطا کیا ہے اس کو تحدیث نعمت کے طور پر بیان کیا جائے۔

بابا صاحب کے دربار میں حاضری سے پہلے چار خانوادوں کی نسبت اور اجازت خلافت آپ کو حاصل تھی۔ مگر بابا کی نسبت ان تمام نسبتوں پر غالب آئی اور تمام سابقہ نسبتیں اس جامعیت کی نسبت میں مندرج اور مندمج ہو گئیں۔ یہاں تک کہ ایک روز بابا صاحب نے آپ کو حکم دیا کہ ہمارے ایک ہزار نام لکھ لاؤ۔ آپ نے ایک ہزار نام لکھکر پیش کئے اور بابا صاحب نے وہ اسمائے مبارکہ سمع قبول سے سُنے۔ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جو شخص تجلیات اسمائی کا عارف نہ ہو وہ ان اسماء کی حقیقت تک نہیں پہنچ پاتا۔

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھکر

وہ ہزار نام فقیر کو اس ہدایت کے ساتھ عنایت فرمائے گئے کہ عام نہ کئے جائیں خواص کا حصہ ہیں کسی شیخ کا اپنے مُرید کو ایک ہزار نام لکھنے کا حکم دینا کئی معنوں کا حامل ہو سکتا ہے، اولاً یہ کہ ہر اسم چونکہ ایک صفت کا مظہر ہوتا ہے۔ اس لئے ایک ہزار نام سے ظاہر ہے کہ ایک ہزار صفات پر دلالت کرنے والے ہوں گے۔ اس لئے وہ مُرید جو شیخ کو کسی ایک اسم کا مسمیٰ سمجھتا ہے وہ دوسرے اسم کے ساتھ نہیں جان سکتا اور نہ پہچان سکتا ہے، بلکہ انکار سے پیش آنے کا امکانِ قوی ہے۔ ایسے مُرید کا سلوک الی اللہ ناقص ہے جو اپنے شیخ کی محدود اور مقید جہت بشری کا عارف ہے اور اس کو اسی نام سے جانتا ہے برخلاف اس کے وہ سالک جو شیخ کی جہتِ حق کے ساتھ وابستہ ہے وہ خود غائب ہو کر وہاں سب کچھ حاضر پاتا ہے۔ تمام تجلیات الٰہی اس مرکز کے گرد طواف کرتی نظر آتی ہیں۔ صفات افعال اور آثار کے سرچشمے یہیں سے پھوٹتے ہیں۔ اس مقام پہ سالک کی نظر سے غیریت اور تعدّد کے پردہ اٹھ جاتے ہیں اور وہ جان لیتا ہے کہ حقیقتِ شیخ حقیقت محمدی ہے۔ یہ حقیقت ہی تمام اسماء کی مسمیٰ، تمام اوصاف کی موصوف، تمام افعال کی فاعل،

تمام آثار کی موثر، تمام موجودات کی موجد مشہود ہوتی ہے۔ اس تمہید کے بعد بابا کا اپنے ہزار نام سرکار سے طلب فرمانا اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ آپ حقیقتِ شیخ کے عارف تھے اور بابا جیسے جلیل القدر ولی اللہ کے حضور میں ہزار نام لکھکر پیش کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کا علم وعرفان مستند تھا اور کشف و وجدان برزخِ کبریٰ میں جاری وساری تھا سلوک الی اللہ کی تکمیل کا یہی مقام ہے اس کے بعد مقام وصول اور بقا باللہ ہے۔ اس سے آگے کوئی مقام نہیں ــــ ذاتِ ترقی سے نہیں تجلّی سے موصوف ہے۔

جذب ومستی، کیف وسرور، شکر اور سرشاری کا وہ دور دیکھنے والوں نے دیکھا جو کبھی نہ دیکھا تھا ــــ

نگہِ مست سے بابا کے جو متانہ بنا   میں جہاں جھوم کے بیٹھا وہیں میخانہ بنا

عشق ومحبت کے سوز وگداز نے نخوت وناموس کے برفانی قلعوں کو اپنی حرارت سے پگھلا کر گرا دیا۔ یہ پانی محبت کا اتھاہ سمندر بنا۔ دلِ شکستہ نے کشتی کا کام دیا اور ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہنے والے کشتی نشین کشتی بان نے بسم اللہ مجریھا ومرسٰھا انّ ربی لغفور الرحیم تعلیم کی۔ من کی موجوں میں سفینہ گردابوں سے کھیلتا ہوا طغیانیوں کے سینہ پر مچلتا ہوا، تلاطم کو تھپیڑے مارتا ہوا چلا جا رہا تھا، جیسے ساحل کو سمیٹ کر دل کی کشتی کے کسی کونے میں رکھ لیا ہو اور بحرِ ناپیدا کنار کو نچوڑ کر دل کی موجوں میں چھپا لیا ہو۔ یہاں تک کہ علم اور عین ایک نقطہ پر جمع ہو گئے۔ یہی مقام مجمع البحرین ہے، جہاں خضرؑ وموسیٰؑ عشق وعقل، باطن وظاہر، حقیقت ومجاز، آسمان وزمین، عروج ونزول، بلند وپست، آدم وحوّا، علی وبتول، یوسف وزلیخا، محب ومحبوب گلے میں باہیں ڈال کر ملتے ہیں۔ دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک نہیں جو دو کے مقابلہ میں ہے۔ وہ ایک جو انیک ہو کر ایک ہے۔

گر تو یک صد بار بشماری یکیست

وکان عرشہ علی الماء تمام عالم کثرت زیر آب تمام تعینات دریا برد، موج ربانی) سا دردرخت) موسی بمعنی شجرة الماء" پانی کا درخت" خود اپنے وجود کے درخت سے اس حقیقت موسوی کے پردہ سے انی انا اللہ سنتا ہے۔ وجعلنا من الماء کل شی حی۔

بحیثیت واصل آپ کو بابا صاحب کی ذات گرامی میں کامل فنائیت حاصل تھی تا آنکہ رفتہ رفتہ صورت ظاہری بھی بابا کی صورت سے مل گئی تھی۔ بمقام کھنڈیلہ ریاست جے پور جب آپ غریب خانہ پر مقیم تھے۔ رات کو مجلس وعظ منعقد ہوئی۔ آپ تخت پر رونق افروز ہوئے کہ شاہ پور، منوہر پورہ کے ایک درویش سید برہان جو بابا صاحب کے دیکھنے والوں میں سے تھے، بے ساختہ دوڑ کر قدم بوس ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ بابا صاحب خود رونق افروز ہیں عرض حال کرنے لگے۔ اسی طرح سید ضیاء الحق وکیل نے کیفیت گریہ میں عرض کیا کہ حضور اب تو آپ کا چہرہ مبارک بابا صاحب کا چہرہ مبارک ہوگیا ہے۔ آپ نے معاً جواب میں فرمایا "اے دیوانے یہ بال بال انہی کا ہے"۔

راقم نے بمقام کوٹھی چندیاں علیگڑھ ۱۹۳۹ء شغلِ برزخ کی کیفیات اس عنوان سے عرض کیں ۔

اے ذہین ابن فراتی من نیم اصلانیم ظاہرم عبدالکریم و باطنم رب الکریم

فرمایا "مبارک" یہ وسعتِ نظر بغیر حالتِ فنا کے ناممکن ہے کہ اپنے مرید کو شیخ اپنی عروجی جہات میں سفر کرائے، ورنہ ناقصین اپنے مریدین کو اپنے تک ہی یعنی نزولی شکل میں محدود اور مقید رکھتے ہیں اور ان کی دین و دنیا تباہ کرتے ہیں۔

سرکار قبلہ و کعبہ کی نظر میں اتنی وسعت اور جامعیت تھی کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ہر سلسلہ کے مشائخ اور مریدین کو اپنا ہی سمجھتے تھے، کوئی امتیاز روا نہ رکھتے تھے،

نہ کسی کی نسبت کو ضعیف یا مجروح فرماتے تھے، نہ کسی کی برائی، غیبت، نکتہ چینی اور عیب جوئی گوارا تھی۔ مجالس سماع میں دوسرے سلسلوں کے فقراء کا وہ ادب و احترام فرماتے تھے کہ ان کی مثال نظر میں نہیں آتی۔ اخلاق، ایثار، مروت و محبت کے بادل ہر آن رم جھم رم جھم برستے رہتے تھے۔

اہلِ نظر کا بیان ہے کہ بابا محمد یوسف شاہؒ کی صحبت ہمیشہ غیبت سے پاک تھی اور یہ کیوں نہ ہو وہ موحّد ذاتِ واحد کو تمام مظاہر میں دیکھتا ہے اس کا مشاہدہ ؎

در مقید آیتِ مطلق نگر　　　ہم بچشمِ حق بسوئے حق نگر

کے سوائے اور کیا ہو سکتا ہے، مرتبہ وصول اسی کا نام ہے کہ سالک کی نظر سے حجاب غیریت مرتفع ہو جائے۔

خلوت و جلوت میں، سفر و حضر میں، آرام و تکلیف میں، تنگی و فراخی میں ہمیشہ آپ کو یک رنگ یک سو، یک رو، دیکھا گیا۔ ذکرِ توحید تمام اذکار پر غالب تھا، ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق توحید کی تعلیم توحید کی تلقین آپ کی زندگی کا نصب العین تھا۔ آپ کے معاصر علماء اور مشائخ کی مجالس میں بھی یہی دولت لٹتی تھی اور جب کبھی یہ مبارک اجتماع ہوتا تھا تو سالکین کی جھولیاں متاعِ حقائق و معارف سے بھر جاتی تھیں۔ مولانا عبدالسلام صاحب دہلوی، بالو جیا صاحب مرحوم، مولانا عبدالقادر صاحب نیازی، مولانا انوارالرحمٰن صاحب بسمل مرحوم جے پوری، مولانا محمد ایوب صاحب پانی پتی، حکیم احسان الحق صاحب دہلوی اس دَور کی مایہ ناز ہستیاں آپ کے معاصر اور شریکِ جلسہ رہے ہیں۔ سرکار ہر مجلس میں اپنی خصوصیات سے ممتاز رہے۔

جمع تھے پاک ایک زمانے کے　　　اُف وہ جلسے شراب خانے کے

جذب و سلوک کی منازل سے گذرنے کے بعد صاحب حصول و وصول ہو کر

آپ نے ملک کے ہر حصہ میں سیاحت فرمائی تاآنکہ کوئی شہر اور کوئی صوبہ ایسا نہیں ہے جہاں حضور کے نام لیوا موجود نہ ہوں۔

اخلاق وعادات

آپ نہایت ہنس مکھ، بیحد نرم مزاج، انتہائی شفیق بزرگ تھے، ہر شخص کی دلداری اور حوصلہ افزائی حاجت براری للہ فرماتے، حاضرین کی درخواستیں سنتے اور ہمدردانہ توجہ فرماتے۔ بذل و ایثار کا سراپا مجسم تھے۔ جو تحفے تحائف آتے آپ حاضرین پر تقسیم فرماتے۔ آپ کی صحبت میں انسان اپنے دُکھ درد اور تمام دنیاوی افکار کو بھول جاتا، انتہائی مہمان نواز، متواضع غریب پرور خطاپوش، سیر چشم اولوالعزم تھے۔ آپ کا روئے توجہ ہمیشہ خدا کی طرف رہا، اسباب دنیاوی سے طبعاً نفور تھے۔ نواب صاحب بہادر طالب نگر نے کچھ جاگیر بطور نذرانہ پیش کرنا چاہی تو فرمایا کہ ہمارے پاس یہی ٹوٹا پھوٹا توکّل ہے جس کو تم چھیننا چاہتے ہو۔ نواب صاحب چھتاری نے وزیر اعظم حیدرآباد دکن کی حیثیت سے آپ کا وظیفہ مقرر کیا تو آپ نے نامنظور فرما دیا۔ فقر و فاقہ ملحوظ خاطر تھا۔ اکثر اعراس و فاتحہ کے موقع پر آپ مقروض ہو جاتے رات میں بہت کم آرام فرماتے وہ بھی کبھی کبھی ورنہ رات بھر جاگنا معمول تھا۔ ذوقِ سماع غالب تھا اکثر قوال حاضر خدمت ہوتے۔ اکثر بزرگانِ دین کے اعراس میں حاضر ہونا بھی آپ کا معمول تھا۔ اور خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کے عرس کے موقعہ پر ہندوستان کے اکثر علماء، مشائخ آپ کے یہاں چھٹی کی فاتحہ میں شرکت فرماتے یہ مجلس اپنے تاثرات کے لحاظ سے عرس کا حاصل ہوتی تھی۔

عرس حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۷۵ء کے آخیر میں آپ کو نزلہ زکام کی شکایت ہوئی، بعد میں حرارت رہنے لگی۔ اسی عالم میں آپ اجمیر شریف سے جے پور ہوتے ہوئے ناگپور تشریف لے گئے۔ وہاں طبیعت اور بھی خراب ہوگئی۔ آپ دہلی تشریف لائے وہاں سے بلند شہر ڈاکٹر عبدالعزیز یوسفی تاجی کے یہاں قیام فرمایا

ڈاکٹر صاحب نے معالجہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی مگر افاقہ نہ ہوا، بالآخر علیگڈھ کوٹھی چندنیاں پر قیام فرمایا۔ یہاں کچھ طبیعت سنبھلی تو آپ نے غسلِ صحت فرمایا۔ بیشتر مُریدین اس وقت حاضر تھے۔ یہاں سے آپ اجمیر شریف آئے تو پھر طبیعت خراب ہوئی آبو تشریف لے گئے مرض اور بڑھ گیا اور وہاں سے اجمیر شریف واپسی ہوئی۔ داخل اسپتال ہوئے، پھیپھڑے کا آپریشن ہوا، خون دیا گیا تو آپ کسی قدر تندرست ہوئے۔ لیکن جولائی ۱۹۴۷ء میں مرض پھر غالب آیا۔ طبیعت نڈھال ہونا شروع ہوئی تا آنکہ امید زلیست منقطع ہونے لگی تو درگاہ کمیٹی نے آپ کے مزار کے لئے غریب نواز کے چلّہ شریف پر جگہ تجویز کی۔ فقیر سے مشورہ کیا گیا تو میں نے رفیع میاں اور شفیع میاں سے کہا مجھے ابھی کوئی حکم نہیں ملا ہے، مگر وہ نہ مانے اور مجھسے جگہ کا انتخاب منظور کرا لیا۔ جب ہم تینوں واپس آئے تو حضور نے اُسی عالمِ بیہوشی میں فرمایا کہ تم کہاں گڑھے دیکھتے پھرتے ہو۔ میری مٹی یہاں کی نہیں ہے، کراچی لے چلو۔

وصال

آپ کو کراچی لایا گیا۔ تیسرے دن بمقام جیکب لائنز بر مکان عزیزم وقار الحق سلمہ آپ نے یکم ذی الحجہ کو بوقت ۲ بجے شب وصال فرمایا۔ بوقت وصال ضیاء الحق تحصیل دار، ضیاء الحق وکیل راقم کے ساتھ موجود تھے۔ صبح آپ کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔ یہ جگہ خانقاہ تاجیہ کے نام سے مشہور ہے۔ فقیر سجادہ نشین خانقاہ ہے۔ سجادہ نشینی کا اعلان وصال سے بہت پہلے آپ نے فرما دیا تھا۔ ہر پنجشنبہ کو معمولات سلسلہ خانقاہ میں ادا ہوتے ہیں۔ بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے اور سال میں دو بار اعلیٰ پیمانہ پر اعراس ہوتے ہیں۔ پہلا عرس حضرت قبلہ و کعبہ کا یکم ۲، ۳ ذی الحجہ کو ہوتا ہے۔ دوسرا عرس حضرت تاج الاولیاء بابا صاحبؒ کا ۲۴، ۲۵، ۲۶ محرم الحرام کو ہر سال ہوتا ہے۔ دونوں اعراس میں ہزاروں افراد کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ تین شبانہ روز ہزارہا مرد و عورت، عوام و خواص، علماء و فقراء

کا اجتماع ہوتا ہے۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی تمام مقامی اخبارات میں اعلان ہو کر ۱۹۴۷ء میں یہ اعراس قائم ہوئے اور بحمداللہ روز افزوں ترقی پر ہیں۔

پہلی حاضری

قبلہ و کعبہ فرماتے تھے کہ ہمارے پیرومرشد حضرت صوفی عبدالحکیم لکھنوی رح نے ہم کو حکم دیا کہ حضرت تاج الاولیاء تاج الملت والدین شہنشاہ ہفت اقلیم سید محمد تاج الدین ناگپوری کی خدمت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ پہلی مرتبہ واکی شریف حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا "ابھی دیر ہے" پھر جب حضرت تاج الاولیاء نے واکی سے اپنا قیام شکردرہ ناگپور فرمایا تو شرف حاضری حاصل ہوا۔ حضور تاج الاولیاء کی ظاہری حالت دیکھکر دل میں خیال آیا کہ حضرت پیرومرشد نے مجھے کہاں بھیج دیا، یہ بزرگ یا تو باشرع نہیں معلوم ہوتے۔ یہ خیال آتے ہی معاً بابا نے حکم دیا کہ اس مولوی کو یہاں سے نکال دو۔ خدام نے تعمیلِ حکم میں سامنے سے الگ کر دیا۔ ہم پر انفعال طاری ہوا کہ ہم نے اپنے شیخ کے حکم میں چون و چرا کا پہلو نکالا۔ بابا کی روشن ضمیری سے اپنی اس حالت پر شرمندگی ہوئی کہ شریعت و طریقت کے مراسم کی ظاہری پابندیاں اس عمر تک مبالغہ کے ساتھ تم کرتے رہے مگر یہ بصیرت پیدا نہ ہوسکی کہ بابا کے مدارج کا انکشاف تم پر ہوتا یا شیخ کے حکم کی مصلحت منکشف ہوتی۔ غرض کہ ہم اپنے دل میں بہت نادم ہوئے اور چند روز اسی ندامت میں بابا سے دُور گذرے۔ اَلنَّدَمُ تَوْبَۃ۔ آخر کار ہمارے ظاہر و باطن نے متفق ہو کر فیصلہ کیا کہ ؎

بے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

ایک روز کسی درخت کے نیچے بابا آرام فرما رہے تھے، زائرین کا ہجوم چاروں طرف تھا، کچھ خدام پاؤں دبا رہے تھے، ہم نے موقعہ پاکر پائے مبارک کو ہاتھ لگایا تھا

کہ آپ پاؤں سمیٹ کر بیٹھ گئے۔ جُبّہ مبارک اُتارا اور ہماری طرف پھینک کر فرمایا "تیری شریعت تجھے ہی مبارک"۔ خدّام نے بابا کو فوراً دوسرا جبہ پہنا دیا اور وہ جبّہ مبارک جو ہم کو عطا ہوا تھا ہم نے پہنا۔ پہنتے ہی دنیا بدل گئی، جذب و مستی کا عالم طاری ہو گیا، حجابات مرتفع ہو گئے ؎

مرشد ایسا کیجئے جو صیقل گر سا ہوئے
جنم جنم کے مورچے پل میں دلوے کھوئے

ارشاد ہوا "صرف چائے پیتے"۔ چنانچہ ایک مدت تک غذا بند رہی۔ صرف چائے پر گذر ہوتا رہا۔ ننگے پاؤں، ننگے سر پیادہ پا میلوں سفر کرتے، گرمی، سردی، دھوپ، ہوا، بھوک، پیاس، نیند اور فطری تقاضے سب غائب، اپنی ہستی اور اپنا علم رخصت ہوا، بال بال سے تاج الدین تاج الدین کی آوازیں آنے لگیں۔ عبادت اطاعت اور اوراد و اشغال نے الفراق کہا ؎

ہنگامِ زہد و طاعت و تقویٰ گذشت و رفت
دورِ حقیقت است وداعِ مجاز کُن

چاہِ یوسف

ایک روز فرمایا کہ شکردرہ میں رگھوراؤ رام کے محل میں بابا کا قیام تھا۔ پاس ہی ایک تالاب ہے، تالاب کے قریب ایک باؤلی ہے۔ اس باؤلی میں بابا نے ہم کو بٹھا دیا اور ہمارا نام محمد یوسف رکھا۔ حضرت کا نام عبدالکریم تھا۔

لقمان کو نصیحت

ایک روز فرمایا۔ شکردرہ میں قیام سے پہلے پہلے ہم ناگپور کئی مرتبہ گئے تھے، وعظ کہا کرتے تھے، محلے کے محلے ہم سے شناسا تھے۔ ہمارے وعظ سے ان لوگوں کو اتنی دلچسپی تھی کہ دنوں کا قیام ہفتوں اور مہینوں میں تبدیل ہو جاتا تھا، نتیجہ میں لوگ ہم سے بہت مانوس

ہو گئے تھے اور بہت محبت کرتے تھے۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہم شکردرہ مقیم ہو گئے ہیں تو ہمارے پاس آکر سمجھانا بجھانا شروع کیا ؎

سرمد در دیں عجب شکستے کردی — ایماں بہ فدائے چشم مستے کردی
عمرے کہ بآیات و احادیث گذشت — رفتی و نثارِ بت پرستے کردی

مگر یہاں تو یہ حال تھا ؎

نہ کام ان کو ہے ایں و آں سے — نہ کچھ خبر اپنے جسم و جاں سے
گذر گئے ہیں وہ دو جہاں سے — جو تیرے کوچے میں آ چکے ہیں

ہم نے کہا کہ ہم دیوانے ہیں تو دیوانے کو نصیحت عبث ہے اور اگر عقلمند ہیں تو عاقل نصیحت کا محتاج نہیں۔ تم لوگ ہمیں شکردرہ سے شہر واپس جانے کو کہتے ہو، میں کہتا ہوں کہ تم سب یہاں آؤ اور ہم جیسے ہو جاؤ ؎

مصلحت دیدِ من آں است کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و سرِ طرّہ یارے گیرند

شریعت و طریقت

ایک روز فرمایا کہ جو غیر مسلم مسلمان ہونے کے لئے حاضرِ دربار ہوتے ان کو بابا صاحب ہمارے پاس حاضر ہونے کا حکم دیتے تھے، ہم ان کو داخلِ اسلام کرتے تھے۔ اس طرح جو لوگ مُرید ہونے کے لئے آتے تھے ان کو بھی بابا صاحب ہمارے پاس بھیج دیتے تھے۔ ہم ان کو مُرید کرتے تھے۔ چنانچہ اس وقت کے مرید اب بھی تاج آباد میں موجود ہیں۔ ایک روز فرمایا کہ یہ جنگلی شاہ جو تمھارے سامنے موجود ہے پُرانا خادم دربار ہے، بابا کا خادم تھا۔ بابا نے اس کو ہم سے مُرید ہونے کا حکم دیا تو اس نے خیال کیا کہ ہم اس کے پیر بھائی ہیں، ہم اس سے مرید کیوں ہوں بابا سے ہی مرید کیوں نہ ہوں۔ جب یہ خیال دل میں لیکر بابا کے سامنے گیا تو عتاب آمیز لہجہ میں فرمایا۔ محمد یوسف میرا بیٹا ہے، غریب نواز ہے، ولی اللہ ہے

تعمیل حکم کر۔ چنانچہ یہ آیا، معافی چاہی اور مرید ہو گیا ؎

چوں تو ذاتِ شیخ را کردی قبول — ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول
گر جدا دانی ازاں ایں خواجہ را — گم کنی ہم متن و ہم دیباچہ را

باباکے خزانہ کی کنجی

ایک روز فرمایا شکر درہ میں باباکے حکم سے جشنِ میلاد شریف منعقد ہوا۔ ہم کو میلاد پڑھنے کا حکم ملا۔ جو کیف و سرور خود ہم کو اور حاضرین کو اس وقت حاصل ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ حاضرین نے کھُلی آنکھوں سے دیکھا کہ بار بار ہمارا لباس نہایت خوشنما، دیدہ زیب، رنگا رنگ، مرصع اور زرنگار لباس میں تبدیل ہوتا رہا، تا آنکہ میلاد شریف کا بیان ختم ہوا اور بابا نے حاضرین خاص سے فرمایا کہ

"مولانا محمد یوسف شاہ ہمارے خزانہ کی کنجی ہے" ؎

جس نے دیکھا ہے اُنھیں اس نے اسی کو دیکھا
ہم بھی اس دید سے حیران بنے بیٹھے ہیں

خلافت نامہ

ایک روز فرمایا کہ جن دنوں ہم شکر درہ میں مقیم تھے لوگوں کو ظاہری و باطنی احکام کے ماتحت باباصاحب کے سلسلہ میں داخل بھی کرتے تھے۔ تاہم ایک دن یہ خیال آیا کہ جس طرح اور سلاسل میں سندِ خلافت عطا ہوتی ہے بابا نے ہم کو سندِ خلافت عطا نہیں فرمائی۔ اچانک بابا ہماری جائے قیام پر تشریف لائے ایک سادہ کاغذ لیا، پاس ہی دو دوات رکھی تھیں اُن کی روشنائی کو ایک کیا اور ایک شطرنج کے مہرہ کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا جو زمین پر پڑا ہوا تھا وہ اٹھایا اور روشنائی میں ڈبو کر بکمال عجلت کچھ خطوط کھینچے، کچھ لکھا اور چشم زدن میں یہ سب کچھ کر کے وہ کاغذ ہمیں یہ فرماتے ہوئے عنایت کیا کہ

"لو! یہ خلافت نامہ ہے"

اب جو ہم دیکھتے ہیں تو اس کاغذ پہ پورے ہندوستان کا نقشہ کھینچا ہوا ہے اور بیچ میں شیخ شیخ شیخ چہ پہ شیخ ارقام فرمایا

جامِ جہاں نماست ضمیر منیر دوست
درحضرت کریم تقاضا چہ حاجت است

منصبِ ولایت

ایک دن ارشاد کیا ۲۱ رمضان مبارک کو جو مولائے کائنات علیہ السلام کا یوم وصال ہے۔ حضرت بابا نے اپنا جبہّ مبارک اپنے جسم مبارک سے آتارا اور ہم کو پہنایا۔ ہمارے سر پہ دستِ مبارک سے عمامہ باندھا اور ایک کرسی پر بٹھایا اور فرمایا "یہ میرا بیٹا ہے غریب نواز ہے" چنانچہ حضرت قبلہ وکعبہ پہ ۲۱ رمضان المبارک کو ایک خاص کیفیت کا ورد ہوتا تھا۔ آپ بہ نفسِ نفیس مع جملہ مریدین و معتقدین اکیسویں کی فاتحہ کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور وہ دولت جو میرے سرکار کو حضرت باباصاحب نے عطا فرمائی تھی اس دن حاضرین کو ارزانی فرماتے تھے۔ اس کا لطف وہی لوگ جانتے ہیں جن کو خوش نصیبی سے ایسے مواقع نصیب ہوئے جو بیان میں نہیں آسکتے۔

جمال شخص نہ زلف است و عارض و خط و خال
ہزار نکتہ دریں کار و بارِ دلداری است

راقم الحروف کو بمقام علی گڑھ، کوٹھی چیڈ نیاں ۲۱ رمضان المبارک کو اسی فاتحہ کے موقعہ پہ ایک کیفیت خاص میں حضور قبلہ وکعبہ نے جبہّ مبارک عطا فرمایا اور ارشاد ہوا۔

"لو یہ جبہّ ہے اس کو یونیفارم بھی کہتے ہیں"

خواجہ سلطان التارکین

ایک روز فرمایا ہم سلطان التارکین خواجہ صوفی حمید الدین ناگوریؒ کے آستانہ پہ

حاضر نہ ہوسکے، غالباً حضرت نے اپنے بنیرہ کے ساتھ حاضر ہونا مناسب سمجھا ہو۔ (بنیرہ سے مراد راقم ہے) اس لئے ہم تمھارے ساتھ ناگور شریف حاضر ہوں گے اور پروگرام سے مطلع کریں گے تم اس پر عمل کرنا۔

چنانچہ مجھے تار برقی ملا کہ پھلیرہ اسٹیشن پر موجود ملوں۔ میں جے پور سے چلا، مولوی سید محمد ضیاء الحق ایڈوکیٹ اور عزیزم صلاح الدین عشقی میرے ساتھ تھے۔ میں نے اکرام حسن خاں صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سانبھر کو مطلع کر دیا تھا۔ سانبھر پھلیرہ سے بہت قریب ہے، وہ پھلیرہ اسٹیشن پر موجود ملے، نہایت شریف، نیک اور پابند صوم وصلواۃ، پرہیزگار اور ملنسار انسان تھے، اصرار کیا کہ آج آپ سب صاحبان کوشش کرکے بابا صاحب کو سانبھر لے چلیں۔ کل ناگور شریف روانہ ہوجائیں گے۔ اجمیر شریف سے آنے والی ٹرین میں حضور بابا صاحب تشریف لے آئے۔ فرہاد شاہ صاحب وارثی سلسلہ کے ایک فقیر ساتھ تھے۔

اسٹیشن پر ہم لوگوں نے استقبال کیا، چائے کا انتظام تھا، چائے پی گئی، اکرام حسن خانصاحب کی درخواست اس شرط پر منظور کی گئی کہ شام کا کھانا کھانے کے بعد خواجہ حسام الدین جگر سوختہ (جو خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے بنیرہ ہیں سانبھر میں ان کی خانقاہ ہے) رات کو قیام ان کی خانقاہ میں کیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، دوسرے روز مارواڑ لائین سے ناگور شریف کو روانگی ہوئی، بابا صاحب اور فرہاد شاہ صاحب کے لئے سیکنڈ کلاس میں دو سیٹ ریزرو ہوچکی تھیں۔ ہم لوگ تھرڈ میں یا سرونٹ میں کہیں بیٹھ گئے، ہر اسٹیشن پر حاضر ہوجاتے اور گاڑی چلنے کو ہوتی جب اپنی جگہ آبیٹھتے۔

اخلاق درویشانہ

ایک جنکشن پر گاڑی زیادہ دیر ٹھہری وہاں ایک صاحب سوٹ بوٹ میں بڑے طمطراق سے

آئے اور اس سیکنڈ کلاس میں داخل ہوئے جہاں باباصاحب تشریف فرما تھے۔ اس میں صرف دو ہی سیٹ تھیں اور دونوں ریزرو تھیں مگر فرہاد شاہ صاحب وارثی کی سیٹ بالکل خالی تھی، فقرا وارثی کرسی وغیرہ پر نہیں بیٹھتے، اس لئے انھوں نے دونوں سیٹوں کی درمیانی جگہ میں نیچے ہی بستر جما رکھا تھا۔ نو وارد صاحب نے اپنا بستر سیٹ پر جما لیا اور دوسرا سامان بھی ادھر اُدھر رکھ دیا پھر نو وارد نے فرہاد شاہ صاحب وارثی سے کہا۔ اے فقیر! تم باتھ روم کا راستہ روکے پڑا ہے یہاں سے ہٹو۔ حضور باباصاحب نے نہایت ہی نرمی سے کہا، آپ کو باتھ روم جانے کے لئے میری طرف سے ہو کر جانے میں کچھ بھی دقّت نہ ہوگی یہ راستہ موجود ہے، یہ فقیر ہیں میرے مہمان ہیں ان کو رہنے دیجئے۔ نو وارد نے تُرش روئی سے کہا، فضول باتیں نہ کیجئے ان کو یہاں سے اُٹھ جانا چاہئیے۔ حضور نے پھر عاجزانہ انداز میں کہا "آپ میری سیٹ پر تشریف لے آئیں اور یہ دونوں نیچے فرش پر سفر کرلیں گے آپ کو ہم کوئی تکلیف نہ ہونے دیں گے۔ شاہ صاحب کو تکلیف نہ دیجئے جس حال میں پڑے ہیں پڑے رہنے دیجئے" نو وارد بڑا ہی ضدّی اور مُنہ زور نوجوان تھا۔ اس مرتبہ اس نے تند لہجہ میں باباصاحب سے کہا۔ یہ بستر اٹھاتے ہیں یا میں اٹھا کر پھینکوں۔ لیکن اللہ اکبر حضور باباصاحب کے اخلاق کا عالم، اب فرمایا کہ جس سیٹ پر آپ تشریف فرما ہیں یہ اس فقیر کے لئے ریزرو ہے جس کا بستر آپ پھینکنا چاہتے ہیں، مگر ہمیں اس میں کوئی اعتراض نہیں آپ کو آرام پہنچتا ہے ہم اس سے خوش ہیں، مگر آپ سے میری دست بستہ عرض ہے کہ شاہ صاحب کو آپ نہ چھیڑیں۔ نو وارد پر اس اخلاق کا معکوس اثر ہوا، اس مرتبہ اس نے باباصاحب سے کہا زیادہ بک بک مت کرو۔

صاحب بہادر بے ٹکٹ

یہ سُن کر حضور ہماری طرف متوجہ ہوئے جو باادب خاموش کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ فرمایا "اس پر بھوت سوار ہے یوں نہیں مانے گا" ہم نے دیکھا کہ چہرے پر

جلال کے آثار نمایاں ہیں، مزاج میں تغیر ہے۔ اسی عالم میں حضور کی زبان سے نکلا "پولیس!" یقین کیجئے کہ یہ آواز گاڑی سے باہر نہیں نکلی تھی کہ پولیس افسر گاڑی میں موجود تھا۔ حضور نے نووارد کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "صاحب بہادر کو اپنے ساتھ لے جاؤ، یہ بے ٹکٹ سفر کرتے ہیں اور جن کے پاس ٹکٹ ہیں ان کو پریشان کرتے ہیں۔" افسر نے نووارد سے ٹکٹ مانگا۔ اس نے شرمندگی سے کہا ٹکٹ نہیں ہے۔ پولیس افسر نے اس کو ساتھ لیا اور ان کا سامان اپنے قبضہ میں لیا۔ گاڑی روانہ ہوگئی۔ ہم صبح کونا گور شریف پہنچے۔ حضور نے مجھ سے دریافت فرمایا "یہاں کی حاضری کے کیا آداب ہیں؟" میں نے عرض کیا۔ حضرت سلطان التارکین نے ہمیشہ باجرہ موٹھ کی کھچڑی پر گذر کیا ہے۔ اس لئے یہاں درگاہ شریف میں گوشت وغیرہ لوگ عموماً پسند نہیں کرتے۔ ناشتہ دانوں میں بریانی، زردہ کباب وغیرہ اکرام حسن خاں صاحب نے ساتھ کر دیئے تھے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ کھانا کسی کو دیدیا جائے۔ اس کے بعد درگاہ میں حاضری ہوئی۔ بابا صاحب صبح سے ۹ بجے تک مراقب رہے۔ میں نے کسی مزار پر آپ کو اتنا طویل مراقبہ کرتے نہیں دیکھا تھا مراقبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور پر ایک کیفیت طاری تھی۔ بار بار فرما رہے تھے واقعی سلطان التارکین ہیں، سلطان التارکین ہیں۔

آدابِ حاضری

اسی عالم میں جائے قیام پر تشریف لائے جو دروازہ کے سامنے تھی۔ یہاں سامان اسباب وغیرہ باقاعدہ رکھ دیا گیا تھا۔ آپ پلنگ پر رونق افروز ہوئے اور فرمانے لگے "آدمی کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو تو اس کو ان جیسا ہو جانا چاہیئے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو جتنی دیر ان کے پاس حاضر رہے اتنی دیر تو ویسا ہو جانا چاہیئے۔"

سب کچھ لٹا دیا

یہ فرما کر جیب میں ہاتھ ڈالتے جاتے تھے اور جتنے روپے پیسے نوٹ وغیرہ جیب میں تھے حاضرین

کو لٹاتے جاتے تھے۔ لوگ آپ کی تشریف آوری کی اطلاع پاکر جمع ہو گئے تھے۔ نذرِ نقد لٹانے کے بعد سامان کا نمبر آیا، کپڑوں کا بکس کھلا جتنے کپڑے تھے ایک ایک کرکے لٹا دیئے۔ آخر میں خالی بکس پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد دواؤں کے بکس کا نمبر آیا پھر بڑی بڑی چیزیں سب لٹا دی گئیں اس کے بعد بستر کا نمبر آیا۔ لحاف، توشک، چادر، تکیہ، کمبل سب لٹا دیا گیا۔ چند منٹ میں جو کمرہ سجا ہوا تھا کفِ دست ہو گیا۔ یہ تمام حالات اس واقعہ کی تمہید تھے جو اب بیان کیا جاتا ہے اور حضور تاج الاولیاء بابا تاج الدین ناگپوری رحؒ کے حالات سے متعلق ہے۔

ناگور میں ناگپور

عین اس وقت جب کہ حضرت قبلہ مال اسباب لٹا رہے تھے آپ سے ایک درویش آکر لپٹ گئے آپ نے تعجب اور حیرت سے فرمایا "ارے عبدالرحمٰن تم یہاں کہاں؟ حضور بابا تاج الدینؒ کے وصال کے بعد تم اچانک لاپتہ ہو گئے"۔ انھوں نے کہا کہ مجھے حضور نے وصال سے چند منٹ پہلے حکم دیا تھا کہ تم صوفی سلطان التارکین حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر جا کر معتکف ہو جاؤ۔ چنانچہ جب سے یہاں درگاہ میں معتکف ہوں شہر بھی نہیں دیکھا گیا ہے۔ کچھ دیر باتیں ہونے کے بعد حضرت قبلہ نے ہم لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا یہ ہمارے پیر بھائی ہیں۔ حضرت بابا صاحب کو چائے پلانے کی خدمت بھی انھوں نے کچھ دن انجام دی ہے۔ اس کے بعد فرمایا

"کیوں عبدالرحمٰن تمھیں وہ بات یاد ہے جب تم شیر سے ڈر گئے تھے"

انھوں نے آب دیدہ ہو کر فرمایا۔ حضور یاد ہے۔ حاضرین اس تلمیح کو نہ سمجھے۔ دل میں شوق پیدا ہوا، تو ایک شیر نے جو بابا صاحب کی قدمبوسی کی تھی اس کا حال بیان فرمایا۔

علمِ تعبیر

ڈاکٹر محمود کا خواب

طوفانِ نوح

رسل و رسائل

باطنی ڈاک

سیٹھ رام چندر کو بشارت

روحانی تار

خواب یا واقعہ

حضرت علی کا خواب

کشف سے خواب معلوم کرنا

برکت علی خاں یوسفی

ناگپور کی دوسری حاضری

علمِ تعبیر

حضرت قبلہ وکعبہ کا نام عبدالکریم تھا۔ بابا صاحب نے آپ کا نام بدل دیا" محمد یوسف" نام رکھا" دوسرے معنوی محاسن کے علاوہ یہ "شرف اسمی" اس امر پر بھی دلالت رکھتا ہے کہ آپ پر عالم مثال منکشف تھا اور "علم تعبیر رویاء" میں آپ امتیازی حیثیت رکھتے تھے حضور بابا صاحب اکثر مثالی زبان میں تکلم فرماتے تھے، جس کا مطلب صرف وہی شخص سمجھ سکتا تھا جو "علم تعبیر" سے موصوف ہو۔ اس لئے حاضرین دربار ارشاداتِ حضور کی تفہیم کے لئے حضرت کی طرف رجوع کرتے تھے اور فائز المرام ہوتے تھے۔

اس سلسلہ میں جستہ جستہ واقعات تذکرہ میں آپ کو ملیں گے۔ یہاں ہم چند واقعات تسلسل کے ساتھ درج کرتے ہیں جو تعبیر رویاء سے متعلق ہیں۔

ڈاکٹر محمود احمد کا خواب

ڈاکٹر سید محمد محمود احمد پی۔ ایچ۔ ڈی صدر شعبۂ فلسفہ کراچی یونیورسٹی نے جب وہ ہندوستان میں تھے خواب دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں ہاتھ کی طرف کھڑے ہوئے حضور کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اگرچہ یہ زیارت سے مشرف ہوئے مگر چہرہ مبارک صاف طور سے نہ دیکھ سکے کچھ دھندلا دھندلا سا دیکھا۔

یہ خواب عرض کیا گیا تو ارشاد ہوا

بائیں طرف کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم اہلِ دل ہو جاؤ گے اور تہجد پڑھو گے تو "دھندلکا" دور ہو جائے گا۔

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔

طوفانِ نوح

نیم کا تھانہ، راجپوتانہ میں ریگستانی علاقہ ہے سنہ ۱۹۳۰ء میں میں نے دیکھا کہ میں ٹہلتا ہوا چلا جا رہا ہوں جنگل

میں ٹیلے ہیں۔ اچانک گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا، طوفانی بارش آنے لگی۔ کچھ فاصلے پر میں نے دیکھا کہ ایک "دھرم شالہ" (مسافر خانہ) ٹیلوں کے نشیب میں ہے۔ میں دوڑ کر وہاں پہنچا۔ دروازہ کا بڑا پھاٹک بند ہے، کھڑکی کھلی ہے، اس کی سیدھ میں چھت پر جانے کا زینہ ہے۔ میں چھت پر جا کر بارش کا تماشا دیکھنا چاہتا ہوں، اندر داخل ہوا تو ایک کتا بھونکتا ہوا میری طرف آیا۔ میں نے اس کا کوئی خیال نہ کیا، سیدھا زینہ پر چلا گیا۔ زینہ پر قدم رکھتے ہی قرآن پڑھنے کی آواز نہایت ہی دل آویز، روح نواز، وجد آفریں چھت سے آنے لگی۔ میں چھت پر پہنچنے سے پہلے ہی سمجھ چکا ہوں کہ یہ آواز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے اور کسی کی ہو ہی نہیں سکتی، چھت پر پہنچا تو زینہ ختم ہوتے ہی دائیں طرف ایک خس پوش مکان تھا، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے تلاوت فرما رہے تھے، انوار و تجلیات رم جھم رم جھم برس رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک نہایت ہی تابناک رنگوں میں ہر لحظہ بدلتا جا رہا تھا۔ ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا جس وقت آپ کی زبانِ مبارک پر یہ آیت آئی یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَاءَكِ معاً ایک طوفانی بارش شروع ہوئی چشم زدن میں تاحدِ نظر زمین زیرِ آب تھی یہ خواب عرض کیا گیا تو فرمایا۔

بحمد اللہ مثال میں آپ کے تعلقات کا نقشہ اچھا ہے دنیا ایک معنوی مگر عالمگیر طوفان سے دوچار ہے۔

رسل و رسائل

سیّد محمد ضیاء الحق وکیل ریاست جے پور کو حضرت قبلہ و کعبہ نے ایک خط کے جواب میں ارشاد فرمایا

ہم ظاہری خط و کتابت کے پابند نہیں ہیں مگر تم خط و کتابت کے پابند رہ سکتے ہو۔

اس ارشاد گرامی کا مطلب سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل واقعات علم میں ہونا

ضروری ہیں۔

باطنی ڈاک

تحصیل نادوتی نظامت گنگاپور سے سولہ میل دور جگہ ہے، وہاں نہ ریلوے نہ بس سروس، نہ ڈاکخانہ، نہ تار گھر، ایک ہفتہ میں ایک بار پوسٹ مین آتا تھا۔ میں نادوتی میں تھا، یہاں سے خط وکتابت امر دشوار تھا۔ حضرت قبلہ وکعبہ کے گرامی نامے بڑی دیر سے ملتے تھے۔ میرے عریضے بہت تاخیر سے پیش ہوتے تھے، مگر باطنی طور پر ضروری احکام بلاتاخیر موصول ہوجاتے تھے، آپ کو اپنے متوسلین کے باطن میں تصرّف کی زبردست قوت حاصل تھی، جو کچھ آپ دکھانا چاہتے دکھادیتے جو کچھ پہنچانا چاہتے پہنچادیتے۔ جس مُرید کے حال میں جس قسم کا تغیّر چاہتے رُونما ہوجاتا۔

میں نادوتی سے احکام قلبی کی تعمیل میں اکثر گنگاپور، اجمیر شریف، جھنجنوں، جےپور، علی گڈھ، چھتاری، کلیر شریف، تاج آباد شریف حاضر ہوتا تھا، لوگوں کو تعجب ہوتا تھا، حالانکہ میرے لئے کوئی محلّ تعجب نہ تھا۔ میں اس کو سرکار کا ادنیٰ سا کرشمہ سمجھتا تھا۔ ایک بار نادوتی سے گنگاپور پہنچا معلوم ہوا تھا کہ حضور صبح گنگاپور اسٹیشن سے گذریں گے۔

سیٹھ رام چندر کو بشارت

رات کو ۲ بجے رام چندر پلّی وال جو گنگاپور کے لکھپتی سیٹھ تھے، ضیاء الحق صاحب نائب تحصیل دار کے مکان پر جہاں میں مقیم تھا آئے۔ میں لیٹا ہوا تھا اُٹھ بیٹھا۔ سیٹھ صاحب مجھ سے محبت کرتے تھے، بڑے گیانی آدمی تھے۔ کہنے لگے میں نے ابھی ابھی خواب میں دیکھا کہ آپ نادوتی سے گنگاپور آئے ہوئے ہیں اور صبح باباصاحب آنے والے ہیں۔ میں نے باباصاحب کو کبھی نہیں دیکھا ابھی دیکھا ہے۔ اُنھوں نے حلیہ مبارک تفصیل سے بتایا۔ باتوں ہی باتوں میں چار بج گئے۔ میں، پلّی وال اور دوسرے احباب اسٹیشن پہنچے۔ حضور صبح کی ٹرین سے واقعی تشریف فرما ہوئے۔ ہمارے ساتھ پلّی وال نے بھی

قدم بوسی کی۔ حضور نے فرمایا

"کیوں تار مل گیا تھا؟"

رُوحانی تار

بالکل یہی صورت اسٹیشن جے پور پر پیش آئی تھی۔ اجمیر شریف کے عُرس کے بعد سرکار کا قصد تھا کہ جے پور تشریف لائیں گے۔ مجھسے فرمایا تھا کہ جب آئیں گے تار سے اطلاع کر دیں گے۔ تار کا انتظار رہا۔ ایک دن اشارۂ قلبی کی بنا پر میں مع احباب اسٹیشن پر خود بخود حاضر ہو گیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اجمیر شریف سے جو ٹرین آئی اس میں سرکار تشریف فرما تھے۔ نواب صاحب بہادر عبدالسمیع خاں والی طالب نگر عزیزم اصغر علی خاں، بقاء اللہ خاں اور دوسرے احباب ساتھ تھے میں قدم بوس ہوا تو فرمایا

"کیوں تار مل گیا تھا؟"

خواب یا واقعہ

عزیزم وقار الحق صدیقی جو آجکل فوڈ منسٹری میں سپرنٹنڈنٹ ہیں ان کے والد انوار الحق صاحب گنگا پور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی پیشی میں سررشتہ دار تھے۔ پابند صوم و صلوٰۃ، مہمان نواز اور صاحب سوز و گداز انسان تھے، فقیر دوست تھے۔ پہلے سلسلہ نقشبندیہ میں منسلک تھے۔ پھر میرے توسط سے سلسلۂ تاجیہ میں وابستہ ہوئے۔ مجھسے والہانہ محبت تھی۔ وقار الحق اس زمانہ میں کسی امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔ عربی پڑھانے کا انتظام نہ ہو سکا۔ مجھسے کہا گیا کہ یہ آپ کے پاس وزیر پور رہیں گے۔ میں نے منظور کر لیا، مگر اس شرط کے ساتھ کہ میں کوئی پابندی قبول نہ کروں گا، جب جی میں آئے گا پڑھاؤں گا۔ یہ شرط منظور ہو گئی — وقار الحق میرے پاس رہنے لگے۔ یہ زمانہ میری صحرا نوردی کا تھا۔ صبح کہیں شام کہیں، دن کہیں رات کہیں، برہنہ پا برہنہ سر، مسلسل حرکت، برابر سفر ہی سفر، کون پڑھائے کس طرح پڑھائے۔ وقار الحق بہرحال میرے ساتھ رہے۔

امتحان کا زمانہ قریب آیا تو کچھ پڑھایا اور امتحان دلانے کو میں ان کے ساتھ حصار گیا، وہاں سنٹر تھا۔ حصار میں کچھ احباب تھے۔ انھوں نے ہم کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بڑی آؤ بھگت، خاطر تواضع کی۔ وقارالحق اپنے رول نمبر سے اپنی سیٹ مطابق کر آئے دوسرے دن سے امتحان شروع ہونے والا تھا۔

میں دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد لیٹا۔ نیند آگئی دیکھا کہ ناگپور تاج آباد شریف ہے۔ دربار تاج الاولیاء ہے۔ مخلوق کا اژدہام ہے، عرس ہو رہا ہے۔ مزار اطہر کے سامنے فاتحہ ہو رہی ہے۔ الائچی دانہ تبرک کے طور پر رکھے ہوئے ہیں۔ حضور بابا صاحب رضی اللہ عنہ نے فاتحہ کے بعد دو الائچی دانہ یہ فرماتے ہوئے عطا کئے کہ یہ لو تمھارا حصہ ادب کے ساتھ وہ میں نے منہ میں رکھ لئے۔ پھر فرمایا۔ تم ہمارے عرس میں نہیں آئے؟ میں نے عرض کیا۔ حضور عرس مبارک تو ربیع الاول میں ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا

"تو کیا ہم کو ربیع الاول تک امتحان ملتوی کرنا پڑیگا"

میری آنکھ کھلی تو میرا منہ میٹھا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ابھی الائچی دانے کھائے ہیں۔ آنکھوں میں آنسو تھے، دل کی حالت بیان میں نہیں آتی۔ اٹھ بیٹھا حساب لگایا تو واقعی عرس مبارک کا زمانہ تھا۔ وقارالحق سے میں نے کہا آپ کا امتحان ملتوی ہوگیا، میں ناگپور جاتا ہوں۔ یہ کہا اور اسٹیشن کی راہ لی۔ وقار میاں پریشان ہوئے۔ گھبرا کر جلدی جلدی سامان باندھنے لگے اور یہ خواہش کی کہ چند منٹ توقف کیا جائے تو میں بھی چلتا ہوں۔ چند منٹ میں انھوں نے بستر لپیٹا، بکس لیا اور ہم اسٹیشن روانہ ہوگئے۔ اتفاق سے اسٹیشن کے راستہ میں ہی امتحان گاہ تھی بالکل لب راہ۔ وقار میاں نے کہا آپ کے فرمانے کے بعد مجھے یقین ہے کہ امتحان ملتوی ہوگیا۔ مگر آپ اجازت دیں تو کھڑے کھڑے پوچھ آؤں، تصدیق کرلوں تاکہ مزید اطمینان ہو جائے۔ میں نے

کہا تم پوچھتے رہو، میں اب نہیں ٹھہر سکتا۔ میں اسٹیشن گیا، دہلی جانے والی ٹرین بالکل تیار کھڑی تھی، اس میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی سی دیر میں وقار الحق آگئے اور ظاہر کیا ہے کہ ابھی ابھی دہلی سے تار آیا ہے کہ شہنشاہِ معظم کی سلور جوبلی ہے امتحان دو ہفتہ کے لئے ملتوی کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد انھوں نے کہا میں دہلی تک ساتھ چلوں گا۔ دو ہفتہ دہلی رہوں گا وہاں میرے عزیز رشتہ دار موجود ہیں۔ انھوں نے چاہا کہ میرے لئے ٹکٹ خریدیں۔ میں نے کہا کہ میرے پاس ٹکٹ ہے، تم ٹکٹ لے سکتے ہو۔ غرض کہ ہم دہلی پہنچے۔ وہاں سے گرانٹ ٹرین میں سوار ہو کر میں ناگپور پہنچا۔ حاضر دربار ہوا۔ جو کچھ خواب میں دیکھا تھا ہو بہو وہی منظر، وہی سماں، وہی وقت، وہی فاتحہ، وہی الائچی دانے۔ فرق تھا تو یہ تھا کہ حضور بابا صاحب رضی اللہ عنہ بظاہر تشریف فرما نہ تھے۔ حضرت مولانا عبد الکریم شاہ تاجی (المعروف بابا یوسف شاہ تاجی) تشریف فرما تھے۔ فاتحہ کے بعد آپ نے اسی طرح طرح دو الائچی دانہ میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا "اچھا آپ تشریف لے آئے" یہ آپ کا حصہ ہے۔ میں نے سلام کیا اور الائچی دانے منہ میں رکھ لئے۔

حضرت علی کا خواب

اس موقعہ پر مجھے سیدنا حضرت علی علیہ السلام کا خواب یاد آیا جو آپ نے سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دیکھا تھا کہ مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر پڑھانے کے بعد تشریف فرما ہیں۔ کسی نے کھجوروں سے بھرا ہوا ایک طشت پیش کیا ہے۔ حضور نے اس کو حاضرین پر تقسیم فرمایا۔ دو کھجوریں حضور مولا کو بھی مرحمت فرمائیں۔ آپ خواب سے بیدار ہوئے۔ اذانِ فجر ہوئی، مسجد تشریف لے گئے، حضرت عمر کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حضرت عمر تشریف فرما تھے کہ کھجوروں سے بھرا ہوا ایک طشت کسی نے پیش کیا۔ آپ نے حاضرین پر اس کو تقسیم کیا۔ دو کھجوریں حضرت علی علیہ السلام کو بھی مرحمت فرمائیں۔ آپ اپنے خواب کو بیداری کے مطابق دیکھتے رہے۔ سر مو فرق نہ

تھا۔ پھر بھی آپ نے یہ دیکھنے کے لئے کہ میرے خواب پر حضرت عمر بھی مطلع ہیں یا نہیں؟ فرمایا کھجوریں اچھی ہیں کچھ اور عنایت کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو دو سے زیادہ کھجوریں مرحمت فرماتے تو عمر بھی اتنی ہی دیتا۔

یہاں یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ اولیاء اللہ کا کشف عالم مثال، عالم برزخ و ارواح میں بھی جاری ہوتا ہے۔ برخلاف اہل استدراج کے کہ ان کا کشف صرف دائرہ کون و فساد تک محدود ہوتا ہے۔

بہرکیف حصار سے ناگپور حاضری کا واقعہ جو میرے ساتھ پیش آیا اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت قبلہ وکعبہ کا یہ ارشاد کیا معنی رکھتا ہے کہ

"ہم ظاہری خط وکتابت کے پابند نہیں"

بکثرت اس قسم کے واقعات تجربہ میں آئے۔ بخوف طوالت ترک کئے جاتے ہیں۔ حضور اکثر وابستگان سلسلہ کو تحریر فرماتے تھے۔

اے طالباں، اے طالباں من باشما ہر جاستم

کشف سے خواب معلوم کرنا

عزیزم شوکت علی خاں چھتاری کے رہنے والے حضرت قبلہ وکعبہ کے پرانے حلقہ بگوشوں میں سے تھے۔ انھوں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی جن دنوں حضرت قبلہ وکعبہ چھتاری رونق افروز تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر انھوں نے خواب بیان کرنا چاہا، مگر مجمع تھا موقع کے منتظر رہے، موقع میسر نہ آیا انھیں اضطراب لاحق ہوا تو حضرت قبلہ وکعبہ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"تمھارے خواب کی تعبیر ہمیں ہیں"

چوں تو ذات شیخ را کردی قبول   ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

حضرت جُنیدؒ کا خواب

مرُید کے خطرات سے واقف ہونا شیخ کے لئے شرطِ اولین ہے، مگر بہت کم مشائخ ہوں گے جو مریدین کے حالات سے بہمہ وجوہ باخبر ہوں اور ایسے بزرگ تو نایاب ہیں جو اس سے بھی واقف ہوں کہ مُرید نے کیا خواب کب دیکھا؟ متقدمین کے یہاں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کے مُرید تھے شیخ نے حکم دیا کہ تبلیغ کی طرف توجہ کرو، مگر آپ نے کسرِ نفسی سے کام لیا، اور علوے نفس سے بچنے کے لئے تبلیغ کا عزم نہیں کیا۔ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں "جنید" تبلیغ کی طرف توجہ کرو۔ حضرت جنید کے دل میں خطرہ گزرا کہ اب میرا تعلق براہِ راست بارگاہ نبوی سے ہوگیا ہے پیر کے وسیلہ اور توسط کی ضرورت نہیں رہی۔

حضرت سری سقطی کا خط آپ کے نام آیا، اس میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ وہ جنید کو ہدایت کر دیں کہ "تبلیغ دین کرے"۔

حضرت جنید اپنے خطرے پر متوجہ ہوئے اور جناب شیخ سے معذرت و معافی طلب کی۔

حضور بابا کے یہاں اس قسم کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔

برکت علی خاں یوسفی تاجی

کہتے ہیں کہ حضور تاج الاولیاء نے جب پردہ فرمایا تو چھتاری اطلاع پہنچنے پر ہم لوگوں کا ارادہ ناگپور پہنچنے کا ہوا۔ مرحوم قاضی محمد عثمان یوسفی تاجی بنین الدین یوسفی تاجی، علی احمد یوسفی تاجی اور میں ناگپور پہنچ گئے، سرکار بابا صاحب کو پردہ فرمائے آج چھٹا دن تھا۔ میری موجودگی میں ایک شخص نے بابا محمد یوسف شاہؒ سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ بابا زندہ ہیں اور فرمایا ہے کہ ہم سات دن یا سات ہفتہ میں یا سات مہینہ میں زندہ ہو جائیں گے اس کی کیا تعبیر ہے سرکار نے فرمایا بابا صاحب کے زندہ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مدت میں کوئی مصیبت نازل ہوگی۔ چنانچہ سات یوم کے بعد تاج آباد میں بارش اور آندھی کا وہ طوفان آیا کہ تمام جھونپڑیاں اڑ گئیں، دوکانوں اور مکانوں کے اوپر کے ٹین اڑ گئے، سرکار بابا کے مزارِ مبارک پر جو ٹین پڑے تھے اڑ گئے۔ کئی آدمی زخمی ہوئے۔ کئی آدمیوں کی جان کو نقصان پہنچا۔

میرا قیام ناگپور شریف میں سرکار بابا صاحب کے عُرس چہلم تک رہا عرس کا زمانہ قریب آتا گیا اور تاج آباد کے حضرات سے سرکار کی سجادگی کے سلسلہ میں گفتگو ہوتی رہی۔ عام طور پر ناگپور کے لوگ یہی چاہتے تھے کہ میرے سرکار بابا محمد یوسف شاہ صاحبؒ تاجی کو یہاں کا سجادہ مقرر کیا جائے، لیکن میرے سرکار اس کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے، بدرجہ مجبوری لوگوں نے طے کیا کہ زبردستی دستار بندی کر دی جائے، مگر سرکار نے فرداً فرداً یہی جواب دیا کہ ہم کو سرکار بابا صاحب نے گھومنے کا حکم دیا ہے یہاں کی سجادگی کے واسطے بابا صاحب کا جس کو حکم ہے، اس کا اظہار ہو جائے گا، سرکار نے مجھے اور علی احمد بھائی کو حکم دیا کہ تم شہر سے دستار اور مٹھائی لے آؤ اور فاتحہ کے وقت ہمارے

بالکل قریب بیٹھو۔ چنانچہ ہم نے حسب الحکم ایسا ہی کیا۔ بعد فاتحہ سرکار نے ہم سے دستار لے کر فوراً بابو میاں صاحب (جو سرکار بابا صاحب کے بھانجے ہوتے ہیں) کے سر پر باندھ دی اور جیب سے کچھ روپے نکال کر نذر کئے۔ دیگر حضرات جو حضرت قبلہ کی دستار بندی کی امید پر دستاریں لے لیکر آئے تھے وہ سب دیکھتے ہی رہ گئے اور یہ رسم دستار بندی حضرت قبلہ نے اس طرح ادا کر دی۔ عرس چہلم کے موقع پر ۲۵ر۲۶ محرم الحرام کی شب میں تاج آباد شریف میں اس قدر مخلوق جمع تھی کہ اس کا شمار مطلق ناممکن تھا۔ عرس چہلم کے بعد سرکار کے حکم سے میں چھپاری واپس آگیا۔

ناگپور شریف کی دوسری حاضری

میں تجارت کے سلسلہ میں گھومتا ہوا ناگپور پہنچا، لیکن سرکار بابا محمد یوسف شاہ صاحب کا قیام ناگپور میں نہیں تھا۔ میں نے شہر میں قیام کیا اور تاج آباد شریف حاضری کے ارادے سے چلا۔ راستہ میں مجھے خیال ہوا کہ یہاں میرے سرکار تو موجود نہیں ہیں مجھے یہاں کون جانتا ہے؟ مجھے یہاں کون پوچھے گا؟ اس خیال کے ماتحت میں رنجیدہ سا بابا کی درگاہ کے قریب پہنچ گیا۔ مزار شریف کے اندر قدم رکھتے ہی مجھ پر ایک خاص کیفیت وارد ہوئی اور قدمبوس ہوتے ہی مجھ پر رقت طاری ہوئی اور میں اس عالم میں بہت دیر تک قدمبوس رہا اور میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ سر اٹھاؤں، لیکن خداموں میں سے مجھے کسی نے اٹھایا۔ میں کھڑا ہو کر تھوڑی دیر بعد باہر آیا۔ دریافت کیا کہ سجادہ نشین صاحب کہاں ہیں تو معلوم ہوا کہ درگاہ شریف کے سامنے ہیں، میں نے حاضر ہو کر قدمبوسی کی، سجادہ صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ صاحبزادے کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضور چھپاری سے۔ انھوں نے فوراً کھڑے ہو کر مجھے سینہ سے لگایا میری

پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ میں دیکھتا تھا کہ یہ بچہ تو اپنا کوئی خاص بچہ ہے، تمھاری درگاہ کی حاضری تبلا رہی تھی اور بڑی شفقت سے پیش آئے، چائے منگا کر پلائی، قیام کے لئے دریافت فرمایا، میں نے کہا شہر میں مقیم ہوں، فرمانے لگے تم نے سوچا ہوگا کہ میرے پیر صاحب تو یہاں موجود ہی نہیں ہیں کس کے پاس ٹھہروں گا، جاؤ اور ابھی اپنا سامان لیکر آؤ۔ پھر فرمایا کہ دیکھو کل تمھارے چچا پیر بابا محمد حسین کا عرس ہے اور شہر سے صندل و نشان آئے گا اس میں ضرور شریک ہونا۔ چنانچہ میں تاج آباد شریف آگیا مجھے دیکھکر سجادہ صاحب بہت خوش ہوئے، میں ان کے ہمراہ مزار شریف پر پہنچا، وہاں حاضری دی، رات بھر محفل سماع میں حاضری رہی، کافی مخلوق تھی۔ درگاہ شریف کے اندر مزار شریف اور دروازے کے درمیان سجادہ صاحب تشریف فرما تھے۔ سجادہ صاحب نے مجھے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا۔ صرف میں اور سجادہ صاحب اس مقام صدر پر بیٹھے تھے اور باقی تمام لوگ باہر تھے۔ قوالی ہو رہی تھی اور سجادہ صاحب کو قوالی میں جو نذرانہ سجادہ پیش ہو رہا تھا وہ نذرانہ سجادہ صاحب میری طرف رجوع فرما دیتے تھے۔ میں اپنے دل میں اس قدر شرمندہ تھا کہ میں نے ایسا کیوں سوچا تھا کہ یہاں مجھے کون پوچھے گا؟ غرض صبح کو غسل کے موقعہ پر سجادہ صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے مزار شریف کے قریب کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ تم اپنے ہاتھوں سے غسل دو اور صندل چادر کی خدمت تمھیں ہی انجام دینا ہے، کبھی تمھیں یہ خیال نہ ہو کہ میرے پیر یہاں موجود نہیں تھے تو مجھے کسی نے پوچھا نہیں، غرضکہ مجھے غسل کے وقت اپنے ساتھ رکھا۔ غسل کے موقعہ پر اندر چار چھ آدمی مخصوص ہی تھے۔ ورنہ دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ سرکار بابا صاحب کی دلوں پر حکومت ہے اور خطرات کی گرفت ہوتی ہے یہاں انسان کو بہت ہوشمند رہنا چاہیئے۔

مولانا اختر علی شاہ

سرکار مرشد بزرگوار نے ایک تحریر میں مجھے سلسلہ میں داخل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی از راہ کرم و بندہ پروری جو تحریر کہ میں نے سرکار سجادہ نشین حضرت بابا سید محمد طاسین ذہین شاہ صاحب تاجی پیش کر دی ہے اور ان کے پاس ہی محفوظ ہے (ایک خط ہے اور باغپت کے پتہ پر ہے۔ معرفت نواب جمشید علی خاں مرحوم) سرکار نے مجھے اجمیر شریف تاج آباد شریف حاضر ہو کر سال بھر تک رہنے کا موقعہ دیا اور اپنی موجودگی ہی میں چند خاندانوں کو مرید بھی کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ سب کچھ کرم و بندہ پروری ہے۔

طلبی

تاج آباد شریف میں میرے سامنے سرکار بابا تاج الاولیاء بابا تاج الدین شہنشاہ ہفت اقلیم کی بہت سی کرامتیں بیان کیں۔

کچھ مردوں، عورتوں نے مجھ سے کہا کہ ہم لوگ پریشان تھے، ناگپور شریف سے سینکڑوں میل کے فاصلہ پر حیدر آباد دکن برار میں سرکار بابا تاج الاولیاء نے ہم کو خواب میں بشارت دی کہ میرا نام تاج الدین ہے، میں تمھارا باپ ہوں، تمھاری ماں ہوں، تم کیوں پریشان ہوتے ہو، تم سب میرے پاس شکردرہ چلے آؤ، وہ سب چلے آئے اور اب تک سرکار بابا کے دربار میں حاضر ہیں۔

دس برس پہلے کا خواب

حضرت قبلہ بابا یوسف شاہ تاجی رحؒ فرماتے تھے کہ جب ہم حاضر دربار ہوئے تو بابا صاحب نے ہمارا ایک خواب ہمارے سامنے بیان کیا جو ہم نے دس برس پہلے دیکھا تھا اور کبھی کسی سے نہ کہا تھا۔ اس خواب کی تعبیر میں ہمارا نام یوسف دکھا گیا اور ہم کو شکردرہ کے ایک کنوئیں میں جو باولی کی طرح تعمیر شدہ ہے آپ نے بٹھا دیا تھا۔

بابا یوسف شاہ کی کرامات

صلاح الدین عشقی

چادر بابا صاحب بن گئی
بابا صاحب کی دُور سے زیارت
اختیارات شاہی
سب ندی میں
ندی پار، ٹھاکر دھوان کا قلعہ
مُردہ لڑکی زندہ
کاش بابا ہوتے

صلاح الدین عشقی

صلاح الدین عشقی میرے عزیز بھائی ہیں۔ میں نے ان کو سلسلۂ تاجیہ میں حضور بابا یوسف شاہ تاجی کے دستِ حق پر بیعت کرایا۔ حضرت قبلہ وکعبہ ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔ یہ ریونیو ڈپارٹمنٹ میں ملازم تھے۔ تحصیل (RENWAL) رینوال میں پیشکار تھے۔ کانگریس ایجی ٹیشن کا زمانہ تھا۔ ریاست اور ملازمینِ ریاست کے خلاف تحریکات جاری تھیں ان میں ہندو مسلم تنازع بھی کارفرما تھا۔ صلاح الدین عشقی کے خلاف ہندو لیڈروں نے بہت سے مقدمات بنوا دیئے اور پھر علی الاعلان کہنے لگے ان کو جیل بھیج کر دم لیں گے تحصیل دار ہندو تھے، وہ اس تحریک کی سرپرستی کر رہے تھے۔ تحقیقات شروع ہوئی تو عشقی نے پریشان ہو کر حضرت قبلہ وکعبہ کو درخواست بھیج دی۔ وہاں سے میرے پاس ایک کارڈ میں حکم آیا۔

"یہ کون تحصیل دار ہے، بابا کے بچّے کو پریشان کرتا ہے
اس کو ہٹادو۔"

ادھر صلاح الدین کو ہدایت ہوئی کہ وہ مجھ سے ملیں۔ وہ حاضر ہوئے تو میں نے سمجھا دیا کہ وہ تحصیل دار اب اس جگہ پر نہیں رہے گا، پریشان نہ ہوں اور دعا سیفی انھیں تعلیم کر کے رخصت کر دیا۔ خدا کی شان ہے کہ دوسرے ہی دن تحصیل میں پہنچے تھوڑی دیر میں تحصیل دار آکر ان کے پاس بیٹھے۔ بیٹھتے ہی ان کے دل پر گھبراہٹ کا دورہ پڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ دیا۔ صلاح الدین گھبرائے کیونکہ باہمی مخالفت مشہور تھی اور کمرۂ اجلاس میں ان دونوں کے سوائے کوئی اور نہ تھا۔ چپراسی، چوبدار کمرہ سے باہر دروازے پر کھڑے تھے۔ یہ دوڑے ان کو بلایا۔ ڈاکٹر کو طلب کیا، ڈاکٹر نے دیکھ کر کہا حرکتِ قلب بند ہونے سے موت واقع ہو چکی ہے۔

تحصیل دار کے مرجانے سے وہ شکایات بھی بے جان ہو گئیں جو عشقی کے خلاف

زیر تحقیقات تھیں۔ یہ تمام الزامات سے بری قرار دیئے گئے۔

چادر بابا صاحبؒ بن گئی

مولوی سید انوار الرحمٰن بسمل جے پوری عالم متبحر تھے، شاعر تھے، انشاء پرداز تھے۔ صاحبِ تصنیف و تالیف تھے۔ فقر و تصوف ان کی گھٹی میں پڑا تھا اپنے جدامجد حضرت سید قربان علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی آغوش تربیت میں جوان ہوئے، پروان چڑھے، نقشبندی مشرب اس طرح آپ کو ورثہ میں ملا۔ منصب رشد ارشاد پر فائز ہوئے، پھر حضرت عزیز میاں صاحب سجادہ نشین آستانۂ نیازیہ بریلی سے سند خلافت حاصل کی۔ خاندانی وجاہت و ریاست کے باوجود درویشانہ اخلاق سے مالامال تھے، بڑے دولت نواز، علم دوست، خوش مزاج خوش باش تھے، میرجی کا باغ (جے پور) ان کی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے ماہرین علم و فن، حکماء و شعراء، علماء و صلحاء، امراء و فقراء کا سنگم بنا ہوا تھا۔

حضرت قبلہ و کعبہ پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے خصوصی تعلقات تھے حضرت جے پور آتے تو میرجی کے باغ ضرور تشریف لے جاتے اور کبھی کبھی قیام بھی میرجی کے باغ میں ہوتا۔

ایک مرتبہ حضرت میرجی کے باغ میں مقیم تھے۔ رات بھر محفل گرم رہی، صبح ناشتے چائے سے فارغ ہونے کے بعد حضرت قبلہ و کعبہ نے حضرت بسمل سے فرمایا، اب کچھ دیر آپ بھی آرام کیجئے، ہم بھی آرام کرتے ہیں۔

حضرت بسمل رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے اور مولانا اسمٰعیل صاحب رزمی سے بیان کیا کہ میرے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک مجذوب قلندر تھے، بابا یوسف شاہ صاحبؒ ان کے خلیفہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟ میں اسی خیال میں تھا کہ بابا یوسف شاہ صاحب نے مجھے آرام کرنے کے لئے فرمایا۔ میں اپنے کمرہ میں جا کر لیٹا، چادر اوڑھی تھی کہ چادر بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی صحت میں تبدیل ہوگئی۔ میں بوجھ سے دب

گیا۔ اب باباصاحب نے مجھے دباتے ہوئے فرمایا۔

میرے بچے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ میری زبان بند تھی۔ دل ہی دل میں توبہ کی۔ معاً چادر اپنی اصلی صورت میں آگئی۔ اب مجھے خیال ہوا کہ کہیں چادر بھی بابا تاج الدین بن سکتی ہے۔ یہ محض میرا توہم تھا۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتاً پھر چادر بابا تاج الدین کی صورت میں تبدیل ہوکر مجھے دبانے لگی۔

اس دفعہ مجھ پر اتنا دباؤ پڑا تھا کہ زندگی کی امید منقطع ہوچکی تھی۔ میں نے پھر دل ہی دل میں توبہ کی۔ پھر چادر اصلی حالت میں آگئی۔ اس دفعہ میں بلاتاخیر بیٹھا ہوگیا۔ اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسی وقت وصیت نامہ لکھکر گھر والوں کے حوالہ کردیا۔

باباصاحب کی دُور سے زیارت
سیّد احمد علی شاہ جعفری

سیّد احمد علی شاہ جعفری ڈائریکٹر سول سپلائز ریاست جے پور، ایک جوان صالح، علوم دینی و دنیوی سے فارغ، سخن گو، سخن فہم، سخن سنج، شرافت و نجابت کی جیتی جاگتی تصویر، فقر و عرفان، صلاح و تقویٰ کا حسین مرقع، شرم و حیا، عزت و حمیت کا مجسمہ، صاحبِ نسبت، اہلِ نظر لوگوں میں سے ہیں۔

میں نے ایک بار حضور باباصاحب کی فاتحہ میں آپ کو مدعو کیا تھا۔ آپ کسی مصروفیت کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے۔ بروقت ملاقات فرمایا، میں فاتحہ میں شریک نہ ہوسکا معذوری تھی۔ مگر رات کو سوتے وقت حضرت باباصاحب کی خدمت میں ہدیۂ فاتحہ پیش کردیا تھا۔ الحمدللہ کہ خواب میں حضور کی زیارت سے مشرف ہوا، مگر زیارت دُور ہی سے ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لمبی سُرنگ ہے میں اس کے دہانے پر کھڑا ہوں اور حضور باباصاحب دوسرے دہانے پر ہیں۔

نادوتی گنگاپور ۱۶ میل ریلوے سے دور ایک تحصیل ہے میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ علاقہ تحصیل میں برائے نام مسلمان آباد ہیں وہ بھی ہندو جیسے ہیں۔ ہندوؤں کے تہوار مناتے ہیں اسلام سے ناآشنائے محض ہیں۔

مجھے وزیرپور سے میرے سرکار نے یہاں بھیجا ہے۔ وزیرپور سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانے میں آباد ہوا تھا، یہاں جو مسلمان آباد ہیں، وہ خیلدار کہلاتے ہیں، مسلمانوں کی آبادی کا یہ سلسلہ ادوتی، گنگاپور، ملارنہ، ڈونگر، پچی پلہ کے موجودہ دیہات میں پھیلتا ہوا سوائی مادھوپور تک پہنچ گیا ہے، یہاں قلعہ رنتھبور واقع ہے جس کو ایک طویل محاصرہ کے بعد علاؤالدین خلجی نے فتح کیا تھا۔

میں وزیرپور سے نادوتی اس حکم کے ساتھ بھیجا گیا ہوں کہ وزیرپور سے نادوتی بادشاہ پور ہو جائے گا۔

اختیارات شاہی

نادوتی پہنچتے ہی قصبہ میں داخل ہونے سے پہلے بائیں ہاتھ کو ایک بڑا تالاب ہے جس کو رام تالاب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں زمین نہری ہے۔ اس سے کاشت ہوتی ہے۔ دائیں طرف ایک خوبصورت سی عمارت ہے یہ تحصیل ہے، یہاں ریاست جے پور کی طرف سے تحصیل دار رہتا ہے اس کو مجسٹریٹ کے اختیارات بھی حاصل ہوتے ہیں اور وہ دیوانی کے مقدمات بھی سنتا ہے، نائب تحصیل دار، گرداور، قانون گو، آفس قانون گو، بہت سے پٹواریاں، بہت سے اہلکاران، خزانچی، اور ایک رسالہ سپ سواران کا، کچھ شتر سوار، بہت سے پیادے، ہرکارے، چپراسی، تحصیل دار کی ماتحتی میں ہوتے ہیں۔ تحصیل دار مہاراجہ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے گدی پر بیٹھتا ہے۔ اس گدی کی پوجا ہوتی ہے اور بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ تحصیل دار کو ریونیو وصول کرنے میں لامحدود اختیارات ہوتے ہیں، جس کو چاہے بند کر دے، چاہے

تو گھر بار مویشی نیلام کر دے، چاہے مہلت دیدے، چاہے قرضے کی اقساط مقرر کر دے۔ اکثریت کاشتکار پیشہ لوگوں کی ہوتی ہے۔ تحصیل دار کو وہ بہت بڑی ہستی مانتے ہیں۔ وہ جدھر سے گزرتا ہے عورتیں گاگر سر پہ لئے گاتی ہوئی سامنے آتی ہیں، دوب دکھاتی ہیں، گاؤں والے خیر مقدم کرتے ہیں۔ اس غیر معمولی رعب و داب کی وجہ سے تحصیل دار اپنے آپ کو اس جگہ کا بادشاہ سمجھتا ہے۔

میں تحصیل کے دروازے پر پہنچا، ظہر کا وقت تھا، تحصیل کے سپاہی ایک چبوترے پر نماز پڑھ رہے تھے۔

یہ چبوترہ تحصیل کے سامنے لبِ راہ تھا۔ میں نے بھی نماز پڑھی۔ کلّو خاں جمعدار جو پیادوں کا افسر تھا وہ مجھے پہلے سے جانتا تھا، مجھے دیکھکر تحصیل میں گیا اور لوگوں کو بھی اطلاع دیدی کہ بابا صاحب آگئے ہیں۔ میں نماز سے فارغ ہوا تو مسلمان سپاہی پہلے مجھے ملے۔ معلوم ہوا کہ سپاہیوں کے سوا یہاں کوئی مسلمان نہیں۔ تحصیل دار نہایت متعصب اور ظالم ہے۔ اس کے بعد بینی پرشاد نائب تحصیل دار ملے اور دوسرے لوگ مجھے دیکھنے آئے، میرا یہ حال تھا، ننگے پاؤں، ننگے سر، جذب و جنون کا غلبہ، نہ کسی افسر کو دھیان میں لاتا تھا، نہ کسی حاکم کو، صرف ایک ذات حاکم تھی اور سب محکوم ہی محکوم۔

ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک موٹا تازہ شخص سر کھلا، دھوتی باندھے، قمیص پہنے، سر پر چوٹی، بڑے غرور و تمکنت کے ساتھ تحصیل کے دروازے سے برآمد ہوا، حاضرین تعظیم کو کھڑے ہو گئے، وہ اکڑے ہوئے سیدھا سیدھا دُور تک چلا گیا، وہاں سے ٹہلتا ہوا واپس آیا۔ میرے چبوترے کے قریب بہت سے لوگ کھڑے تھے، اُن سے میرے متعلق پوچھا، یہ کون ہے؟ کلّو خاں جمعدار نے کہا مہاراج! یہ وزیر پور والے بابا صاحب ہیں۔ تحصیل دار کچھ نہ کہنے پایا تھا کہ میں نے پوچھا،

جمعدار! یہ کون شخص ہے؟

تحصیل دار نے انگریزی میں عتاب آمیز لہجہ میں کہا:۔

I am Tehsildar and Magistrate of this Place.

میں یہاں کا تحصیل دار اور مجسٹریٹ ہوں۔

میں نے جواباً، بابا صاحب نے جو فرمایا تھا، وہ سُنایا

"تم معطل کئے گئے"

تحصیل دار صاحب نے کبھی ایسی بات نہ سُنی ہوگی، سٹ پٹا گئے۔ میرے حالاتِ دیوانگی، تحصیل دار کے کانوں میں پڑے ہوئے تھے، کچھ نہ بولے، تحصیل میں چلے گئے۔ بینی پرشاد نائب تحصیل دار کو سمجھا بجھا کر بھیجا کہ بابا صاحب کو میرے پاس لے آؤ، مجھے ان کے چہرے بشرے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ انھوں نے کہا ہے وہ بڑے یقین اور اعتماد سے کہا ہے، مجھے اپنی تحصیل داری خطرے میں نظر آرہی ہے۔

بینی پرشاد نے آکر مجھ سے تمام صورتِ حال بیان کی، میں نے کہا تحصیل دار سے کہدو بستر باندھے، اس حکم کی کوئی اپیل نہیں ہے۔ مجھے یہاں مسلمان تحصیل دار بُلانا ہے وہ آرہا ہے، مسلمان گرداور بلانا ہے، وہ آرہا ہے۔ مسلمان آفس قانون گو بُلانا ہے وہ آرہا ہے۔ مسلمان اہلکار بُلانے ہیں وہ آرہے ہیں۔ مجھے نادونی کو بادشاہ پور بنانا ہے، یہ بابا کا حکم ہے۔

خدا کی شان ہے دوسرے دن تحصیل دار کی معطلی کا تار آیا، تیسرے دن محمد عیسیٰ نائب تحصیل دار بامن داس سے تحصیل دار ہوکر آگئے۔ پھر ضیاء الحق صاحب گرداور ہوکر آگئے۔ مختار احمد صاحب قانون گو ہوکر آگئے۔ بشیر احمد عبدالحئی ریونیو کلرک ہوکر آگئے۔

تحصیل دار نے حکم معطلی پڑھتے ہی فرعونیت کو بالائے طاق رکھا۔ بڑی منت

خوشامد، عجز و انکساری سے معافی چاہی، مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ میں نے کہا مرض لاعلاج ہے۔ جاؤ تیل بیچو گذران کرو۔

ایک عرصۂ دراز کے بعد جے پور میں ان کو دیکھا، گھاٹ دروازے میں تیل کی ایجنسی لے رکھی تھی کہتے تھے، آپ کے حکم سے میں نے یہ کام شروع کیا ہے، اس میں گذران اچھا خاصا ہو رہا ہے۔

سید محمد عیسیٰ تحصیل دار کے آتے ہی نادوتی میں مسلمان افسروں کا دور دورہ شروع ہوا، وہ مع خاندان سلسلہ میں داخل ہوئے۔ پنجشنبہ کی فاتحہ تحصیل میں مجمع کے ساتھ ہونے لگی، صدہا ہندو بھی شریک ہوتے تھے، ان میں ہر قسم کے مریض، آسیب زدہ لوگ بھی ہوتے تھے، فاتحہ کے بعد میں اپنے ہاتھ سے سب کو تبرک دیتا تھا وہ کھاتے اور صحت یاب ہوتے، دور دور سے لوگ آنے لگے اور بابا کے فیضان سے مستفید ہوتے رہے۔

اگر تمام حالات لکھے جائیں تو ایک کتاب ضخیم بن جائے گی، اس لئے چند واقعات بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ایک روز بارش ہو رہی تھی، میں نے تحصیل دار صاحب کو حکم دیا کہ وہ پوری جماعت کے ساتھ تیار ہو جائیں کہیں چلنا ہے۔ تحصیل دار صاحب نے فوراً تیاری کا حکم دیا، آن کی آن میں شتر سوار، اسپ سوار تیار ہو گئے، بیل گاڑیوں کے تانگے تیار ہو گئے۔ میں بیل گاڑی میں بیٹھا تحصیل دار بھی میرے ساتھ بیٹھ گئے، اور تمام اسٹاف کے لوگ بھی اونٹ، گھوڑوں، گاڑیوں پر سوار ہو کر ہمارے پیچھے روانہ ہو گئے بارش ہو رہی تھی، ہماری گاڑی بہت تیز دوڑتی جا رہی تھی۔ نادوتی سے دو کوس کے قریب موہن پورہ ایک موضع تھا۔ ہماری گاڑی کے آگے آگے دو اسپ سوار چل رہے تھے، انھوں نے قاعدہ کے مطابق گاؤں میں آمد کی اطلاع دی۔ گاؤں والے

خیر مقدم کو آئے، عورتیں سروں پہ گاگر لئے، ہرا گھاس ہاتھوں میں لئے گیت گاتی ہوئی سامنے آئیں، ہماری گاڑی رُکی، تحصیل دار صاحب کو پٹیل پٹواری نے نذریں پیش کیں، وہ گانے والیوں کو بطور انعام دی گئیں۔ گاؤں کا پٹیل ایک عرصۂ دراز سے لاولد تھا، وہ فاتحہ میں حاضر ہوتا رہا تھا، اب خدا کے فضل سے وہ ایک باپ کا بیٹا ہو گیا تھا، اس نے پگڑی میرے پاؤں میں ڈالی، ہاتھ جوڑ کر کہا، بارش ہو رہی ہے، میں آپ کا داس ہوں تھوڑی دیر خدمت کا موقع دیجئے، یہاں قیام فرمائیں، تحصیل دار صاحب نے بھی اس کی سفارش کی، ہم گاڑی سے اُتر گئے، پاس ہی اس کا مکان تھا، خام خس پوش کمرے مردانے میں تھے، ان میں ہم لوگ ٹھہر گئے۔ پٹیل نے ایک بوری گڑ ایک کنستر گھی، دو بوری آٹا نکال کر گُل گُلے بنانے کا آرڈر دیا۔ اس علاقے میں برسات کے وقت یہ پکوان بہت مقبول ہے۔

اِدھر کڑھائیاں چڑھی تھیں اُدھر ندی کی آواز مکان کے پیچھے سے آرہی تھی میں نے پوچھا، یہاں ندی کہاں؟ گاؤں والوں نے کہا اس گھر کے پیچھے ہی ندی بہتی ہے میں اُٹھ کر چلا تو سب ملازمین، تحصیل اور گاؤں والے بھی میرے ساتھ ہو لئے، ندی بہہ رہی تھی، طغیانی پہ تھی۔ بڑے بڑے درخت ببول، کیکر وغیرہ کے بہے چلے جا رہے تھے۔ ندی گاؤں کی طرف زمین سے ملتی ہوئی دوسری طرف پاٹ بنائے ہوئے تھی دوسرا کنارہ سطح مرتفع پر تھا، کوئی پندرہ بیس فٹ اونچا کنارہ پہاڑی کی طرح گاؤں کے گرد چکر کھاتے ہوئے گاؤں کو اپنی گود میں لئے ہوئے تھا۔ یہ ندی صرف برساتی ندی تھی۔ برسات ہونے پہ جاری ہوتی اور برسات ختم ہونے پہ سوکھ جاتی، خشک ہونے پر ہی راستہ جاری ہوتا تھا، بہتی ندی میں راستہ بند ہو جاتا تھا۔

سب ندی میں

مجھے نہ معلوم کیوں ندی میں اُترنے کا خیال آیا خیال آتے ہی ندی میں تھا، پاؤں کے نیچے سے ریت

بڑی تیزی سے نکل رہی تھی، اس لئے جلد جلد پاؤں اُٹھانا ضروری تھا، میں چلا جا رہا تھا گاؤں والے چیخے چلائے، منع کیا کہ آگے پانی بہت گہرا ہے، پانی کا بہاؤ بہت تیز ہے ندی ناقابلِ عبور ہے، میں نے ایک نہ سُنی، آگے بڑھتا ہی گیا۔ یہ حال دیکھ کر تحصیل دار صاحب مع اسٹاف کے اور سارے گاؤں والے میرے پیچھے دوڑے پانی میں اُتر آئے۔ مجھے ان کے محبت بھرے الفاظ ہمیشہ یاد رہیں گے۔

"جب بابا صاحب ہی ندی میں ہیں تو ہم کنارے پر کیا کریں گے۔"

آن کی آن میں اُن لوگوں نے مجھے جھُرمٹ میں لے لیا۔ میرے چاروں طرف آدمیوں کا حلقہ بن گیا، اب ہم سینے تک پانی میں تھے، آگے بڑھے تو پانی اور بڑھتا گیا اب ہم گلے گلے پانی میں تھے، پانی کا زور پاؤں زمین پر جمنے نہیں دیتا تھا، جسم کا بیلنس بھی بگڑ رہا تھا، میری زبان سے ذکر جہر جاری ہوگیا اور مستی طاری ہوئی، حلقہ سے نکل گیا اور ایک اونچی جگہ پر میرے پاؤں جم گئے، وہاں سب لوگ بھی آ پہنچے ہیں پھر اللہ اللہ پکارتا ہوا آگے بڑھا۔ جوں جوں بڑھا، پانی کم ہوتا گیا۔ اب ہم دوسرے کنارے پر بلندی پر گاؤں کی طرف منہ کئے کھڑے تھے، جہاں عورتیں اور بچے ہمیں دیکھ رہے تھے۔

میں نے چاہا کہ پھر ندی پار کر کے گاؤں واپس چلیں، سب نے پاؤں پکڑ لئے۔

ندی پار، ٹھاکر دھوان کا قلعہ

تحصیل دار صاحب نے ایک عجیب و غریب حیلہ نکالا، کہنے لگے ذرا پیچھے مُڑ کر دیکھیے، میں نے دیکھا، چند فرلانگ پر ایک قلعہ سامنے تھا، کہنے لگے یہ ٹھاکر صاحب دھوان کا قلعہ ہے۔ یہ بہت بڑے جاگیردار ہیں، پاؤں میں سونے

کا کڑہ پہنتے ہیں، یہ مہاراجہ کے بھائی بیٹوں کا علامتی زیور ہے۔ میری تحصیل میں ان کی جاگیر ہے۔ کئی لاکھ روپیہ ان پر ریونیو باقی ہے، کسی تحصیل دار کی مجال نہیں جو ان سے وصول کرے۔ اب کونسل سے مجھے حکم ملا ہے کہ روپیہ وصول کرو ورنہ تمہارے خلاف کارروائی ہوگی۔ میں نے اپنے ماتحت افسران کو بغرض وصولی بھیجا تو ان کے ساتھ اس نے بہت برا سلوک کیا، قلعہ سے نکلوا دیا۔ یہ مہاراجہ کا بھائی بند ہے کسی کو خیال میں نہیں لاتا۔ میری نوکری خطرے میں ہے، اگر حضور تشریف لے چلیں تو آپ کی دعا سے کوئی سبیل ہو جائے گی۔ اس وقت اتفاق سے پوری جمعیت بھی موجود ہے۔

مجھے تحصیل دار صاحب کی تجویز پسند آئی۔ ہم سب تھوڑی دیر میں راجہ دھوان کے قلعہ میں داخل ہو چکے تھے۔

مُردہ لڑکی زندہ

کیا دیکھتے ہیں کہ ایک فرش صحن میں بچھا ہوا ہے اور اس پر راجہ صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ سامنے اِدھر اُدھر بہت سے لوگ جمع ہیں، حقّے کا دور چل رہا ہے۔ تحصیل دار صاحب کو دیکھتے ہی راجہ صاحب اور ان کے ملازمین نے استقبال کیا، اپنے پاس بٹھایا، اسٹاف کے لوگ علیٰ قدرِ مراتب بیٹھ گئے۔ میں قلعہ کے دروازے پر دربان کا ایک پلنگ پڑا ہوا تھا، اُس پر لیٹا ہو گیا۔ سلام کلام کے بعد تحصیل دار صاحب نے اجتماع کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ راجہ صاحب کی چھوٹی بچّی کئی دن سے جان کنی میں مبتلا ہے، مرنے والی ہے، پلنگ سے نیچے اُتار دیا ہے۔ اہلِ ہنود پہلے ہی مرنے والے کو زمین پر لٹا دیتے ہیں، مگر دم نہیں نکلتا۔ راولہ (ڈیوڑھی) میں چولھا نہیں جل رہا ہے۔ یہ صفِ ماتم ہے، جس میں سب لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔

تحصیل دار صاحب نے فرمایا، اس بچّی کو بابا صاحب کے سامنے پیش کرو، یہ

بڑے مہاتما ہیں، ولی ہیں، مشکل آسان ہوجائے گی - یہ بڑے پیر ہیں، ابھی ابھی ندی سے ہم لوگوں کو پار اُتارا ہے۔

راجہ صاحب نے اشارہ کیا، تھوڑی دیر میں ایک جاں بلب لاش میرے سامنے تھی، اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی، خشک ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں ہلکی ہلکی سانس چل رہی تھی، جسم میں کوئی حرکت باقی نہیں تھی اُس کو لاکر میرے پیروں میں ڈال دیا گیا، مجھ سے کہا گیا کہ اس کا کشٹ دُور ہونے کی دعا کریں، میں نے کہا کہ اس کے ہونٹ سوکھ رہے ہیں اس کو پانی پلادو - جواب دیا گیا کہ دانت بند ہیں۔ تین دن سے ایک قطرہ پانی منہ میں نہیں گیا - میں نے اس کے مُنہ میں اُنگلی ڈال کر دونوں جبڑوں میں ذرا زور دیا تو مُنہ کھل گیا مگر ساتھ ہی ایک ہچکی آئی اور رُوح پرواز کرگئی - خود راجہ صاحب اور حاضرین بہت خوش ہوئے۔ ان کی اصطلاح میں کشٹ دُور ہوگیا۔ مگر میرا یہ حال کہ کاٹو تو خون نہیں - میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ بارش میں ندی عبور کرکے یہاں آنے کی کیا یہی مصلحت تھی کہ میں ملک الموت کا مظہر بنوں، ساری عمر میں پہلی مرتبہ دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس بچّی کو حضور بابا صاحب زندہ فرمادیں تو مجھے اس مسئلہ میں حق الیقین حاصل ہوجائے۔

میں حضور کی طرف متوجہ ہوا تو حکم ہوا کہ اس کو پانی پلاؤ - میں نے حاضرین سے کہا کہ اس کو پانی پلاؤ، تو لوگ اس پر ہنس پڑے - تحصیل دار صاحب نے راجہ صاحب سے کہا کہ اس بچّی کو اندر پہنچاؤ تو انھوں نے جواب دیا کہ لاش زرا و لے، محلات میں نہیں جاتی، اسی جگہ ارتھی بنے گی - میں پھر بابا صاحب کی طرف متوجہ ہوا تو ارشاد ہوا اس کو پانی پلاؤ، پھر لوگ مجھ پر ہنسے اور اس مرتبہ راجہ صاحب نے کہا کہ بُدّھا پاگیلی بات کرتا ہے" (یعنی دیوانی) تیسری مرتبہ میں نے اپنے دل میں غور کیا، پانی پلانے کا حکم میرے نفس کی آواز ہے یا میرے قلب کی آواز ہے - اچھی طرح تامل کرنے سے

معلوم ہوا کہ اشارۂ قلبی ہے، اس مرتبہ میں خود اُٹھا، سامنے پانی کی مٹکی رکھی تھی، مٹکی پہ ایک کپڑا تھا، کپڑے پہ پیتل کا لوٹا تھا، میں نے کپڑے اور لوٹے کو دور پھینک دیا اور مٹکے میں ہاتھ ڈالا، پانی چلّو میں لیا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہکر بچّی کے کھلے منہ میں ڈال دیا۔ پانی ڈالتے ہی بچّی نے سسکیاں لیں، اور آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا اس کو اُٹھاؤ اندر لے جاؤ اور ایک جنونی کیفیت میں قلعہ سے باہر نکل کھڑا ہوا، مگر راجہ صاحب اور دیگر حاضرین نے بڑی منت و خوشامد سے مجھے روکا، بڑی پرتکلف دعوت ہوئی، تحصیل دار صاحب کو راجہ صاحب نے زرِ بقایا کی ہنڈی لکھ دی۔ وہ بقایا جو سالہا سال سے وصول نہ ہوتی تھی فوراً وصول ہو گئی اور اس واقعہ کے بعد حضور بابا صاحب کے حلقۂ ارادت میں لوگ جوق در جوق داخل ہونے لگے۔

کاش بابا ہوتے

ایک رات سیّد محمد عیسیٰ تحصیل دار نادرتی کے یہاں کچھ لوگ مہمان تھے، میں بھی موجود تھا بابا صاحب کا ذکر چھڑ گیا، حاضرین سب متاثر تھے، کسی نے کہا کہ اس زمانہ میں بابا صاحب ہوتے تو مخلوقِ خدا کو بڑا فائدہ پہنچتا۔ میں نے بھی ہمنوائی کی۔ گھر آیا، عشاء کے بعد معمولات سے فارغ ہو گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ بمقام جھنجوں محلہ پرزادگان کے سامنے جہاں سالانہ میلاد النبیؐ کا جلسہ نہایت اعلیٰ پیمانہ پر بڑے اہتمام سے منعقد ہوتا ہے میں موجود ہوں، موم بتیاں سرخ سبز قندیلوں میں حسبِ معمول قطار در قطار لٹکی ہوئی ہیں، بڑا اجتماع ہے۔ صدر مقام پر تخت بچھا ہوا ہے اس پر شامیانہ زرنگار ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا غلغلہ ہے، پورا مجمع خیر مقدم کے لئے چشم براہ ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اس ہجوم میں خاطر خواہ زیارت نہ ہو سکے گی، تخت کے بالکل سامنے میرے چچا معین الدین کا مکان

ہے، اس کی چھت پر چلا گیا اور چھت پر سینہ تک دیوار ہے، میں دیوار کے سہارے تخت کی طرف منہ کیے مطمئن و مسرور ہوں کہ یہاں سے جی بھر کے حضور کی زیارت سے مشرف ہوجاؤنگا اتنے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، تخت پر رونق افروز ہوئے اور کچھ بزرگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، ایک تخت پر حضور تاج الاولیاء تشریف فرما تھے، اس طرح کہ سر مبارک حضورؐ کی طرف تھا اور پاؤں میری طرف، آپ اس تخت پر لیٹے ہوئے تھے، جیسے ہی میری نظر آپ کے چہرہ پر پڑی، میں نے تعظیماً اپنا سر اپنی سامنے والی دیوار پر رکھدیا، جب سر اٹھایا تو دیکھا وہ تخت دیوار سے ملا ہوا ہے۔ میرا سر دیوار پر نہیں تھا بلکہ حضور کے پائے مبارک پر تھا، حضور نے پاؤں سمیٹے اور میری طرف متوجہ ہوکر بیٹھے اور عالمانہ انداز میں ایک ایسی تقریر فرمائی کہ ہر جملہ پر مجھے خیال ہوتا تھا کہ آپ نہایت متبحر عالم ہیں۔ تقریر یاد نہیں رہی ایک جملہ یاد ہے۔

"جن لوگوں کو وحدت میں شہود حاصل نہیں ہے ان سے کہو
آخر یزید بننے سے کیا حاصل"

مجھے خیال ہوا کہ حضور میری طرف دیر سے مخاطب ہیں، میں نے قدمبوسی کی سر اٹھایا، دیکھتا ہوں کہ منظر بدل گیا ہے۔ اجمیر شریف درگاہ معلیٰ کا صرف گنبد مبارک موجود ہے اور بلند دروازہ ہے، باقی میدان صاف ہے کوئی عمارت نہیں، گنبد کے چاروں طرف لوگ طواف کر رہے ہیں، میرے ایک دوست جواں صالح طواف کرنے والوں میں ہیں مجھے دیکھکر قریب آئے اور یہ شعر پڑھا۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی
بیاد آر حریفانِ بادپیمارا

میں وہاں سے ذرا آگے بڑھا تو بلند دروازہ سے قبہ شریف تک جو راستہ ہے اس میں مسلسل برابر قبریں بنی ہوئی دیکھیں۔ ہر قبر پر صاحب قبر تشریف فرما تھے،

یہاں تک کہ قبہ شریف میں جو داخل ہونے کا دروازہ ہے اس کے وسط میں حضور بابا صاحب کا مزار مبارک ہے، اس پر آپ تشریف فرما ہیں، اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ہر صاحب قبر کھڑا ہوتا ہے اور کچھ تقریر کرنے کے بعد بیٹھ جاتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ تمام اولیاء اللہ ہیں اور تقریر میں ہر ولی بابا صاحب کی صنعت وثنا بیان کرتا ہے، یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ خود بابا صاحب کا نمبر آگیا، آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"میرے شرف کے لئے یہی بات کیا کم ہے کہ میرا مزار اس
قبہ کے دروازے کے وسط میں واقع ہے، کوئی شخص
مجھ تک آئے بغیر اندر نہیں جا سکتا۔"

قبہ اس وقت بیت معمور معلوم ہوتا تھا۔ حضور کی اس تقریر پر اولیاء اللہ کی جماعت کی طرف سے شورِ تصدیق وتحسین بلند ہوا، ناگاہ حضور کی نظر مجھ پر پڑی، میرے ایک عزیز غلام سرور صاحب فتحپوری نظامی سلیمانی، سجادہ نشین خانقاہ حضرت نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ میرے ساتھ تھے۔ حضور نے ان کی طرف اشارہ فرمایا:

"گھوڑے ادھر آؤ۔" وہ آگے بڑھے۔ حضور ان کی پشت پر سوار ہوئے اور فرمایا "لامکان چلو" چشم زدن میں غلام سرور صاحب نے واپس آکر بیان کیا، اے گروہ اولیاء اللہ بابا صاحب کے کمالات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ چشم زدن میں لامکان تشریف لے گئے اور دوسری کرامت یہ ہے کہ وہ لامکان سے ہمیں نظر بھی آرہے ہیں۔ سب نے دیکھا کہ لامکان میں آپ موجود بھی ہیں اور مکان والوں کو نظر بھی آرہے ہیں، قرب وبعد دونوں محسوس ہو رہے ہیں۔

دفعتاً بابا صاحب پھر قبر کے سامنے جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا:

"ہر چند میرا مقام نہایت اعلیٰ ہے مگر بعض لوگوں

کے خیال کی اصلاح کے لئے مجھے اپنے اعلیٰ مقام سے
نزول کرنا پڑتا ہے "

یہ فرماتے ہوئے باباصاحب نے میری طرف کنکھیوں سے دیکھا، میں خواب میں متنبہ ہوا کہ باباصاحب کی شان میں یہ کہنا کہ کاش باباصاحب ہوتے، درست نہیں، آنکھ کھل گئی، مستغفر ہوا۔ یہ واقعہ حضرت قبلہ وکعبہ کی خدمت میں تحریر کیا گیا تو ارقام فرمایا الحمدللہ کہ باباصاحب آپ کی تعلیم و تربیت فرما رہے ہیں دُوری کے ہر خیال سے دُور رہو۔

خودستائی اور خودنمائی سے خدا محفوظ رکھے۔ تحدیث نعمت فرض ہے۔ وہ فیوض و برکات جو فقیر کے شریک حال ہیں ان کا چھپا ناکفرانِ نعمت سے مترادف ہے، دوسری طرف علوئے نفس کا بھی ان میں پہلو ہے، مگر اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ میں خلوصِ نیت سے ان باتوں کو حضور باباصاحب کی کرامتوں سے تعبیر کرتا ہوں اور اپنے نفس کو کبھی اس فریب میں مبتلا ہونے نہیں دیتا کہ وہ ان امور کی اضافت اپنی طرف کرے۔

معجزانہ صحت

اوائل مئی ۱۹۵۹ء میں مجھے جن اسپتال کراچی میں داخل ہونا پڑا۔ رمضان المبارک میں مجھ پر تشنگی کا غلبہ ہوا، جگر میں التہاب تھا، برف کے ساتھ شربت اور عرق موسمی بکثرت استعمال کیا جارہا تھا کھانا چھوٹ گیا تھا، پیاس ہی پیاس تھی اور برف ہی برف؛ شربت ہی شربت پر مدارِ حیات تھا، اس کے استعمال سے پیشاب میں زیادتی ہوئی اور شفاخانہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ پیشاب میں شکر آرہی ہے ۴½ فیصدی شکر بروقت داخلہ آرہی تھی، بڑھتے بڑھتے ۱۱ مئی کے امتحان میں ۱۱ پرسینٹ شکر کی رپورٹ آئی۔ ڈاکٹر زیدی جو عموماً امتحان کرتے تھے پریشان ہوئے۔ انچارج شفاخانہ، ڈاکٹر ایم اے خان نے خود امتحان کیا تو ڈاکٹر زیدی کی رپورٹ صحیح ثابت ہوئی۔

یہ لوگ میرے کمرے میں نہایت ملول، مایوس، افسردہ، پژمردہ آئے اور بتایا کہ شکر کی مقدار گیارہ پرسینٹ تک پہنچ گئی ہے۔ یہ اسٹیج ایڈوانس اسٹیج ہے اس میں حرکتِ قلب بند ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے، ہم عام مریضوں سے ایسی باتیں نہیں کہتے ہیں مگر آپ سے چھپانا مناسب نہیں، آپ کسی سے بات چیت نہ کریں، نقل و حرکت نہ کریں، نماز بھی اشاروں سے پڑھیں اور وہ جو آج پنجشنبہ کی فاتحہ کا پروگرام میرے بنگلہ پر آپ کے حکم سے بنایا گیا تھا وہ بھی کینسل سمجھیں۔

اس کے بعد انھوں نے میرے خون کے دباؤ کی جانچ کی اور مجھے آرام کرنے کی ہدایت کر کے چلے گئے، کمرے کے دروازے بند کر دیئے گئے، میں لیٹ گیا۔

دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ پنجشنبہ کی فاتحہ اور ہدیۂ صلوٰۃ و سلام مدت العمر کا معمول رہا ہے، افسوس ہے آج قضا ہو گا۔ یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ یہ عمل مقبول ہے تو میری زندگی ہی میں مجھ سے کیوں قضا ہو رہا ہے۔

اپنے نفس کو ٹٹولا، بستر علالت کسی وقت بھی جنازے میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر خطرے سے آگاہ کر گئے ہیں، اس خطرناک وقت میں نفس کیا کہتا ہے، نفس نے کہا مجھے اس کام میں تکلیف کے سوائے کبھی کوئی راحت نہیں ملی۔ یہ التزام گراں ہی گذرا ہے مجھے اس میں کوئی حظ نہیں ملا۔ اگر یہ سلسلہ بند ہو جائے تو اچھا ہے۔

دل سے دریافت کیا تو کہا میری زندگی اور حرکت اسی میں ہے، یہ بند تو میں بھی بند، فتح کے معنی کشود کے ہیں، فاتحہ کے بغیر کشود کار ناممکن ہے۔ روح نے کہا فاتحہ عالم ارواح کے دروازے کھولتا ہے، میں اپنی حقیقت کی طرف متوجہ ہونے میں مسرور ہوتی ہوں۔

میں انھیں خیالات میں بالکل کھویا ہوا تھا کہ نیند آگئی ۴ بجنے میں دس منٹ ہوں گے کہ آنکھیں کھلیں، اس دوران جو کچھ دیکھا، دیکھا۔ یہاں اتنا کہہ دینا

شکر صفر تھی، لیبارٹری سے مغرب کے قریب اصغر میاں دوڑے آئے اور اطلاع دی کہ شکر نہیں ہے۔

پھر دوسرے ڈاکٹر حیرت و مسرت کے جذبات لئے آئے اور کہا کہ فاتحہ ضرور ہو گی، آپ ضرور تشریف لائیں گے۔ چنانچہ انھوں نے بڑے اور خوبی سے فاتحہ اور سماع کی محفل منعقد کی، میں ساڑھے گیارہ بجے تک شریک محفل رہا۔

یہ بابا صاحب کی زندہ کرامت ہے جس کا اندازہ شفاخانہ کے ریکارڈ سے ہو سکتا ہے کہ ۱۱ مئی کی جمعرات کو دوپہر تک گیارہ پرسینٹ شکر کی رپورٹ ہے اور اسی شام کو بغیر کسی علاج معالجہ کے صفر ہے۔

انسولین کا انجکشن جو کھانے سے پہلے ہوتا تھا، اب وہ بھی موقوف کر دیا گیا دونوں وقت امتحان جاری رہا، شکر بند ہی رہی۔

اس واقعہ کو ڈاکٹر صاحبان نے بھی بابا صاحب کی کھلی کرامت خیال کیا ورنہ بظاہر کوئی سبب نہیں تھا کہ دو تین گھنٹے گزرتے ہی اس قدر حیرت انگیز تخفیف مرض میں ظاہر ہوتی۔

دردِ گردہ

ڈاکٹر خان صاحب کی بچی میمونہ مہینوں سے درد گردہ میں مبتلا تھی، درد کی زیادتی نہ تھی، مگر دکھن میں کمی نہ تھی ڈاکٹر صاحب بحیثیت والد مہربان جو کچھ کر سکتے تھے کر رہے تھے، مگر شکایت رفع نہ ہوتی تھی۔ ایک دن میمونہ نے مجھ سے کہا، آپ دعا فرمائیں تو میں اچھی ہو جاؤں میں نے بابا سے عرض کیا کہ اس کو شفا عنایت کی جائے۔ عرض قبول ہوئی اس دن سے پھر گردوں میں تکلیف نہیں ہوئی۔

تبادلہ

سید عبدالفتح نے عرض کیا کہ میرے بھائی مشرقی پاکستان سے یہاں آنے کی برابر کوشش کر رہے ہیں تبادلہ نہیں ہوتا

کافی ہے کسی مقام پہ ایک مجمع کثیر تھا، فاتحہ کا اہتمام ہو رہا تھا، صدر مقام پر حضور بابا صاحب، حضرت قبلہ وکعبہ پیرو مرشد رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں، میری طرف انگشتِ شہادت سے اشارہ فرمایا، جن کے معنی میں نے یہ سمجھے کہ فاتحہ پڑھنا شروع کیا جائے۔ میں نے خلافِ معمول درود تاج کی بجائے یہ درود شریف پڑھنا شروع کیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صلوٰۃ تُنَجِّینا بھا من جمیع الاھوال والآفات و تقضی لنا بھا جمیع الحاجات و تطھرنا بھا مِن جمیع السیأٰت و ترفعنا بھا عِندکَ اعلی الدرجاتِ و تبلغنا بھا اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیوٰۃ و بعد الممات اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیٍٔ قَدِیرٌ۔

ادھر درود شریف میں نے پڑھنا شروع کیا، اُدھر حضور نے قیام فرمایا اور ساتھ ہی تمام مجمع سرو قد تعظیم کو کھڑا ہو گیا، میں نے بحالت قیام ہی درود شریف ختم کی، اور سوچ رہا تھا کہ اب قرآن شریف کی دوسری صورتیں پڑھوں یا کیا — ؟ مستفسرانہ انداز میں دیکھا تو حضور بابا صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے، میری آنکھ کھُلی تو توانائی اور صحت کے آثار نمایاں تھے، طبیعت بالکل بحال معلوم ہوتی تھی، چار بجتے ہی سب سے پہلے ڈاکٹر زیدی آئے، میں نے کہا زیدی صاحب میں اچھا ہوں، انھوں نے کہا، خدا کرے آپ اچھے ہو جائیں، میں شام کا قارورہ دیکھنا چاہتا ہوں، وہ قارورہ لے گئے۔ عزیزم اصغر علی خاں سلمۂ آئے، میں نے جو کچھ دیکھا تھا اُن سے کہا، ادھر شام تک بار بار قارورہ دیکھا جاتا رہا، ہر مرتبہ

میں نے حضور بابا صاحب کی طرف توجہ کی، ارشاد ہوا۔

"جون میں جون بدل جائے گی"

میں نے عبدالفتاح، ابوالفرح اور محمد سلیمان کو اس حکم سے مطلع کر دیا یہ مئی کا آخری ہفتہ تھا، جون کے آخری ہفتہ میں اُن کے تبادلے کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔

ترقی

ایک صاحب جو دیرینہ ملازم ہیں، اپنے محکمہ کے انچارج ہیں، ملازمت سے بددل ہیں، ترکِ ملازمت پر آمادہ ہیں، کہتے ہیں دل ٹوٹ گیا ہے، میرے ماتحت ترقی پا چکے ہیں۔ میں سینئر اور تجربہ کار ہوتے ہوئے ترقی سے محروم ہوں، میں نے ان کو مشورہ دیا کہ بددل نہ ہوں، خدا پر نظر رکھیں مقلب القلوب اللہ ہے، افسروں کے دل میں وہ آپ کی ترقی کا خیال ڈال دے گا وہ ترکِ ملازمت کے ارادے سے باز آئے اور پنجشنبہ کو حضور بابا صاحب کی فاتحہ اپنے گھر پر بڑے خلوص سے کرتے رہے، خدا کی شان کہ وہ ترقی پاکر کہیں جا رہے ہیں ؎

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

گلوخلاصی

جن اسپتال ward D سے ملے ہوئے اسپیشل کمرے میں ایک خاتون مقیم تھیں، ڈاکٹر خان کے توسط سے ملنے آئیں، رو رو کر اپنی سرگزشت بیان کی کہ میں نے پچاس ہزار روپیہ صرف کر کے اپنی بیٹی کی شادی ایک ڈاکٹر صاحب سے کی تھی۔ انھوں نے بچی کو طرح طرح سے پریشان کیا، وہ گھر چلی آئی اور طلاق کی درخواست عدالت میں پیش کر دی، مقدمہ عرصہ سے چل رہا ہے، ڈاکٹر با اثر آدمی ہیں، آج تک حاضرِ عدالت ہی نہیں ہوئے، تاریخیں بدل جاتی ہیں، آپس میں صلح صفائی کے لئے تیار نہیں، کہتے ہیں ساری عمر

طلاق نہیں دوں گا، یوں ہی بٹھائے رکھوں گا۔ صاحبزادی بھی ساتھ تھیں، زار زار رو رہی تھیں، دوسرے دن صاحبزادی مع والدین کے پھر حاضر ہوئیں، ان کے والد نہایت نیک اور دیندار آدمی ہیں۔ میں نے باباکی طرف توجہ کی تو ایسا معلوم ہوا کہ مقدمہ نہیں چلے گا، صلح ہو جائے گی، مہر مل جائے گا، طلاق دی جائے گی۔ میں نے ان کو حکم سے مطلع کر دیا اور اطمینان دلا دیا۔ لڑکی نے وظیفہ دریافت کیا تو صبح کی سنت و فرض کے درمیان ۴۱ بار الحمد شریف مع تسمیہ تعلیم کر دیا۔ اس عمل کی اجازت مجھے سرکار دام فیوضہم نے مرحمت کی تھی اور فرمایا تھا کہ عمل حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ نے حضور غریب نواز کو عطا کیا تھا، اور ہم تک اپنے مشائخ عظام سے پہنچا ہے، یہ اللہ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ میں نے اس کو اس عمل کی اجازت صرف اس مقصد کے لئے خالصاً لوجہ اللہ عطا کی۔ کہ خدا اس کو گلوخلاصی فرمائے۔

خدا نے رحم فرمایا، بابا صاحب کے وسیلہ سے اس کی مشکل آسان ہوئی، خودبخود ڈاکٹر صاحب کے دل میں اللہ نے نیکی ڈال دی، وہ آئے پندرہ ہزار زرِ مہر ادا کیا اور طلاق نامہ لکھکر دے گئے، مقدمہ میں لڑکی نے دست برداری پیش کر دی اور گھر والوں کے ساتھ میرے پاس شادکام بامراد حاضر ہوئی۔

امراض دفع

سید عبدالفتاح اسٹور کیپر حسن اسپتال کی اہلیہ ایک عرصہ سے صاحبِ فراش تھیں، اٹھنے بیٹھنے سے معذور کسی نے لٹا دیا تو لیٹ گئیں، کروٹ بدلوا دی تو بدل لی، اپنے آپ حرکت سے معذور تھیں، انتہائی ضعف و ناتوانی کے عالم میں علاج سے مایوس، ہر علاج مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوتا تھا، میں ان دنوں حسن اسپتال میں زیر علاج تھا، مجھسے طالب دعا ہوئے اور کسی دن مریضہ کو دیکھنے کی استدعا کی، میں ایک دن گیا، دیکھا

کہ بہت کمزور ہیں، سوکھ کر مشتِ استخوان رہ گئی ہیں، میں نے حضور کی طرف توجہ کی تو حکم ملا کہ انھیں بیٹھا کردو۔ میں نے کہا بیٹھی ہوجاؤ، تو اشارے سے کہا طاقت نہیں ہے۔

گھر والوں نے کہا، ضروریات سے بھی پلنگ پر ہی فارغ ہوتی ہیں، وہ بھی دوسروں کی مدد کے بغیر ممکن نہیں، مگر میں اشارۂ قلبی کی تعمیل پر مجبور تھا، اس لئے پھر کہا "بیٹھی ہوجاؤ"۔ انھوں نے پھر معذوری ظاہر کی۔ تیسری بار میں نے پھر کہا "بیٹھی ہوجاؤ"۔

وہ بدستور معذور تھیں مگر کسی نے سہارا دے کر بٹھا دیا، اب میرے کہنے سے وہ کھڑی ہوگئیں، پھر کہنے سے چلنے لگیں، پھر کہنے سے تیز تیز قدم اٹھا کر گھر کے تین چکر لگائے۔

اچھی ہوگئیں، تمام امراض یکبارگی ختم ہوئے۔

جمعرات کی فاتحہ ڈاکٹر خان کے بنگلہ میں ہوئی تو اس میں شریک ہوئیں، کئی بار بہار کالونی حاضر ہوئیں، بالکل تندرست و توانا ہیں۔

تجھے دھوکا ہوا ہے میں نہیں ہوں

ریلوے کے ایک نوجوان افسر حسن اسپتال میں

پروفیسر اے بی حلیم، سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی۔ ابوالحیات صاحب انجینئر ریلوے کے ساتھ مجھ سے ملنے آئے، پہلی ملاقات تھی، میں نے ان کو دیکھا کہ مغربیت میں غرق ہیں اور اسلام سے کوئی نسبت نہیں رکھتے، حاضرین کے ادب و احترام کو وہ تحیّر سے دیکھتے رہے، یہ تحیّر ان کی حرکات و سکنات سے ٹپک رہا تھا۔ دوسرے دن یہ لوگ پھر آئے، مگر آج ان صاحب کا انداز بالکل بدلا ہوا تھا، آتے ہی عالم لوگوں کی طرح دست بوسی کی، ادب سے بیٹھے، ابوالحیات صاحب نے کہا، رات یہاں

سے جانے کے بعد ان صاحب کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا، یہ خود بیان کریں گے، میں نے ان کی طرف دیکھا تو کہنے لگے، میں مذہب پر یقین نہیں رکھتا تھا کل آپ کے پاس یوں ہی چلا آیا تھا، مگر جتنی دیر بیٹھا رہا، لوگوں کے ادب و احترام پہ دل ہی دل میں معترض رہا - یہاں سے جانے کے بعد کھانا کھا کر سو رہا، خواب میں آپ کو دیکھا اور کہا مجھے خدا کے وجود کا یقین نہیں ہے، دل میں شکوک ہیں، کیا آپ دُور کر سکتے ہیں؟ آپ نے کوئی جواب دینے کے بجائے میرے منہ پر زور سے تھپڑ مارا، میرے منہ سے چیخ نکلی اُس چیخ سے جاگ گیا، اس تھپڑ سے ایسی عجیب و غریب کیفیت مجھ پر طاری ہوئی اور ایسا سرور مجھ کو حاصل ہوا کہ اس وقت سے اب تک پُرلطف مسرور ہوں کہ زبان اُس کے بیان سے قاصر ہے، جو شکوک میرے دل میں تھے وہ خود بخود غائب ہو گئے، آپ سے محبت و عقیدت پیدا ہو گئی - اب خدا کے لئے مجھے تعلیم و تلقین فرمائیے - نماز شروع کر چکا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ اب پابندی سے نماز پڑھتا رہوں گا، میں نے تعلیم و تلقین کی اور اس کے بعد وہ برابر حاضر ہوتے رہتے -

ناظرین خیال کیجئے کہ اس تمام واقعہ میں میرے قصد و نیت کو خواب و خیال میں کوئی دخل نہ تھا - یہ صرف حضور بابا صاحب کی کرامت ہے جو اپنے ایک ادنیٰ خادم کی غلامی کی نسبت کو مستند فرماتے رہتے ہیں -

گہہ بے نیازی شانِ من گاہے نیاز ایمانِ من
ایں ہر دو می زیبد بمن ہم بندہ ہم مولاستم

آپ کرتے ہیں ہمارا نام ہے آپ کے ہاتھوں میں سارا کام ہے

غوث پاک کی زیارت

حسن اسپتال میں ایک اور نوجوان صالح ابوالحیات صاحب کے عزیزوں میں سے

ان ہی کے ساتھ حاضر ہوئے، میں نے دو ایک بار نیو ٹاؤن مسجد میں جمعہ کے دن ان کو دیکھا تھا، دو ایک بار اور بھی ملاقات ہوئی تھی، یہ ذاکر و شاغل شخص ہیں، کسی بزرگ سے بیعت بھی ہیں۔

میری مزاج پرسی کو شفاخانہ آئے، تھوڑی دیر بعد واپس ہوئے، اسی شب خواب میں دیکھا کہ

"حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی سواری آرہی ہے اور یہ فقیر حضور پُر نور کے ساتھ ساتھ ہے۔"

خواب مفصل ہے، مجھ سے ابوالحیات صاحب نے یہ خواب بیان کیا۔

میں نے کہا ؎

نیرنگیوں سے یار کے حیراں نہ ہوجیو
ہر رنگ میں اسی کو نمودار دیکھنا

تاج منزل، بہار کالونی۔ کراچی

طوفان آتا ہے

جمعہ ۲۴ جولائی ۱۹۵۹ء۔ دو روز سے مسلسل بارش ہو رہی ہے، گھر کے سامنے پانی اونچا کھڑا ہے، لیاری ندی سامنے بہہ رہی ہے، اس میں پانی بڑھتا جا رہا ہے، بہاؤ کی تیزی سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے جس میں خوف ہے، دہشت ہے۔

بہار کالونی اس ندی کے کنارے واقع ہے۔ ندی کے دوسرے کنارے پر شیر شاہ کی آبادی ہے۔ پانی وہاں گھروں میں داخل ہو چکا ہے۔ بہار کالونی میں شام ہی سے اضطراب پایا جاتا ہے۔ مسجد سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اعلان ہو رہا ہے، دعائیں کی جائیں، اذانیں دی جائیں، ہر طرف سے اذانوں کی آوازیں آرہی ہیں

بہار کالونی سے ملی ہوئی تاج کالونی ہے، خبر آئی ہے وہاں پانی پہنچ گیا ہے، رفتہ رفتہ اونچا ہوتا جا رہا ہے۔

رات کے گیارہ بجے ہوں گے، پولیس اعلان کر رہی ہے، لاؤڈ اسپیکر کے باوجود بات پوری سمجھنے میں نہیں آ رہی ہے۔ پانی کی تیز رفتاری سے جو آوازیں فضا میں پھیلی ہوئی ہیں، ہر آواز پر غالب ہیں، لوگوں کی چیخ پکار، اذانوں کی آوازیں، مکانوں کے گرنے کے مہیب دھماکے کبھی کبھی اس طوفانی آواز کی لہروں میں جذب ہو کر کانوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر اعلان ہوا الفاظ پورے سننے میں نہیں آتے۔ مطلب یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ خطرہ سے آگاہ کیا جا رہا ہے، طوفان آنے والا ہے جس کو بچنے کی کوئی صورت نظر آتی ہو بچ جائے۔

شام سے تاج منزل کی بجلی بھی غائب ہے، فیوز اُڑ جانے سے کٹ آؤٹ، (وہ پرزہ جس میں تار باندھا جاتا ہے) میرے سامنے رکھا ہوا ہے تار باندھنے والے مستری کو بار بار بلایا گیا، بارش کا عذر کر دیا۔ پوری بلڈنگ تاریک ہے مگر میرے کمرے میں ٹیوب لائٹ دفعتہً روشن ہو گئی، حالانکہ "سوئچ آف ہے"۔ اور پوری لائن فیوز کی وجہ سے بند ہے، مین لائن بھی بند ہے، ٹیوب جلنے سے پہلے بجلی کے آنے کی آواز کھٹ کھٹاہٹ کی سی ہوئی۔ بٹن (سوئچ) بند ہے۔ اس کو کھولنے سے بند کرنے سے ٹیوب لائٹ پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا ہے، برابر میں پنکھے کا بٹن ہے، اس کو دبانے سے پنکھا نہیں چلتا، مستری کو زبردستی بلایا گیا، وہ خطرہ ظاہر کرتا ہے، کمرے میں قدم رکھنے سے ڈرتا ہے، اس کا خیال ہے کہ بجلی فیوز ہونے سے پہلے ہی دیواروں میں اتر کر کہیں جمع ہو گئی ہے اس لئے ٹیوب لائٹ جل رہی ہے ورنہ مین سوئچ بند، سوئچ بند، فیوز کا کٹ آؤٹ آپ کے پاس رکھا ہوا ہے، بجلی یہاں کیسے آسکتی ہے۔

مستری خطرے سے آگاہ کر کے چلا گیا، میں اس روشنی میں جو غیر معمولی روشنی

ہے شام ہی سے بابا کے حالات لکھ رہا ہوں۔ ہر طرف سے دروازے اس لئے بند کر لئے ہیں کہ پانی کی بوچھاریں کمرہ میں آرہی تھیں اور تمام فرش گیلا ہو رہا تھا اور کاغذ پر پھواریں پڑ پڑ کر حروف کو پھیلا رہی تھیں۔ اس دوران میں خطرہ کا اعلان ہوا۔

دل کہتا ہے ابھی ابھی تم نے بابا صاحب کا پسندیدہ شعر جو اکثر نہایت ہمت افزا اور یقین پرور لب ولہجہ میں حضور پڑھا کرتے تھے لکھا ہے۔

چہ غم دیوارِ امت را کہ دارد چوں تو پشتیباں
چہ باک از موجِ بحر آں را کہ دارد نوح کشتیباں

قولِ مرداں جاں دارد، بابا صاحب کے ارشاد کو پیشِ نظر رکھو، یقین رکھو ہمت نہ ہارو۔ ہرچہ آید بگذرد، سیلاب آئے، طوفان آئے، کچھ بھی آئے، تم بابا صاحب کے حالات لکھ رہے ہو لکھتے رہو، ایسے میں جو کچھ آئے آنے دو

ہمیں بس است کہ از سوئے دوست می آید

گیارہ بجے ہیں کہ حسین گاڑی والا پانی میں لت پت ہانپتا کانپتا گھر میں داخل ہوا میں نے کیواڑ کھولے، کہتا ہے حضور میں ندی دیکھ کر آرہا ہوں، ایک دو انچ سڑک سے نیچے بہہ رہی ہے، دو انچ پانی بڑھتے ہی بہار کالونی غرق ہو جائے گی۔ پانی برابر بڑھ رہا ہے، گورنمنٹ نے خطرہ کا اعلان کر دیا ہے۔ میں گاڑی لے کر آیا ہوں حضور جلدی چلیں۔

میں پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ کہیں نہیں جانا۔ میں نے حسین سے کہا میرا فکر نہ کرو، ناج کالونی جاؤ، عزیزہ (میری بچی) کو معہ بچوں کے لے آؤ، نہ آسکیں تو دیکھ آؤ سنا ہے وہاں پانی ہی پانی ہے۔ حسین چلا گیا، میں نے دروازہ بند کر لیا اور لکھنا شروع کر دیا۔

بارہ بجے ہوں گے نہایت زور شور سے طوفانی آوازیں آنا شروع ہوئیں

ہر طرف سے چیخ و پکار، شور و شغب بلند ہوا، اذانیں دی جانے لگیں، کمرے کا دروازہ جو راستہ پر کھلتا ہے اس کے سامنے چبوترہ ہے، چبوترہ کے سامنے راستہ ہے مگر راستہ چبوترہ سے تین فٹ نشیب میں ہے۔ میں نے باہر آکر دیکھا تو پانی چبوترہ تک آچکا تھا، مخلوق بدحواس، سراسیمہ اس راستہ کو سیلاب عبور کر کے سڑک پر چلی جا رہی تھی۔ پانی تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا، دیکھتے دیکھتے سینے تک پانی آگیا اور اب راستہ عبور کر کے سڑک پر پہنچنے کی ہمت بھی کم پڑنے لگی، ایک عورت بغل میں شیر خوار بچّہ لئے پانی میں سے جا رہی تھی، تین مرد اس سے پہلے آگے آگے جا رہے تھے، عورت کے پاؤں اُکھڑ گئے، پانی میں بہنے لگی، اچانک میرے چبوترے کی جالیاں اُس کے ہاتھ میں آگئیں، بہنے سے رُکی تو چیخ ماری، میں نے بڑھ کر اس کو زینہ پر کھینچا، مامتا اس کا نام ہے کہ ڈوبنے میں کمی نہ رہی ہوگی مگر بچّے کو بائیں ہاتھ سے سینے کے ساتھ برابر چمٹائے رکھا۔ وہ تین نوجوان جو اس کے ساتھ چلے گئے تھے ہمّت دلانے پر بمشکل واپس آئے اور یہ چاروں میری پناہ میں آگئے۔ میں نے ان کو چھت پر بھیج دیا، ادھر جلدی جلدی میں نے اپنے بچّوں کو چھت پر بھیجا، ایک پانی کا جگ اور تین دری حسین اور خورشید عالم کے ہاتھ اوپر بھیجیں، اب میرے کمرے میں پانی ایک ایک فٹ آچکا تھا، اس کے معنی یہ تھے کہ زمین سے چار فٹ اونچا پانی کا سیلاب آچکا تھا۔

میں نے اپنی میز پر سے باباصاحب کے زیر تدوین حالات کا فائل اور رفتوحات المکیہ کی جلد اُٹھائی اور اوپر زینے پر رکھ کر کمرہ کا دروازہ جو مکان کی طرف کھلتا ہے بند کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ ٹیوب لائٹ خود بخود بند ہوگئی، جو کسی طرح بند ہونے کا نام نہ لیتی تھی، اور زینہ پر چڑھنا شروع کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پانی بھی میرے ساتھ ساتھ چھت پر چڑھ رہا ہے، چھت پر علاوہ ان چار آدمیوں کے جو پناہ میں تھے، میرے بال بچّے تھے، اور کئی خاندان مکان کی عقبی دیواروں سے چھت پر چڑھ

آئے تھے، یہاں صرف ایک کمرہ تھا، وہ بھی ٹپکتا تھا، مگر اس میں تل دھرنے کو جگہ باقی نہیں تھی، میں نے طے کیا کہ مرد کمرے سے باہر رہیں گے اور عورتیں اور بچے کمرے میں رہیں گے، اس پر عمل کیا گیا۔ بارش کا یہ عالم کہ جیسے پھر کبھی نہ ہوگی، آج ہی جتنا برسنا ہے برس پڑے گی۔ پانی کے چڑھاؤ کی یہ حالت کہ برق رفتاری سے مکانوں میں، راستوں میں پھیلتا جا رہا تھا، تھوڑی دیر میں کمروں کے دروازے پانی میں چھپ گئے اور گھر کے چاروں طرف کے راستے پانی سے لبالب ہو کر چھت سے باتیں کرنے لگے تاج منزل کے چاروں طرف چار راستوں میں سیلاب چھت سے ایک ایک دو دو فٹ نیچے بہہ رہا تھا، لیاری ندی کا بند ٹوٹ کر برق رفتار ہاتھی گھوڑوں کی طرح بڑی بڑی موجیں میرے گھر سے ٹکرا رہی تھیں۔

خیال ہو چلا تھا کہ اب جب کہ پانی زینہ تک آ پہنچا ہے، ایک فٹ چڑھ کر چھت پر آنے میں کیا دیر ہے۔

سب نے رونا پیٹنا، چیخنا، چلانا شروع کیا۔ میں نے سمجھایا کہ یہ سب حرکتیں بیکار ہیں، خدا کو یاد کرو، گناہوں سے معافی چاہو، توبہ کرو، دعا کرو، ایمان تازہ کرو، شاید خدا رحم فرمائے، نجات دے اور اگر مرنے کا وقت قریب آگیا ہے تو ہم اس حال میں مریں کہ خدا کی طرف متوجہ ہوں۔

موت سامنے کھڑی تھی، دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا تھا، نہ کوئی رفیق، نہ مونس، نہ ہمدرد، نہ غمگسار، دُور دُور تک آنکھیں پھاڑ کر دیکھا آدمی نہ آدم زاد، تاحدِ نگاہ پانی ہی پانی، طوفانی شور، سیلابی تلاطم۔

سانس جب تک آس، لوگ دعائیں کر رہے تھے کہ کہیں سے کشتی آجائے اور ہمیں نکال لے جائے، جو کچھ گھر بار میں ہے سب لے جائے، جان بچ جائے۔

میں سب سے الگ کمرے کے کھلے جھروکے میں، ندی کی طرف منہ کئے

خاموش بیٹھا ہوا تھا، لیاری ندی سے لاکھ بار زیادہ گہرے فکر میں غرق، مجھے اذانیں سُنائی دے رہی تھیں، مگر ان اذانوں کا ترجمہ میرا ذہن عجیب و غریب کر رہا تھا، یہ خوف کی اذانیں، خوف کس کا، خدا کا نہیں اپنے جسم و جان اور مال کا خوف

طوفان سے پہلے مسجد کا لاؤڈ اسپیکر برابر بولتا رہا، طوفان آتے ہی مُلّاجی گھر چلے گئے، کاش وہ گھر والوں کو بھی مسجد میں بُلا لیتے اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ کالونی کی حالت بیرونی لوگوں تک پہنچتی رہتی۔ خیر۔

میں سوچ رہا ہوں تم ہر وقت اس ذکر و فکر میں رہتے ہو کہ خدا کے سوائے کوئی موجود نہیں بتاؤ اس وقت کیا کہتے ہو؟ ڈوبنے کا خطرہ کسے ہے۔ دل نے کہا ؎

ادھر کی نہیں جانتے رسم و راہ
میاں ہم تو باشندہ ہیں پار کے

زبان سے دفعتاً کلماتِ تکبیر جاری ہوئے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ اکبر وللہ الحمد۔

معاً مجھے وہ مشاہدہ یاد آیا جو میں نے اکثر اپنے احباب سے بیان کیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ لیاری ندی میں گھٹنوں گھٹنوں پانی ہے، میرا سامان بابا صاحب اپنے سرِ مبارک پر اٹھا کر فرما رہے ہیں:

"چلو حضرت طوفان آتا ہے"

اس مشاہدے کے یاد آتے ہی وہی شعر پھر زبان پر آگیا جو بابا صاحب اکثر پڑھتے تھے۔

چہ غم دیوارِ امت را کہ باشد چوں تو پشتیباں
چہ باک از موجِ بحر آں را کہ باشد نوح کشتیباں

دل کو طمانیت و تقویت حاصل ہوئی اور خدا کی شان ہے کہ اس کے بعد پانی کا چڑھاؤ قطعاً بند ہو گیا۔ پانی جگہ کی جگہ کھڑا رہ گیا۔

صبح ہوئی تو دیکھا کہ بہار کالونی سے شیر شاہ پانی کے ذریعہ ایک ہو گیا تھا، ادھر ماری پور کے سمندری ساحل تک پانی ہی پانی تھا، کشتیاں باسانی چل سکتی تھیں، مگر کوئی کشتی نہ تھی، نہ کسی آدمی کی صورت دُور دُور نظر آتی تھی، چھتوں پر جوان، بچے بوڑھے، عورتیں کھڑے ہوئے تھے، گھروں میں پانی مہمانِ خانہ خراب کی حیثیت سے براجمان تھا۔

خدا خدا کر کے پانی کم ہونا شروع ہوا، ایک بجے دن تک پانی کم ہوا۔ پانی کی اس کثرت میں پیاس کی شدت تھی، پانی کا ایک قطرہ حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔

میں نے سب سے پہلے کمرے میں جا کر دیکھا تو ہر چیز پانی سے متاثر تھی، مٹی کے ڈھیر کمرے میں تہ بہ تہ جمے ہوئے تھے۔

مگر بابا صاحب کے جو حالات میں نے لکھے تھے، فتوحاتِ مکیہ کے نیچے دبے ہوئے بالکل خشک اور اصلی حالت میں تھے۔

بابا یوسف شاہ تاجیؒ کے خلفاء

بابا ذھین شاہ تاجی۔ سجادہ نشین

صاحبِ مقالہ مولینا سید محمد اصلح فاضل دیوبند ہونے کے علاوہ علوم جدیدہ سے بھی متصف ھیں۔ اُنھوں نے کم وبیش بارہ سال تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد درس دیا ھے۔ مولینا موصوف حضرت شیخ الحدیث مولینا حسین احمدؒ صاحب مدنی رحمتہ اللہ علیہ کے مُرید ھیں اور اسی نسبت سے الحسینی کہلاتے ھیں۔ فارسی و اُردو کے اچھے ادیب وشاعر ھیں صہبا تخلص کرتے ھیں۔

(رفیق عزیزی)

احب الصالحین ولست منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

بڑی شخصیتوں تک رسائی میسر آنا بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ جمالِ انسانیت کے عجیب نشاط انگیز نظارے دیکھنے میں آتے ہیں انسانی سیرت کی عظمت و رفعت کے براہ راست مشاہدہ اور مطالعہ کا موقع ملتا ہے جس سے روح اپنے اندر ایک جوش نمو اور بالیدگی محسوس کرتی ہے اور زندگی بھر کسی شخص کو دیکھنے کا اتفاق ہی نہ ہو تو اس سے بڑی بدقسمتی بھی کیا ہو سکتی ہے کہ خود اپنے جمالِ تصوّر کو دیکھنے کے لئے فرصتِ عمر کا ایک لمحۂ گریزپا کا بھی مقدر نہ ہوا۔ لیکن اس حسرت خیز خوش قسمتی یا اس ارمان انگیز

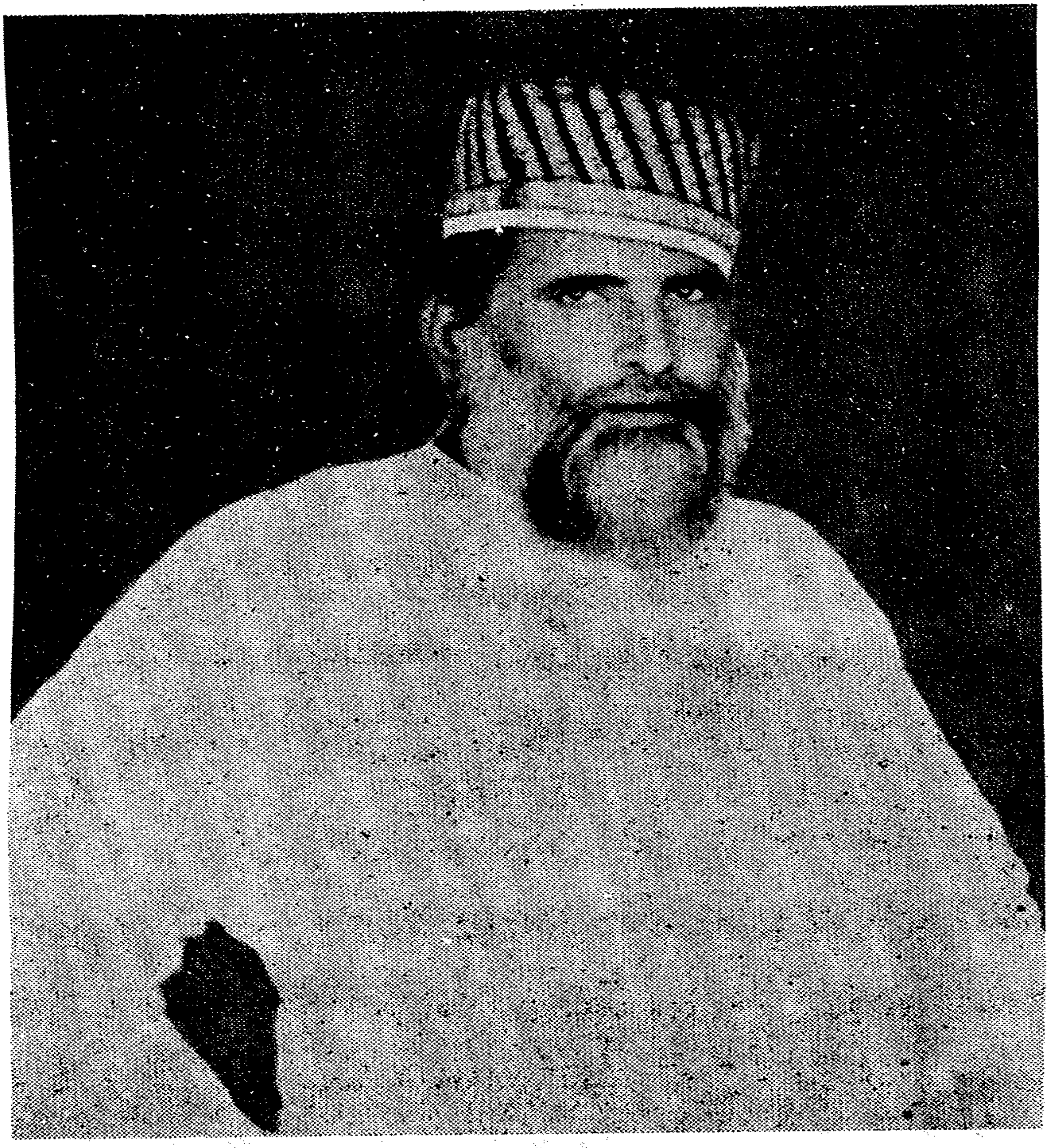

بابا ذہین شاہ تاجی

بدنصیبی کو کیا کہیئے کہ زندگی چمنِ انسانیت کی انھیں گلبار شاخوں کے سایوں میں بسر ہو پھر کبھی دامن پھولوں سے نہ بھر سکیں۔

بہ زیرِ شاخِ گل افعی گزیدہ بلبل را
نواگرانِ نخوردہ گزند را چہ خبر؟

شربِ مدام کی محفلوں تک پہنچ کر بھی کام و دہن خشک اور لب تشنہ رہ جائیں تو اپنے لوٹتے ہوئے پیالوں کا گلہ کیجئے یا تغافل ساقی کا؟ گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا؟ اس خوش بختی کے غم کو غم بنایئے یا بے نصیبی کی لذتوں کو غمِ ذلیست کا سہارا؟ غمِ یافت و حسرتِ نایافت کچھ بھی سہی زندگی کے لئے ایک شغل تو ہے۔

ایک حسین یاد

قصد و طلب کی کشمکش سے اکتا کر سکونِ بے مرادی کو زندگی کا سہارا بنایا تھا ؎

از زہد و مقامات گزشتیم کہ بسیار
کاسِ تعب از زہد و مقامات کشیدیم

پاکستان پہنچنے کے بعد حضرت مولانا محمد طاسین شاہ صاحب سے جب پہلی بار ملاقات ہوئی تو مجھے یاد ہے کہ ایک نامعلوم سے خطرہ کا احساس ہوا تھا۔ بڑے جتنوں سے جو حصار اپنے گرد بنایا تھا وہ کچھ کمزور سا محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ عطائے بے استحقاق و جلوہ ہائے بے طلب پھر کچھ چشمکیں سی کر رہے تھے۔ ڈر رہا تھا کہ اس لگاوٹ پر دل کو آجائے پھر یقین نہ کہیں"، ۱۹۵۲ء کے آخر کی بات ہے کہ اپنے ایک رفیق عزیز کی معیت میں حضرت مولانا سے شرفِ نیاز حاصل ہوا تھا۔ مولانا اس وقت بہار کالونی میں اپنے زیرِ تعمیر مکان کے ایک کمرہ میں جو ایک چھوٹا سا بے ترتیب کتب خانہ معلوم ہوتا تھا کسی علمی کام میں مشغول تھے۔ ملاقات بہت مختصر تھی لیکن ایک پرکشش وجاہت، حلاوتِ گفتار، درویشانہ سادگی اور عالمانہ وقار نے ایک پرعظمت علمی شخصیت کا جو تصوّر ذہن میں قائم کیا تھا اس نے

اس رسمی اور مختصر ملاقات کو ایک حسین یاد بنا دیا۔

تعارف اور مطالعہ شخصیت

انھیں اپنے عزیز کی رفاقت میں دوسری مرتبہ حاضری کا اتفاق ہوا تو بے غرض حاضری کی حسنِ تقریب کے طور پر ایک ایسے شخص کی حیثیت سے مجھے متعارف کرایا گیا جو اُردو فارسی میں شعر کہہ لیتا ہے۔ دلداری اور حوصلہ افزائی کے طور پر حضرت مولانا نے اپنی مصروفیت کے باوجود کچھ سُنانے کی فرمائش کی۔ ایک فارسی غزل کے متصوفانہ فکری پس منظر کے متعلق حوصلہ افزا کلماتِ تحسین سے ادبی ذوق کے ساتھ ان کے مشربِ توحید کا بھی اظہار ہوتا تھا۔ پاسِ ادب سے جراَتِ فرمائش تو کیا ہوتی مولانا نے کم از کم میری بے زبان طلب اور خاموش استدعا کو محسوس فرما کر اپنے بلیغ کلام سے عزت افزائی فرمائی اور اس طرح پہلی باریابی نے میرے ذہن میں مولانا کی علمی عظمت کی جو مبہم تصویر کھینچی تھی اسمیں اعلیٰ ادبی ذوق اور قدرتِ شعر نے کچھ حسین خط و خال اور نمایاں کر دیئے۔

اس صحبت میں ایک مجذوب عالم مولانا عبد الباری صاحب بھی حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر تھے ان کی زیرِ لب مسلسل اور بے ربط گفتگو لوگوں کے لئے تو شاید صرف اس حد تک دلچسپی کا سبب تھی کہ وہ کبھی قرآن کی کوئی آیت بھی پڑھ دیتے تھے لیکن حضرت مولانا محمد طاسین شاہ ان کی اس بظاہر ناقابلِ فہم گفتگو کی طرف متوجہ تھے اور بعض اوقات اشاریہ کلمات سے ان کی باتوں کا جواب بھی دیدیتے تھے۔ میرے لئے یہ مکالمہ اس لحاظ سے دلچسپی کا باعث تھا کہ اس میں ایک متبحر عالم، بدیہہ گو، ادیب، نکتہ رس نقاد اور وجودی مشرب درویش کی ایک اور خصوصیت کی جھلک بھی محسوس ہو رہی تھی جو روحانیت میں اس کی قدرت و مکنت کی غمازی کر رہی تھی۔

اجمالی مطالعہ کا دوسرا مرحلہ

کچھ عرصہ بعد مجھے پھر اُنھیں کسی قدر فاصلہ سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، فاتحہ عرس کے سلسلہ

کی بعض نشستوں میں ایک مُشاہد کی حیثیت سے مجھے شرکت کا موقعہ ملا ان اجتماعات میں بہت سے ذی وجاہت لوگ شریک تھے۔ محفل سماع میں مَیں عوام کے وحشت خیز ہجوم کے عین وسط میں چند سکون آفرین چہرے میرے لئے سب سے زیادہ جاذبِ توجہ اور غالباً اس پورے اجتماع کا حاصل تھے مجھے نہیں معلوم کہ ہر دیکھنے والا فریبِ نظر کے پردوں کو چاک کر کے اس نظر فریب منظر کو دیکھ سکتا تھا یا نہیں، کم از کم مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ چند تمتماتے ہوئے چہرے اپنے پہلو میں ایک طوفانِ اضطراب چھپائے بیٹھے ہیں جو نغمۂ قوال کی ہر موج کے ساتھ اُٹھ رہا ہے۔ بُشروں پر سکینۂ تقدیس کی نقابیں ہیں اور روح ہیں کہ نغمات قدس سے ہم آہنگ اور ان چہروں کے وسط میں ایک "منوّر" اور پُر رونق چہرہ اس قافلۂ ارواح کا میر کارواں جس کا فکر سب کو اپنے جلو میں لئے دوشِ نغمات پر فضائے لاہوت کا سفر کرا رہا ہے۔

بجھتے ہوئے چراغ سے موجِ دود کی طرح ایک پریشان آرزو اُبھری اور فضائے خیال میں تحلیل ہو گئی کاش ان مسافروں میں ایک گم کردہ کارواں بھی ہوتا۔ ان حاضریوں کی ایک برکت یہ تھی کہ صاحبِ مزار سے ایک دلی تعلق سا محسوس ہونے لگا۔ اور بعد میں کبھی کبھی یوں ہی فاتحہ کے لئے چلا جاتا تھا۔

حضرت مولانا محمد طاسین شاہ صاحب کے اجمالی مطالعہ کا یہ دوسرا مرحلہ تھا جو چند ایسے دوستوں کو حضرت مولانا سے متعارف کرانے پر ختم ہو گیا جس کے لئے ایک قنوطیت پسندوں کی یہ آرزو تھی کہ وہ اپنی ظاہری و باطنی مشکلات میں حضرت مولانا کی امداد سے پورا استفادہ کریں اور اس کے بعد جلد ہی وہ عبوری دور شروع ہو گیا جس نے قریبی اور تفصیلی مطالعہ کے لئے فضا تیار کی گو یہ اہم اور ضروری بھی تھا لیکن اس نے مطالعہ کا تسلسل ختم کرنے کے علاوہ بہت سے قیمتی لمحات بھی ضائع کر دیئے ہیں

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد

فرصت کشمکش

۱۹۵۵ء کے اتفاقات کا ایک عجیب وغریب کرشمہ یہ تھا کہ ایک ناخواندہ مگر شب زندہ دار عابد کی بظاہر بے وجہ مہربانیوں کی مجھے پذیرائی کرنی پڑی۔ کچھ ہی دن بعد انھوں نے اپنا شین قاف درست کرنے کے لئے مجھے عزت دینے کی خواہش ظاہر کی۔ ان کے ذوقِ عبادت وشب بیداری کو اپنی غفلت کے لئے مہمیز سمجھ کر میں نے اس عزت کو قبول کر لیا۔ ریاضت اور چلّہ کشی کے ساتھ مذہبی صورت جو احترام حاصل کرتی تھی بوڑھے عابد کی تمنا پسند سادگی نے اس کو مریدانہ عقیدت سمجھ لیا" آدمی زاد طرفہ معجون است"!

ادھر بیداریٔ طلب کی لذت نے سادہ آرزوؤں کے اس طلسم کو توڑنے میں عجلت کی اجازت نہ دی۔ یہ بزرگ خود کو یوسفیہ تاجیہ سلسلہ کا خلیفہ مجاز ظاہر فرماتے تھے۔ لیکن ان کے طور طریق سے محسوس ہوتا تھا کہ ایک چھپا ہوا ڈر انھیں ہر وقت اس بات کے لئے بے چین رکھتا ہے کہ اپنے شکست خوردہ ذہن کو اس سلسلہ کی سب سے بڑی شخصیت سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے گرد ایک مضبوط حصار قائم کریں اور "رامش و رنگ" کی جلوہ بار محفلوں سے اپنی شخصیت کی کشش میں اضافہ کرتے رہیں۔ لیکن خود فریبی شاید اپنے لئے کوئی حد قبول نہیں کرتی۔ شخصی عقیدت کی ارادت کی یہ طلب بہت جلد تمنائے سجادگی تک ترقی کر گئی اور دو رکعتوں کے بعد وحی کا انتظار ہونے لگا۔ اس ترقی پسند خود فریبی کے عجیب وغریب گل کھلتے دیکھے سہ

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

مولانا ذہین کے گرد منفی قوتوں کو مجتمع ہوتے دیکھ کر ان کے متعلق ایک تجسّس آمیز ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا اسی دوران میں مولانا بعض خانگی حوادث سے دوچار

ہوئے۔ دیرینہ نیازمندی کا مجبور کن تقاضا تھا کہ تعزیت کے سلسلہ میں حاضری دی جائے لیکن نامطلوب مربی کے ہمہ وقت تسلط نے فرصتِ حضوری نہ دی لیکن جب اصرار انحراف کی حدیں چھونے لگا تو عامل اپنے معمول کو لے کر خود ہی مولانا ذہین کی خدمت میں پہنچ گیا۔

مولانا ذہین کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ میں تقاضائے نیازمندی کو پورا کرنے میں اپنے تساہل پر شرمسار خاموش بیٹھا تھا اور اپنے ذہن پر لوپرے ہوئے مکڑی کے جالوں سے میں اس مظلوم شخصیت کو دیکھ رہا تھا جس کے خلاف غرضمندانہ سرگرمیوں سے بزعمِ خود اپنے آپ کو زیادہ باخبر سمجھتا تھا۔ مولانا کے طرزِ عمل میں مجھے وہ مدارات محسوس نہیں ہوتی تھی جو کسی حال میں بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔ شاید ان کی غیرتِ علم اس کو گوارا نہیں کرتی تھی کہ کوئی پڑھا لکھا شخص حصارِ جہل میں محصور رہنے پر قانع ہو جائے۔ دورانِ گفتگو میں کبھی کبھی وہ میری طرف دیکھتے تو ان کی نگاہ میں ایک حیرت آمیز ترحّم اعتماد اور طمانیت جھلکتی تھی ؎

بہ دور گردی من از غرور می خندد

حریف سخت کمانے کہ در کمیں دارم

یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ ان کے عارض و محاسن میں مجھے اپنے شیخِ مقدّس رحمۃ اللہ علیہ کی جھلک محسوس ہوئی دیرینہ نیازمندی کے تاثرات بڑی شدت سے ابھرے مگر حسبِ عادت میں اس طوفان کو دبائے اپنے عامل کے ساتھ واپس چلا آیا۔ اس ملاقات کا یہ اثر ضرور ہوا کہ اس خود ساختہ مربّیِ روحانی پر میری تنقیدی نظر زیادہ شدید ہو گئی اور آخر کار میں نے اس طلسمِ ہوش ربا کو توڑ دینے کا فیصلہ کر لیا جس کو مصلحت اندیشی نے اب تک باقی رہنے دیا تھا۔

سوئے قطار می کشتم ناقۂ بے زمام را | بار و داڑتی ہے تو بو اور

دھواں چھوڑ جاتی ہے ۔ دھوئیں کی تاریکی اور لُو میں نے کبھی محسوس کی ۔ سراسیمگی اور پریشانی میں کبھی کبھی مزار پہ حاضر ہوتا اور وارفتگی میں آدم آزاری کی شکایتیں کرتا حضرت مولانا ذہین شاہ اگر کبھی موجود ہوتے تو ایک وحشت زدہ شخص کو عجیب معنی خیز نظروں سے دیکھتے جو دیوانہ وار لوگوں کے شانوں کو پھلانگتا قبہ مزار میں داخل ہوتا ہے اور سلام و کلام کے بغیر چلا جاتا ہے ۔ ایک مرتبہ انھوں نے موہ لینے والی شفقت کے ساتھ فاتحہ کی محفل میں بیٹھنے کا اشارہ فرمایا ۔ واپسی میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ذہن کا بار بہت کچھ کم ہو چکا تھا ۔ تاہم سراسیمگی کے اس دور میں جو معمولات ترک ہو چکے تھے دوبارہ جاری نہ ہوئے ۔ روزمرہ کے مشاغل میں جو برہمی پیدا ہو چکی تھی وہ بدستور موجود رہی جو کبھی کبھی بڑھ کر اضطراب اور سراسیمگی کی حد تک پہنچ جاتی تھی ۔ ایک شب اسی اضطراب کی حالت میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ دیر تک بڑی محبت کے ساتھ باتیں کرتے رہے میں اس مجلس میں کچھ سبک روحی محسوس کرنے لگا ۔ واپس ہوا تو چلنے کی بجائے اُڑنے کو جی چاہتا تھا ۔ پرواز خیال وہاں لے پہنچی تھی جہاں دل اس تخاطب کا لذت آشنا تھا

؎ "درد ہا دادی و درماں نیز ہم"

اس آسودگی نے جو ذہین شاہ کی شفقت اور توجہ میں حاصل ہوئی تھی اور اس احساس نے جو ایک دیندار عالم اور محبت پیشہ درویش کو اعزہ و احباب کے ابتلا سے گذرتے دیکھ کر پیدا ہوئی تھی مجھے ان سے بہت ہی زیادہ قریب کر دیا تھا ۔

ابتلاء خلق کا یہ دور ایک درویش کے لئے خصوصاً ایک وجودی المشرب درویش کے لئے بڑا شدید ہوتا ہے غالباً یہ فقر کی سب سے رُوح فرسا کسوٹی ہے ۔ جفائے خلق کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا اور کرم و عطا سے اس کا جواب دینا ، پھر اس کی بھی گنجائش نہیں کہ اس جفا سے بچنے کے لئے اپنے گرد کوئی حصار کھینچا جائے یا طبعی بُعد کا

لحاظ رکھتے ہوئے کسی واسطہ کو ذریعۂ مزید احسان کیا جائے اور نہ اس کی اجازت ہے کہ آدابِ مظاہر کو نظر انداز کیا جائے۔ میں نے ذہین شاہ صاحب کو اس کسوٹی پر کسے جاتے دیکھا ہے۔ اور ان کو اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل پایا۔ ان کے اعلیٰ اوصاف نے اس کسوٹی پر سچے اور سنہری خطوط چھوڑے ہیں ؎

روئے کشادہ باید و پیشانئ فراخ
آنجا کہ لطمہ ہائے ید اللہ می زنند

علم و فضل

میں پہلے سے کچھ زیادہ ان کی خدمت میں حاضر رہتا۔ اور ان علمی مباحث کو دلچسپی کے ساتھ سنتا تھا جو ان مجالس کی روح تھے۔ میں دیکھتا تھا قدیم و جدید علوم کے بعض ماہرین ان سے استفادہ کرتے تھے جن میں فلسفہ کے پروفیسر اور یونیورسٹی کے شعبہ ادبیات کے صدر ڈاکٹر محمد محمود احمد صاحب خاص طور پر ممتاز تھے۔ ان مباحث کو سننے کے بعد میں یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ حضرت مولانا محمد طاسین شاہ صاحب ذہینؒ نہ صرف حضرت ابن عربیؒ کے مسلک توحید کے وہ ممتاز شارح ہیں جن کا اپنے معاصرین میں کوئی جواب نہیں ہے بلکہ اپنے دور میں وہ اس مسلک کے سب سے بڑے داعی ہیں جو اس عقیدہ کی بنیاد پر موجودہ عہد کے مسائل کا حل پیش کرتے ہیں اور جدید فلسفی نظریات کے مقابل فلسفۂ توحید کی بہترین وضاحت کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایک عالم کی حیثیت سے شریعت اور وحدۃ الوجود کے باہمی ربط و مطابقت اور طریقت و معرفت کے مسائل کی توجیہ و تشریح فرما سکتے ہیں۔ وحدۃ الوجود ان کا عقیدہ یا علمی مسلک ہی نہیں بلکہ ان کا وجدان ہے جو ان کی نجی معاشرتی، اخلاقی، علمی، ادبی اور عرفانی زندگی کے تمام دوائر پر حاوی ہے۔ یہ وجدان ان کی رگ و پے میں جاری اور علم و فکر پر طاری ہے۔

ادبُ وشعر

فلسفہ و توحید کے بعد ان کی مجالس کا دوسرا اہم موضوع شعر و ادب ہے۔ ادب سے ان کا ربط محض فنی نہیں ہے بلکہ وہ ان کا ذوق ہے ان کا طریق ہے ؎

عشق ذہین ہے مذہب میرا عشق ذہین ہے منصب میرا
میرا بول ہمیشہ بالا۔ مقصد اعلیٰ، ہمت عالی

ان کا مشرب ہے بلکہ ان کی رُوح ہے۔ شعر و سخن کا ذوق اور روحانیت میں طریقِ عشق ان کی وراثت ہے، محبت ان کا طریقِ تربیت ہے اس لئے ادب و شعر ان کی جان ہے۔ وہ شعر کہتے ہیں شعر سنتے ہیں، شعر کو اپنے اوپر طاری کرتے ہیں اور پھر خود سراپا شعر ہو جاتے ہیں۔ سماع ان کا مشرب ہے جس نے ان کو موسیقی کا اعلیٰ ذوق دیا ہے وہ اُردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں اور دونوں زبانوں میں بہترین ماہرینِ فنان اور استادانِ ادب میں شمار کئے جاتے ہیں۔

اصنافِ سخن میں غزل ان کا موضوع ہے۔ روح معانی میں پیوست، محبت واردات، جوشش، خلوص، حلاوتِ بیان، ندرتِ ادا اور موسیقی ان کی غزل کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ ان کے عقیدہ میں مجاز رنگِ حقیقت ہے اور حقیقت روحِ مجاز اس لئے ان کے عشقی وجدان میں ایک جامعیت ہے جو مجاز و حقیقت دونوں پر حاوی ہے یا ایک یقین ہے جو دونوں کا ایک شارح ہے یہی الہام جامعیت ان کے تغزل کی جان ہے اس لئے ان کی غزل پرستار مجاز اور در اصل حقیقت دونوں میں مقبول اور دونوں کی واردات میں شارح ہے۔ غزل میں ان کا ایک مخصوص رنگ ہے جس کی پیروی مشکل ہے فرماتے ہیں کہ:۔

خاک سے لالہ و گل سنبل و ریحاں نکلے
تم بھی پردے سے نکل آؤ کہ ارماں نکلے

شیخ میخانے میں آنے کو مسلماں آیا
کافرِ من میخانے سے نکلے تو مسلماں نکلے

کیا کوئی بزمِ حسین زیرِ زمیں اور بھی ہے
پھول کیوں چاکِ جگر چاکِ گریباں نکلے
بند انکھیں کئے ہم منتظرِ جلوہ رہے
جب کھُلی آنکھ تو خود جلوۂ جاناں نکلے
رنگ و بو قافلہ در قافلہ آئے تھے ذہینؔ
چند اُڑتے ہوئے سائے تھے گریزاں نکلے

اس سہل ممتنع پہ سر دُھنیئے :-

تمھیں بھی میری یاد آتی تو ہوگی
محبّت تمھیں بھی ستاتی تو ہوگی
مجھے خواب میں تم نے دیکھا تو ہوگا
تمھیں بھی کبھی نیند آتی تو ہوگی

فرماتے ہیں :-

تو نے دیوانہ بنایا تو میں دیوانہ بنا
اب مجھے ہوش کی دنیا میں تماشا نہ بنا

جہاں کہیں اپنے رنگ سے ہٹ کر مسلّمہ اساتذۂ کلام کے رنگ میں فرمایا ہے اپنی انفرادیت کو محفوظ رکھا ہے اور اس انفرادیت کے سامنے اساتذہ پیچھے نظر آتے ہیں۔ ذہینؔ کے رنگِ میر میں ذرا خود میر کا جائزہ لیجئے فرماتے ہیں۔

اب حُسن کی محفل آرائی ہے خلوتِ عشق تنہا میں
وہ دریا مجھ میں ڈوب گیا میں ڈوبا تھا جس دریا میں
عیسیٰ عیسیٰ مریم مریم عصمت ہی عصمت ہے عالم
اے عفتِ عشق حرم ہی حرم ہے کفرِ شبابِ کلیسا میں

فارسی غزل میں ان عناصر تغزل کے ساتھ خیال آفرینی اور فلسفۂ عالیہ کی بھی متناسب آمیزش ہے جس نے ان کے رنگ تغزل کو بیدل کے ہم پلّہ پہنچا دیا ہے، ارشاد ہے:-

رگِ رنگ و نبضِ گل را سر خار می شناسم
تو سوادِ رفتہ باشی ز غبار می شناسم
پرِ رنگ تیز بشکن تہِ دام بو میفگن
کہ بہار ہم گریزاں ز بہار می شناسم
گلِ نادمیدہ چینم، سحرے بہ شام بینم
مہِ نیم مہ درونِ شب تار می شناسم

نظیری کے ہم آہنگ ہوئے ہیں تو فرماتے ہیں:-

کنایۂ ز خرامِ قلندرانۂ ما
دوگانہ ایست بخلوت گۂ یگانۂ ما
کشیدہ ایم ز روحِ نگاہِ ساقیِ مست
نہاں ز مغبچگاں خُورِ مئے مغانۂ ما

کہیں عرفی کے ہم نوا ہیں:-

خیالِ یار کہ از من ہزار نزدیک است
سوار دُور گذشت و غبار نزدیک است
خبر کنید بہ باغِ خزاں رسیدۂ ما
کہ موسمِ گل و فصلِ بہار نزدیک است

خود ان کے اپنے تغزل میں تصوف کی جھلک دیکھئے۔ فرماتے ہیں:-

درفضائے جبروت وملکوت — قفس از بال و پرم ساختہ اند
خوش زباں و دلِ متانِ الست — کہ از اں لوح و قلم ساختہ اند
بس کرم ہاست از السنو کہ ذہینؔ — صورتِ جور وستم ساختہ اند

اس قدرتِ کلام کے ساتھ ان کی قوت تنقید بڑی غیر معمولی ہے مرکزیتِ فکر مشاہدہ کی جامعیتِ ادراک، اور دقیقہ رس عقابی نگاہ اور مطالعہ کی وسعت نے ان کی تنقید کو بے پناہ بنا دیا ہے۔ تاج کے مقالات میں ان کی بعض تنقیدات شائع ہوتی رہتی ہیں جن کو تنقید کے معیار کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

فقر و تصوّف

مولانا ذہینؔ کی شخصیت کے مطالعہ کے سلسلہ میں ان کا فقر و تصوف میرے لئے کہ؎

پڑھتا ہوں مکتبِ غم دل میں سبق ہنوز

(اور وہ بھی یاد نہیں ہوتا) ان کی شخصیت کا یہ مشکل ترین پہلو ہے اور درحقیقت یہی ان کی شخصیت کا سب سے اہم رُخ ہے ان کے روحانی مدارج کے متعلق انھیں لوگوں کو لب کشائی کا حق پہنچتا ہے جو ان درجات کو اگر طے نہ کر سکے ہوں تو کم از کم علمی طور پر ان کی کیفیات و واردات کو جانتے پہچانتے ہوں اور کسی شخصیت میں ان کے اثرات کی نشاندہی کر سکتے ہوں۔ یہ ممکن بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ کسی شخص کے رُوحانی عروج و نزول کا ایک مبہم سا تصوّر ہی دیا جاسکتا ہے۔ لیکن کیفیات واحوال کے لئے کون سے پیمانے مقرر کئے جائیں، ان کے تفاوتِ مراتب کو کس طرح ظاہر کیا جائے۔ کسی مقام کے ابتدائی وسطی اور اعلیٰ مراتب کی کیونکر نشاندہی کی جائے۔ یہ تعبیر و بیان کی دسترس سے باہر ہے۔ عام طور پر کشف و کرامات اور ان کی نوعیت و کثرت سے کسی شخص کے روحانی درجات کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن یہ محفوظ طریقِ اظہار نہیں۔ تاہم بابا ذہینؔ شاہ صاحب کی بزرگی اور روحانی منزلت

کو اگر کشف و کرامت ہی کے پیمانے سے ناپا جائے تو اس کی شہادتیں بڑی کثرت سے فراہم ہوئی ہیں۔

کشف و کرامت کے علاوہ روحانی فیضان، اہلِ باطن کے مشاہدات اور معاملات وغیرہ متعدد طریقے ہیں جن سے کسی شخص کی روحانی عظمت و منزلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے لیکن یہ تمام اندازے تقریبی ہیں اور صرف اُن لوگوں کے وجدان اور باطنی مشاہدات تک محدود ہیں۔ جن سے اس وجدان و مشاہدہ کا براہِ راست تعلق ہے۔ ان کو ایک واضح منطقی استدلال یا ایک عام مشاہدہ اور مطالعہ کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا فقر و تصوف کی راہ چلنے والوں کو جن میں بابا محمد طاسین شاہ صاحب کے اپنے دوستوں کے علاوہ مختلف سلسلوں کے لوگ شامل ہیں ایک قابل لحاظ تعداد ہے جنھوں نے ان کے روحانی فیوض سے استفادہ کیا ہے۔ اور مقاماتِ سلوک طے کر کے درجہ خلافت تک پہنچے ہیں۔ ان میں بہت سے لوگوں کے مشاہدات سے ان کی رُوحانی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک دیندار بزرگ کا مشاہدہ جو کم از کم اہلِ مشاہدہ کے نزدیک قابل اعتماد ہیں اس لحاظ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مشرب و مسلک کے فرق کے ساتھ ساتھ بابا ذہین شاہ کی شخصیت سے ان کی عقیدت اس مشاہدہ سے قبل تک بہمہ وجوہ استوار نہیں تھی۔ ان کا بیان ہے کہ حضور رسالت مآب علی صاحبہا الصلوٰۃ کو انھوں نے بابا ذہین شاہ کی شکل و شباہت میں اور بعض مشاہدات میں ذہین شاہ صاحب کو حضرت خواجہ اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی مجلس میں دیکھا ہے۔ ایک اور قابلِ اعتماد بیان ہے کہ عالم امر میں یہ بتایا گیا ہے کہ بابا ذہین شاہ کو ایک بہت بڑی نعمت حاصل ہے اور وہ نعمت یہ ہے کہ جس شخص کی طرف وہ (رُوحانی طور پر) متوجہ ہوں یا جو شخص (بتوجہ روحانی) ان کی طرف متوجہ ہو اس کی طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توجہ فرماتے ہیں اور یہ نعمت ان

کو اس خصوصیت کی وجہ سے حاصل ہے کہ انتہائی تکلیف دہ اور ناقابل برداشت حالات میں بھی وہ اپنے لئے ایک ایسی راہ نکال لیتے ہیں جس سے دوسرے لوگوں کو کم سے تکلیف پہنچے۔ بعض بزرگوں نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے موصول شدہ مکتوب مطہر میں بابا ذہین شاہ صاحب کی تحریر اور دستخط دیکھے ہیں۔

اس قسم کی شہادتوں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد شہادت یوسف شاہ صاحب کی شہادت ہے جنھوں نے ذہین شاہ کو منصب خلافت وسجادگی پر فائز کیا ہے۔

متوارث ولایت

تقریباً ایک ہزار برس سے فقر بابا ذہین شاہ صاحب کے خاندان کا متوارث ہے، خاندانی سلسلہ کی اکیسویں پشت میں شیخ المشائخ سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے جن کی اولاد کو حضرت خواجہ اجمیری نے اپنی اولاد فرمایا ہے۔ پندرھویں پشت میں خواجہ حسین ناگوری ظاہری و باطنی علوم کے لحاظ سے اس سلسلہ کی ایک عظیم اور مشہور صاحب تصانیف شخصیت تھے جن کو شیخ کبیر الدین بن شیخ فرید الدین بن عبد العزیز بن سلطان التارکین حمید الدین الصوفی سے خلافت و سجادگی حاصل تھی۔ انھوں نے سب سے پہلے حضرت خواجہ اجمیریؒ کے روضۂ مبارک کی تعمیر کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو غیر معمولی محبت تھی۔ اپنی تمام ملکیت واثاثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر وقف فرمادیا تھا۔ اس سلسلہ کے تقریباً سات مشائخ صاحبِ تذکرہ ہیں جن کا ذکر اخبار الاخیار، مخزن اولیاء، اقتباس الانوار اور مراۃ الاسرار وغیرہ صوفیا کے مستند تذکروں میں موجود ہے۔ بابا محمد طاسین شاہ صاحب کو اس سلسلہ میں اپنے والد بزرگوار حضرت پیر دیدار بخشؒ سے خلافت وسجادگی حاصل ہوئی جنھوں نے آپ کو بچپن ہی سے بابا تاج الدین ناگپوری قدس العزیز کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ ذوق شعر وسخن آپ کو غالباً اپنے والد بزرگوار ہی سے ملا ہے جو فارسی کے

قادر الکلام شعراء میں شمار کئے جاتے تھے اور اکثر نعتیہ کلام فرماتے تھے۔ آپ کے ایک نعتیہ شعر سے قدرتِ کلام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، فرماتے ہیں

شورِ جمالِ حسنت پیشِ بتاں رسیدہ

ایں رحمتِ خدا ہم بر کافراں رسیدہ

پیر دیدار بخش رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے جدِ محترم حضرت پیر خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت و سجادگی حاصل تھی جو چشتی نسبت کے علاوہ سلسلہ ابو العلائیہ نقشبندیہ میں بھی حضرت شاہ قمر الدین کے خلیفہ مجاز تھے، حضرت پیر خدا بخش چشتی نقشبندی مشرب بزرگ تھے۔ یوسفیہ تاجیہ سلسلہ کی خلافت و سجادگی سے قبل بابا ذہین شاہ صاحب کا سلسلہ ارشاد اسی سلسلہ سے جاری تھا۔

اس خاندانی سلسلہ چشتیہ نقشبندیہ کے علاوہ آپ کو چشتیہ، صابریہ قادریہ اور تاجیہ سلسلہ میں حضرت بابا عبد الکریم یوسف شاہ صاحب سے خلافت و سجادگی حاصل ہوئی۔ بابا یوسف شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت صوفی عبد الحکیم کامٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز تھے جن کا سلسلہ حضرت شاہ عبد الرحمٰن صاحب لکھنوی تک پہنچتا ہے۔ حضرت شاہ عبد الرحمٰن قدس سرہ چشتیہ صابریہ قادریہ سلسلہ کے ایک مشہور جامع سلاسل اور جلیل القدر صاحبِ تصانیف بزرگ تھے۔ توحید وجودی کے علمبردار تھے اس مسلک کی وضاحت میں ان کی کتاب کلمۃ الحق شہرۂ آفاق ہے۔ بابا یوسف شاہ صاحب سلسلہ تاجیہ کی سجادگی سے قبل اس سلسلہ میں لوگوں کو بیعت فرماتے تھے۔ اسی کے ساتھ بابا یوسف شاہ صاحب کو حضرت بابا تاج الدین قدس سرہ العزیز سے بھی خلافت حاصل ہے جن کو حضرت شیخ داؤد مکی قدس اللہ سرہ العزیز سے فیض روحانی اور نسبتِ اویسی حاصل تھی۔ بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے شہرۂ آفاق اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ مشرب ملامتیہ کو پسند فرماتے تھے۔ ان کی قوتِ نسبت ہی

کا اثر ہے کہ بابا یوسف شاہ صاحب اور ذہین شاہ صاحب کی قدیم نسبتوں پر یہی رنگ غالب ہے۔ مختلف خانوادوں کی خلافت وسجادگی اور متعدد نسبتوں کے اس اجتماع و فیضان سے بابا محمد طاسین شاہ کی روحانی منزلت کا ایک حد تک صحیح اندازہ ہو جاتا ہے لیکن ان کے حقیقی مرتبہ ومقام کو اللہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے۔ اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری (میرے اولیا میرے دامنِ قبا کے سائے میں ہیں میرے سوا انھیں کوئی نہیں جانتا)

مشرب و مسلک

مولانا ذہین شاہ صاحب کے مسلک ومشرب کے متعلق میرا شخصی مطالعہ یہ ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ خود مولانا اور مولانا کے معتقدین اس مطالعہ کے نتائج سے اتفاق فرمائیں گے یا نہیں اور کن الفاظ میں اپنے مشرب ومسلک کی وضاحت کو پسند فرمائیں گے۔

فقر وتصوف میں ان کا مسلک چشتی نظامی اور ذوق چشتی صابری ہے۔ نظامی مسلک نے ان کو ذوقِ سماع اور صابری سوز وگداز نے طریق عشق بخشا ہے۔ ملامتی مشرب کی طرف رحجان ہے لیکن کبھی کبھی وجود وشہود اور طریق تربیت سے صرفِ نظر اتباعِ ظواہر میں نقشبندی رنگ بھی جھلک آتا ہے۔ اس اعتبار سے ان میں مسلک توحید کے ساتھ جامعیت کی طرف میلان پایا جاتا ہے۔

فقہی مسلک کے لحاظ سے وہ اصطلاحی حنفی ہیں اور ان آداب کی پابندی کرتے ہیں جو اس مسلک کے ساتھ وابستہ سمجھی جاتی ہیں۔ عام مفہوم کے اعتبار سے ظاہر یہ مسلک کے پرجوش نقاد ہیں جن کو وہ اپنی اصطلاح میں وہابیہ کہتے ہیں۔ کبھی کبھی اس اصطلاح کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور حنفی مسلک کے مختلف مکاتبِ نظر بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ لیکن عام طور پر ان مدرسہ ہائے خیال کے متعلق ان کے نقطہ نظر میں رواداری محسوس ہوتی ہے۔ اپنے مسلک ومشرب کی پرجوش حمایت کے

ساتھ مختلف علمی فقہی و روحانی سلاسل و مذاہب اہلِ سُنت کے متعلق وسعتِ نظر سے کام لیتے ہیں۔ یہ وسعتِ نظر ان کے وجدانی اور کشفی عقیدۂ توحید اور وسعتِ مطالعہ کا ثمرہ ہے۔

یہ ہیں حضرت مولانا محمد طاسین شاہ صاحب چشتی صابری قادری۔

یوسفے راست پیرہن عینش
ذات او نورِ عینِ تاج الدین

منشی بھیّا

مشتاق احمد نام تھا۔ اہلِ سلسلہ میں منشی بھیّا کے نام سے مشہور تھے۔ حضور تاج الاولیاء بابا صاحب نے جب سرکار کو حکم دیا کہ جاؤ چھپارا فتح کرو، تو آپ علی گڈھ تشریف لائے۔ محلہ سلطانی سرائے میں قیام کیا۔ یہاں بکثرت لوگ داخل سلسلہ ہوئے، ان میں منشی بھیّا بھی تھے، ان کو حضرت سے والہانہ عقیدت و محبت تھی، جاں نثار و خدمت گزار تھے حضرت نے ان کا کھانا بند کر دیا تھا، ایک عرصہ تک چائے پر گذر کرتے رہے اور جذب کی سیر کی۔ آپ کو خلافت بھی عطا ہوئی، اکثر مریدین کو حضرت منشی بھیّا کے پاس بھیجتے وہ ان کو ادب آداب تعلیم کرتے۔ ۲ فروری ۱۹۴۴ء کو وصال ہوا۔ حضرت قبلہ و کعبہ نے ان کی پگڑی ان کے بیٹے نظر میاں کو باندھی، وہ مع اپنی والدہ کے کراچی میں تھے اُن کا انتقال ہوگیا۔

خلیفہ خورشید احمد خاں

چھپارا کے رہنے والے تھے، سلسلۂ قادریہ بنیر شریف میں مُرید تھے حضرت قبلہ سے طالب ہوئے۔ حضرت نے ان کو خلافت عطا فرمائی۔ توحید سے خاص شغف رکھتے تھے، باوجود اجازت کسی کو مُرید نہیں کیا۔ زندگی کے آخری حصہ میں

کچھ لوگوں کو سلسلہ میں داخل کیا۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان آگئے۔ ۱۳۷۶ھ میں وصال ہوا۔ خانقاہ تاجیہ میں مدفون ہوئے ہیں۔ آپ نے کسی کو خلافت نہیں دی۔

عابد علی خاں

انزولی کے رہنے والے تھے۔ خلافت ملنے کے بعد سلسلہ کی توسیع میں سرگرم رہے۔ حضرت قبلہ وکعبہ کی حیات میں بمقام انزولی انتقال فرمایا۔ اپنے باغ میں مدفون ہوئے۔ اپنے فرزند کو خلافت دی تھی وہ بھی پاکستان آکر انتقال کر گئے۔

مُنیر خاں صاحب

ابتداً حضرت قبلہ وکعبہ سے مُرید ہوئے، پھر حضرت قبلہ وکعبہ کے پیر و مرشد صوفی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہو کر خلافت حاصل کی، پھر تمام عمر حضرت قبلہ وکعبہ کے دروازے پر ایک مخلص خادم کی حیثیت سے گزار دی۔ تمام امورِ خانہ داری لوازم مہمان نوازی کے مہتمم تھے۔ تمام دنیاوی علائق سے آزاد ہو کر "یک در گیر محکم گیر" عمل پیرا رہے۔

۱۰ محرم ـــــ ھ کراچی میں انتقال فرمایا۔ خانقاہ تاجیہ میں مدفون ہوئے

سیّد اقبال صاحبؒ

جامعہ ازہر مصر کے فارغ التحصیل عالم تھے، حافظ و قاری تھے۔ اشارہ باطنی کی بنا پر ناگپور سے پاپیادہ اجمیر شریف پہنچے۔ حضرت قبلہ سے مُرید ہوئے، خلافت حاصل کی، کچھ دنوں جذب میں رہے پھر سلوک میں آئے۔ ناگپور میں قیام رہا سلسلہ کی اشاعت میں مشغول رہے۔ حضرت قبلہ وکعبہ کی حیات میں بہ عارضۂ

پیچش انتقال ہوا۔

مولانا اختر علی شاہ

ان کے والد مولانا بہادر علی شاہ علی گڈھ کالج کے ایل ایل بی اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ عربی میں ایم اے تھے۔ بعد میں ایل ایل بی پاس کر لیا اور قانونی کلاس کے پروفیسر ہو گئے۔ چونکہ وہ کالج کے ٹرسٹی بھی تھے، اس لئے کالج کی طرف سے مولانا کو ایف اے تک پڑھایا گیا، تمام اخراجات کالج نے برداشت کئے۔ مولانا پر والد کے انتقال کا بڑا اثر پڑا۔ حضرت محب اللہ شاہ مراد آبادی کے توسط سے ان کے پیر شرف الاولیاء شاہ جی شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تعلیم و تسکین پانے لگے۔

مولانا محمد علی شوکت علی کی تحریکِ خلافت کے زمانہ میں ان کے ساتھ رہے اور بلادِ اسلامیہ کی سیاحت کی۔ حرمین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ واپس آئے تو پیر اور دادا پیر کا وصال ہو چکا تھا۔

اس زمانہ میں حضرت بابا یوسف شاہ تاجی کا قیام سلطانی سرائے علی گڈھ میں تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک بشارت کے مطابق مرید ہو گئے۔ تقریباً ۲۶ سال تک سعادت حاضری حاصل کرتے رہے۔ آپ بھی حضرت قبلہ کی طرف سے مجاز ہیں۔ آجکل کراچی میں مقیم ہیں، خانقاہ تاجیہ کے وکیل ہیں۔

بقاء اللہ شاہ

انتر ولی طالب نگر کے رہنے والے ہیں۔ حضرت قبلہ و کعبہ کے زیر تربیت رہے حضور نے ان سے مجاہدات بھی کرائے، چپ رہنے کا حکم دیا۔ ایک عرصہ تک چپ

رہے، ترکِ غذا کا حکم دیا، ایک عرصہ تک اس پر عمل کیا۔ سفر میں اکثر قبلہ وکعبہ ان کو ساتھ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ دہلی تشریف لے گئے تو مولانا عبدالسلام صاحب نے ان کے متعلق حضرت سے دریافت کیا کہ کیا بقاء اللہ شاہ آپ کے خلیفہ ہیں تو حضرت نے فرمایا:۔

"خلیفہ نہیں ایجنٹ ہیں"

ان فقروں سے اہلِ سلسلہ خلافت کی نفی پر استدلال کرتے ہیں۔ میں اس قضیہ کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ یہ میرے علم میں ہے کہ حضرت قبلہ وکعبہ کی حیات میں لوگوں کو مرید کرتے تھے، اس لئے اگرچہ خلافت کا باقاعدہ اعلان نہ ہوا ہو، پھر بھی مرید کرنے کی اجازت غیر مشتبہ ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کو اس حق سے محروم کیا جائے جو حضرت قبلہ وکعبہ کے زمانہ میں ان کو حاصل تھا۔

سید ظہور الحسنین

ایم اے ایل ایل بی، موجودہ کلیم آفیسر نواب شاہ ضلع متھرا کے رہنے والے ہیں۔ خاندان سادات سے ہیں۔ ایم اے ایل ایل بی ہیں۔ ڈسٹرکٹ آگرہ میں سب رجسٹرار رہے۔ اپنے نانا سید اعجاز حسین صاحب سے خاندان نقشبندیہ میں اجازت خلافت حاصل تھی۔ حضرت قبلہ وکعبہ کے سلسلۂ ارادت میں داخل ہو کر خلافت حاصل کی۔ حضرت قبلہ کے وصال پر میرے ہاتھ پر تجدید بیعت کی اور میں نے اس خلافت کی توثیق کرتے ہوئے اپنی طرف سے بھی خلافت عطا کی تھی، مگر جب وہ کسی روشن شاہ کے مرید و خلیفہ ہوئے تو میں نے اپنے سلسلے سے ان کو خارج کرنیکا اعلان کر دیا تھا۔

ڈاکٹر عبدالعزیز

جہانگیر آباد کے باشندے ہیں۔ چھتاری میں رشتہ داری ہوئی۔ حضرت قبلہ و

کعبہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی۔ والہانہ عقیدت پیدا ہوئی۔ اس میں جذب کی آمیزش بھی تھی۔ ضلع بلند شہر کے لوگوں کو داخل سلسلہ کیا۔ اجازت خلافت حاصل ہے۔ ایک عرصہ سے حضور تاج الاولیاء کا عرس آپ کے یہاں بڑے اہتمام سے ہوتا ہے۔ زمانہ علالت میں سرکار کو مع مریدین کے مہمان رکھا اور مخلصانہ خدمات انجام دیں۔ بلند شہر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

خانصاحب فیاض خاں

چھتاری کے رہنے والے جب مرید ہوئے تو حضور نے ان کو ماسٹر کا لقب دیا۔ پنجشنبہ کی فاتحہ چھتاری میں کرتے رہے اور بابا صاحبؒ کا عرس چھتاری میں کراتے رہے یہی معمول اب تک جاری ہے۔

نواب بہادر عبدالسمیع خان رئیس طالب نگر

درد گردہ میں مبتلا تھے۔ حکیموں، ڈاکٹروں کے علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا اس زمانے میں حضرت بابا یوسف شاہ تاجی کو حضرت بابا نے حکم دیا تھا کہ جاؤ چھتاری فتح کرو۔ آپ چھتاری رونق افروز تھے، آپ کی بزرگی اور کرامتوں کا عام شہرہ تھا نواب بہادر نے پیام بھیجا کہ میں صاحب فراش ہوں مجھے دیکھیں۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ ہاتھی بھیجو اس پر سوار ہو کر آئیں گے۔ ریاست کا ہاتھی بھیجا گیا، اس پر آپ تشریف لائے۔ نواب بہادر درد گردہ میں مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہے تھے، حکیم ڈاکٹر کھڑے منہ تک رہے تھے۔ حضور نے پہنچتے ہی نواب بہادر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا "اچھے اس طرح سے ہوتے ہیں کہ بیمار نہ تھے" یہ فرما کر آپ ادھر تشریف لے گئے اُدھر درد رخصت ہو گیا۔ نواب بہادر مع تمام خاندان کے داخل سلسلہ ہو گئے۔ نواب بہادر پیر کے سچے فدائی تھے۔ پیر بھائیوں سے مخلصانہ برتاؤ فرماتے۔ نہایت شریف متواضع منکسر المزاج اور نیک انسان تھے۔ حضرت نے ان کو بہت سے

اوراد و اشغال تعلیم فرمائے۔ آخر زندگی میں فقر کی طرف بہت زیادہ توجہ ہوگئی تھی۔ خلافت بھی ان کو مل گئی تھی، قیامِ پاکستان کے بعد وصال ہوا۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

راجہ کشن گڑھ اور بابا یوسف شاہ

ایک بار ہم کشن گڑھ ریاست میں تھے جو اجمیر شریف سے قریب ہے۔ وہاں کے راجہ نے مسلمان رعایا کو پریشان کر رکھا تھا، اس زمانہ میں ہم وعظ کہا کرتے تھے، ہمارے وعظ میں ہزاروں ہندو مسلمان بڑے شوق سے شریک ہوتے تھے۔ ہم نے وعظوں میں راجہ کے مظالم بیان کرنا شروع کر دیئے۔ راجہ کو خبر ہوئی تو پولیس کے اعلیٰ افسران اور کچھ عمائدین ریاست کو ہمارے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ راجہ صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں نے کہا دھوکہ ہے ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے۔ ہم نے کہا کوئی ڈر نہیں، ہماری نیت بخیر ہے، ہمیں جانا چاہئیے، چنانچہ ہم چلے گئے۔ راجہ سے ملاقات ہوئی، اس نے کہا آپ ہماری ریاست میں رہ کر ہمارے خلاف تقریریں کرتے ہیں ہم نے کہا آپ اپنی ماتحت رعایا پر زیادتی کرتے ہیں، خدا نے آپ کو راجہ بنایا، ان کو آپ کا زیردست بنایا، آپ انصاف نہیں کریں گے تو پھر وہ کہاں جائیں گے، راجہ نے کہا کہ یہ ہمارا اور ہماری رعایا کا معاملہ ہے، باہر کے لوگ یہاں آکر دست اندازی نہیں کر سکتے۔ یہ کہتے وقت راجہ کو غصہ آرہا تھا، اس کا منھ سرخ ہو رہا تھا، اعلیٰ افسران حکم کے منتظر کھڑے تھے، ہم باباصاحب کی طرف متوجہ ہوئے، دل میں آیا کہ اُٹھ چلو۔ ہم اُٹھے اور راجہ سے رسمی اجازت طلب کی، اس نے کہا بہتر ہے۔ افسروں کو حکم دیا "مولانا کو قیامگاہ پر پہنچادو"۔ ہم چلے آئے۔ واپسی پر ذمہ دار مسلمان افسروں نے بتایا کہ راجہ کی نیت اچھی نہ تھی، خدا نے خیر کی، ہمیں بابا کا یہ ارشاد یاد آیا:۔

"ہمارے بچے میدان میں کبھی نہیں ہارتے"

خدا کی دین

جب میں زندگی پر غور کرتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ زندگی بجائے خود خدا کی دین ہے۔

ما نبودیم و تقاضا ما نبود

نہ ہم تھے نہ ہماری طلب تھی نہ ہمارا قصد تھا ہم خود ہی نہ تھے تو ہمارے ہونے کے یہ تقاضے کہاں سے آتے، خدا کی دین اسی کا نام ہے کہ بغیر کسی استحقاق کے محض اپنے وجود کرم سے ہمیں زندگی عطا فرمائی، زندگی کا مقصد عقل و شرع نے جو کچھ بھی متعین کیا ہے اس کے حصول کے لئے انسانی جدوجہد و مساعی کو بہت بڑا دخل ہے قرآنی اعلان ہے۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی

انسانی مساعی کی اہمیت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انسان کے لئے سعی پیہم کے سوائے جو کچھ ہے وہ تحت نفی واقع ہوا ہے۔

انسانی کوششوں کا رُخ غلط سمت میں بھی ہو سکتا ہے اور صحیح جہت میں بھی ہو سکتا ہے۔ غلط اور صحیح سمت دریافت کرنے میں انسان عقل و شرع سے استفادہ کرتا ہے۔ اس کے باوجود غلطی سے محفوظ رہنا انسان کے بس کی بات نہیں، نہ عقل اس کی ضمانت قبول کرتی ہے کہ وہ انسان کو خطائے فکری سے محفوظ رکھے گی، نہ شرع اس امر کی ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ ہر فہم کے سانچے میں صحیح صحیح ڈھلتا چلا جائے گا۔ غلط فہمیاں اس کے اصل خط و خال پر نقاب نہ

ڈال سکیں گی۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ عقل و شرع کے حکیمانہ نظریات پر زندگی کے پرسکون لمحات میں ٹھنڈے دل سے جتنا غور کیا جا سکتا ہے اتنا ہی عملی زندگی کی ہما ہمی اور جد وجہد کی شوراشوری میں ان سے بعد ہو جاتا ہے علم و عمل میں التزام ہے منافات نہیں مگر وہ علم کہاں سے آئے جو زندگی کی تمام جہات پر محیط ہو۔ ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ زندگی آئی کہاں سے ہے؟ جائے گی کہاں؟ عام طور پر ہم تو یہی جانتے ہیں کہ زندگی مہد سے شروع ہو کر لحد پر ختم ہو جاتی ہے۔ پھر ہم اپنے اس مشاہدے کو اپنے کسی طرز عمل سے کس طرح جھٹلا سکتے ہیں۔ اس لئے لازمی طور پر ہمارے تمام اعمال صرف اسی نقطہ کے گرد گھومتے ہیں کہ مہد سے لحد تک زندگی کسی نہ کسی طرح چین سے گزر جائے۔ اس اعتبار سے زندگی میں کامیابی کا تصوّر محض ان اعمال سے وابستہ ہو کر رہ جاتا ہے جو اس زندگی کی حفاظت و بقا کامرانی و شادمانی میں مفید و معاون نظر آتے ہیں۔

مہد سے لحد تک کی زندگی کا وقفہ مختصر بھی عرصۂ محشر در کنار ہے۔ نفس انسانی میں ہزاروں تمنائیں انگڑائیاں لے رہی ہیں ہر تمنا ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ ہر بحر ناپیدا کنار میں ہزاروں طوفان شورانگیز ہیں، ہر طوفانِ شورانگیز لاکھ بار دشمنِ امن و سکون ہے عقل کے پہاڑوں سے ذہنی مسلمات، شرع کے عرش بنیاد نظریات، ملکوتی جذبات انسانی کی رو میں پرکاہ کی طرح بہہ جاتے ہیں، حال کے تقاضے مستقبل کی مصلحتوں کو سامنے ہی نہیں آنے دیتے۔ عاجلہ غالب آتی ہے آخرہ مغلوب ہو جاتی ہے۔ آج کا انڈا کل کی مرغی سے اچھا معلوم ہوتا ہے اسی طرح علم و عمل میں التزام کی جگہ منافات لے لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اچھے سے اچھے نظریات کی بہتات کے باوجود بڑے سے بڑے اعمال کی کمی نہیں۔

بہر کیف جذبات سے مغلوب نہ ہوتے ہوئے بھی انسانی جد و جہد کا صحیح سمت

میں گامزن ہونا محض توفیقِ الٰہی پر ہی منحصر ہے۔ مگر اس مرحلہ پر میں سوچتا ہوں کہ اللہ کی بہت سی نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کے حصول کے لئے انسان پر جد وجہد سعی وعمل کی تمام راہیں مسدود ہیں، ان کا حصول محض فضل و موہبتِ الٰہی کا نتیجہ ہے۔ انسانی کوششوں کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ کوئی بتائے کہ اس میں میری کوشش کو کیا دخل ہے کہ میں اس خاندان میں پیدا کیا گیا جو ہند میں سلسلۂ چشتیہ کی عمارت میں خشتِ اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت صوفی سلطان التارکین خواجہ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ جو حضور غریب نواز کے امام نماز اور خلیفۂ اعظم تھے اور جن کی تفسیر نور النبی قرآن کی ہند میں سب سے پہلی تفسیر ہے۔ میں ان کے خاندان میں پیدا ہوا، آنکھیں کھولیں تو ایسے باپ کی آغوش میں تھا جن کو میں نے کبھی رات کو سوتے نہیں دیکھا، مناجات و عبادات صلوٰۃ وسلام میں رات گذارتے۔ علم وفضل میں شعر وادب میں، فقر وتصوف میں یگانۂ عصر تھے، آپ نے خود میری تعلیم وتربیت فرمائی، پھر تکمیل کے لئے حضرت مولانا عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا جو میرے نانا تھے، دُور دُور سے طلباء وہاں آتے اور فارغ التحصیل ہو کر جاتے، علماء وصلحاء وفقراء ومشائخ آپ کے یہاں مہمان ہوتے۔ جامع مسجد سیکر سے متصل آپ کا مدرسہ، کتب خانہ، مہمان خانہ تھا۔ بعد نماز جمعہ عمائدین شہر زیارت کو آتے، علمی مباحث پر گفتگو ہوتی اس کے اثرات آج تک میرے قلب میں موجود ہیں۔

مولانا حبیب الرحمٰن پشاوری اور مولانا عبد الرحمٰن صاحب پشاوری بھی ہمارے یہاں اکثر تشریف لاتے، علم وفضل، زہد وورع میں فرد تھے، راہِ خدا میں مرد تھے۔ دونوں صاحب طریقت بزرگ تھے، لوگوں کو داخلِ سلسلہ بھی کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے وہ رات بھر جاگتے، اللہ اللہ کرتے، مجھے دعائیں دیتے۔

جامع مسجد کے قریب قبرستان ہے، وہاں ایک مجذوب نور محمد شاہ رہتے

تھے میں ہمیشہ ان کو کھانا کھلاتا تھا۔ وہ نہایت خوش الحان، ذی علم خوشنویس تھے کبھی گاتے تو ماہرینِ موسیقی کان پکڑتے، کچھ لکھتے تو بڑے بڑے خوشنویس حیران رہ جاتے، علمی گفتگو پر آتے تو اہلِ علم متحیر ہو جاتے، وہ مجھ سے بہت خوش تھے، میری فرمائش پر کبھی کچھ لکھ دیتے، کبھی کچھ پڑھ دیتے، مجھے دعائیں دیتے۔

ایک مرتبہ مغرب کے وقت وہ ایک قبر کے سرہانے لیٹے ہوئے تھے میں ان کو کھانا دے کر مسجد میں جانا چاہتا تھا، اذان ہو رہی تھی، انھوں نے بائیں ہاتھ میں کھانے کا طشت لیا اور دایاں ہاتھ مسجد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:۔

دیکھ رے بھایا جھوٹا گواہ

دیکھ رے بھایا جھوٹا گواہ

موذن اس وقت کہہ رہا تھا

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

میں کچھ نہ سمجھا مسجد میں چلا گیا۔ آج یہی بات ایک اہم مسئلہ کی صورت میں میرے سامنے ہے۔

والد صاحب قبلہؒ نے ایک قلمی کتاب خود نوشت مجھے مرحمت فرمائی اور فرمایا کہ اس کا نام کشکول ہے۔ میں نے اس میں تصوف کی تمام مشہور کتابوں سے تمام ضروری اور اہم مباحث لکھ دیئے ہیں۔ یہ کتاب تمھیں سب کتابوں سے بے نیاز کر دے گی۔

یہ کتاب آج میں دیکھتا ہوں اور اہلِ سلسلہ کو دکھاتا ہوں، وہ بھی دیکھتے ہیں اس میں وہ تمام اوراد و اشغال اذکار و وظائف درج ہیں جو والد مرحوم کے وصال کے برسوں بعد حضرت بابا یوسف شاہ تاجیؒ نے مجھے عنایت فرمائے، شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے اقتباسات، سلسلہ مجیبیہ قادریہ کے معمولات

تمام کشکول میں درج ہیں۔ تعجب و حیرت کی بات یہ ہے کہ جو کچھ مجھے اس کتاب میں لکھ کر دیا گیا تھا وہی حضرت بابا یوسف شاہ صاحب نے لکھ کر مرحمت فرمایا۔ دونوں میں کوئی کمی بیشی نہیں۔ حالانکہ "کشکول" کبھی ان کی نظر سے نہیں گذری تھی۔

جب میں سیکر میں تھا والد صاحب قبلہ نے مجھے ایک خط لکھا تھا، فارسی نظم میں تھا جو اس طرح شروع ہوتا ہے۔

عفاک اللہ نور العین دل بند — اطال العمرک اقبال پیوند
بمانی در جہاں تا کے جہاں باد — ز بند محنت و قید غم آزاد
کفیلِ کار بادا شاہ مرداں — علی مرتضائے شیر یزداں
محمد مرسل و خاتونِ محشر — مدد گارت بود شبیر و شبرؓ
صلوٰۃ با تلاوت کن مقدم — برائے کشف حاجاتِ دو عالم
بدین راحج مکن کارِ دنی را — بمار و من مزن لطفِ غنی را
فنونِ خوشخطی پایاں رساندی — مرا از دامِ این محنت رہاندی
بعلم و عقل و دانائی و مردی — ز ہمچشمانِ خود سبقت بردی
نمودی یاد قانون و ضوابط — کہ دارد با ضرورت ہا روابط
کسے کز فعل ماہیت نہ داند — چنانکس آدمیت را نشاید

دعا میں فرمایا تھا۔

بزیر سایۂ مردانِ حق باش — ہمیشہ رہرو میدانِ حق باش
بدور من پناہ حالیں است — کہ نام نامی او تاج دین است
ز فقرش بوی الفخری شنیدم — عیاں دیدم نہاں ہرچہ شنیدم
حضورش با حمید الدین حضوری — چو ناگوری بمناید ناگوری
بحمد اللہ ترا با او سپردم — لبسے نازم باین کارے کہ کردم

آخری شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو میرے عنفوان شباب میں پیش آیا تھا۔ والد صاحب قبلہ نے فرمایا کہ میں تمھاری تعلیم سے مطمئن ہوں، شادی بھی کر چکا، اب ایک آرزو ہے کہ آفتابِ زمانہ حضرت بابا تاج الدین صاحب کی خدمت میں تمھیں پیش کیا جائے۔ میں اس زمانہ میں دہلی تھا۔ پہاڑ گنج میں عزیب شاہ کی مسجد تھی وہاں میرے خالو مولانا عبدالکریم خطیب تھے۔ میں ان کے پاس مقیم تھا، مقصدِ قیام فن خوشنویسی کی تکمیل تھی، فراش خانہ میں المستنصر پریس تھا وہاں کچھ لکھ کر دے آتا، تین چار روپے مل جاتے۔ مزارات اولیاء اللہ کی زیارت میں وقت گذارتا۔

خالو صاحب بھی حضور تاج الاولیاء کے بڑے مداح تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ تمھارے ابا کے دماغ میں خشکی ہے، وہ ابھی سے تمھیں فیقری کی راہ میں ڈالنا چاہتے ہیں، ابھی تمھاری عمر ہی کیا ہے۔ بابا صاحب کے یہاں جاؤ تو ان سے کوئی بڑا عہدہ طلب کرنا، ضرور ملے گا۔

والد صاحب قبلہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ میرے چچا صاحب بھی تھے۔ انھوں نے بھی مجھے سمجھایا کہ بھائی صاحب تو صرف خدا کے لئے جا رہے ہیں اور تمھیں لے جا رہے ہیں۔ میں تو اس لئے جا رہا ہوں کہ "ریوٹ محل" کے دورے میں مجھے خوب روپیہ ملے۔ بابا صاحب سے یہی دعا کرانا ہے، تم بھی دنیاوی ترقی کے لئے دل میں خیال رکھنا وہاں اللہ دل کی مرادیں پوری کرتا ہے۔

میں ان باتوں کو سن کر متحیر تھا اور سوچ رہا تھا کہ ان میرے بزرگوں کو کیا ہو گیا ہے، آخر بابا صاحب کوئی خدا ہیں جو دل کی باتیں جان لیتے ہیں، اور مرادیں پوری کر دیتے ہیں۔

علم تازہ تھا، عقیدہ یہ تو ضرور تھا کہ اولیاء اللہ صاحب تصرف ہوتے ہیں مگر بابا صاحب کی باتیں سن کر تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نعوذ باللہ خدا عرش سے فرش

پر آگیا ہے، لیکن مجالِ دم زدن نہ تھی، سب میرے بزرگ تھے۔ یہ ضرور ہے کہ خالو جان اور چچا میاں کی باتوں کے مقابلے میں والد صاحب کی بات زیادہ دل کو لگتی تھی وہ یہ کہ مقصدِ حاضری خدا طلبی سمجھو۔

غرضیکہ ہم ناگپور پہنچے، شکردرہ کے کنوئیں میں جے پور والے صوفی صاحب کا نام سُن کر وہاں تالاب کے کنارے ٹھہرے، وہاں مولانا عبدالکریم صاحب تھے جو بعد میں یوسف شاہ تاجی کے نام سے مشہور ہوئے اور ذھین کے قبلہ وکعبہ پیر ومرشد ہوئے صوفی صاحب نے وہاں ایک دری بچھا رکھی تھی، ہم لوگوں کے لئے بچھادی اور اخلاق درویشانہ صرف کیا۔

باباصاحب کے یہاں مخلوق کا بے پناہ ہجوم تھا، باریابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی، دروازہ میں راجہ کی طرف سے پہلوان مقرر تھے کسی کو اندر نہیں جانے دیتے تھے۔ حضور لال محل کے زینہ پر سے اُتر کر کھڑے ہوئے تھے۔

اچانک چچا کو جوش آیا اور وہ اُچھل کر صف سے نکلے۔ باباصاحب کے سامنے جاکر بولے۔

او تاج الدین! سلطان التارکین کے پوتے تیرے دربار میں کھڑے ہوئے ہیں اور سلام کا موقع نہیں ملتا۔

حضور نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ چھوڑے تھے وہ کھولے اور دونوں ہاتھوں کو ملاکر سر سے اونچا کیا اور فرمایا "سلطان التارکین بہت بڑے آدمی"

یہ جملے تین بار فرمانے کے بعد حضور نے چچا صاحب سے تیز وتند آواز میں کہا:۔

"جا جا ریوت محل میں بہت گوبر ملے گا"

میری زندگی میں کشفِ قلوب کی یہ پہلی مثال تھی جو مشاہدہ میں آئی بالکل وہی بات جو دہلی میں چچا میاں نے فرمائی تھی، حضور نے فرمادی، مجھ پر اس کا بڑا اثر ہوا۔

والدصاحب قبلہ ایک ہفتہ شکردرہ مقیم رہے۔ حکیم ظفر جے پور والے بابا صاحب کے خادم خاص تھے۔ مولانا عبدالغفور ڈونگرے والے بھی حاضر دربار تھے، سائیں الدین شاہ صاحب کھیم کرن والے بھی جو والدصاحب کے مخلص دوست تھے حاضر دربار تھے، ان کے توسط سے دو مرتبہ موقع قدمبوسی حاصل ہوا۔ میں نے کچھ عرض نہیں کیا۔ ہر مرتبہ والدصاحب قبلہ فرماتے تھے "حضور یہ آپ کے سپرد ہے"

حضور نے کیا فرمایا؟ کیا ہوا؟ جب میں ہوتا ہوں یاد نہیں آتا جب وہ یاد آتا ہے میں نہیں ہوتا۔

والدصاحب قبلہ بہت خوش تھے فرماتے تھے کہ اب خدا کے سامنے سرخرو جاؤں گا کہ ذہین کی تعلیم و تربیت کے علاوہ اس کو اس زمانہ کے کامل ترین ولی اللہ کی خدمت میں بھی پیش کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں جو بے طلب مجھے میسر آئیں، ان کی شکر گزاری میں دل کو جب دیکھتا ہوں سجدے میں پاتا ہوں۔

مولانا عبدالکریم شاہ صاحب رجب کہ وہ یوسف شاہ نہ تھے، جیپور چاند پول اسکول میں مدرس تھے، اس وقت سے ان سے نیاز حاصل تھا۔ آپ جب بابا صاحب کے یہاں حاضر ہو کر تشریف لائے تو آپ کے کشف و کرامات کا شہرہ تھا، خطرات قلبی بے تکلف بیان فرماتے، حالات ظاہر کرتے۔ مشکل مسائل میں بے تکلف جواب باصواب عطا فرماتے۔

مولانا سید انوار الرحمٰن صاحب بسمل نیازی جے پوری کے یہاں آپ کا قیام تھا بسمل صاحب نے آپ سے میرے متعلق کہا "ذرا ان کے متعلق کچھ فرمائیے"۔ آپ نے فرمایا "ہنڈیا پکتی ہے، پکتی ہے جب خوب پک جاتی ہے تو ہم اس کا سرپوش کھول دیں گے تو قاف سے تا قاف تک معطر ہو جائے گا۔"

ایک مرتبہ آپ جے پور سے آگرہ تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت احمد علی شاہ جعفری میکشؔ اکبرآبادی بھی آگرہ جا رہے تھے۔ حضرت بسملؔ اور بہت سے احباب اسٹیشن جے پور پر موجود تھے۔ حضرت نے فرمایا مولانا ذہینؔ بھی ہمارے ساتھ آگرہ جائیں گے۔ حضرت میکشؔ اور حضرت بسملؔ نے متفقہ طور پر عرض کیا، نہیں حضرت آپ انھیں مجذوب بنادیں گے، ہمارا لطفِ صحبت ختم ہو جائے گا۔ حضرت نے بڑے زور سے قہقہہ لگا اور فرمایا "اچھا اچھا پھر دیکھیں گے"۔

اس واقعہ سے برسوں بعد حضرت والد صاحب کا انتقال ہو گیا تو مجھ میں ایک تغیر پیدا ہو چکا تھا، باطن میں شدید اضطراب تھا، لباس وضع قطع سب بدل چکے تھے داڑھی، سر کے بال بہت بڑھ گئے تھے۔ میرے دیکھنے والے مجھے پہچان نہیں سکتے تھے۔ میں اجمیر شریف کے عرس کے موقعہ پر حاضر ہوا تھا، مقصدِ حاضری کسی مردِ خدا کی تلاش تھا، یہاں ذکر کے حلقوں میں دیکھا، صوفیوں کی جماعت میں دیکھا۔ تارا گڈھ کے پہاڑ پر ایک مائی اللہ اللہ کرتی تھیں، وہاں بھی گیا۔ بڑی بڑی اونچی دکانیں دیکھیں پکوان پھیکا پایا۔ دل میں کہتا تھا، یا اللہ ان تیرے بندوں کی تعداد لاکھ تک پہنچی ہے کیا کوئی صاحبِ دل نہیں جو میری مخلصانہ خداطلبی کے ذوق کی تسکین کر سکے۔ رات کے دو بجے ہوں گے، میں جھالرے کے حوض سے وضو کر کے مسجد کی طرف جانے کو تھا کہ سامنے چار یار کے دروازے سے حضرت بابا یوسف شاہ تاجی نمودار ہوئے۔ کم از کم پندرہ گز کا فاصلہ درمیان میں تھا، رات کا وقت تھا، میری ہیئت تبدیل ہو چکی تھی، مگر ان تمام باتوں کے باوجود آپ نے مجھے پہچان لیا اور آواز دی "مولانا ذہین"۔ میں قریب گیا، بڑے اخلاق و محبت سے فرمایا۔ یہ آپ کا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا والد صاحب کا انتقال ہو گیا اس کے بعد سے میری حالت بدل گئی ہے۔

فرمایا "آئیے"۔ میں ساتھ ہو گیا۔ محبوب منزل (درگاہِ معلٰی کا ایک حجرہ) تشریف لائے، مجھے صدر مقام پر بٹھایا۔ میں نے کہا مولانا اس عرس میں کوئی مردِ خدا نہیں آیا۔ فرمایا، ہاں آئندہ سال آئیں گے۔ پھر فرمایا آپ کی تربیت پھندن میاں سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ فرخ آباد کر سکتے ہیں ہم گیارہویں شریف پر وہاں جائیں گے تو آپ کو ساتھ لیجائیں گے۔ عرس کے بعد میں گھر پہنچا تو ایک خط ملا جس میں وہی شغل تحریر تھا جو والد صاحب قبلہ نے تحریر فرمایا تھا اور اسی مقام کی نشاندہی کی گئی تھی جہاں میں رُک گیا تھا۔ آگے بڑھنے کے لئے کچھ ہدایات تحریر تھیں اور لکھا تھا کہ آپ ہم ایک راستے پر چل رہے ہیں۔ جی چاہا کہ آپ سے کچھ باتیں کی جائیں۔ باتوں میں راستہ جلدی کٹ جاتا ہے۔ میں نے ان ہدایات پر عمل کیا اور پہلے ہی دن مسئلہ حل ہو گیا۔

والد صاحب قبلہ مثالی صورت میں تشریف لائے اور دیکھتے ہی دیکھتے بابا یوسف شاہ کی صورت میں تبدیل ہو گئے۔ نسبت تبدیل ہو جانے کا جو قلق مجھ کو ہونا چاہیئے تھا وہ ہوا، خیال ایسا نہ تھا کہ میں آپ سے نسبتِ ارادت پیدا کروں اس کی ایک وجہ خود حضرت کا طرزِ عمل بھی تھا۔ آپ اتنا اخلاق و انکسار صرف فرماتے تھے کہ اس میں خوردی اور بزرگی کی نسبت پیدا ہونا دشوار تھا۔

بہرکیف گیارہویں شریف کے موقع پر پھندن میاں صاحب قبلہ کی زیارت سے مشرف ہوا مگر وہاں بھی دل نہیں ٹھکا۔

تاج آباد شریف حاضری کا اتفاق ہوا۔ مزار شریف پر رات بھر مراقب رہا۔ دُھن تھی کہ بابا صاحب سے ملاقات ہو۔ ایک رات بابا صاحب سر پر تاج رکھے سامنے آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے حضرت یوسف شاہ تاجی بن گئے اور فرمایا "باتیں ہم اس صورت میں کرتے ہیں"، صبح ہونے کو تھی۔ میں تاج آباد شریف حضرت کے جھونپڑے میں چلا گیا وہاں کسی کا بستر سمٹا ہوا رکھا تھا وہاں سرہانہ لگا کر لیٹ گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہی

تاج جو بابا کے سر پر تھا حضرت قبلہ کے سر پر کج رکھا ہے۔ آپ نہایت رعب و جلال سے برآمد ہوئے۔ میں پہلی مرتبہ ادب پر مجبور ہو کر کھڑا ہو گیا تو حاکمانہ انداز میں فرمایا COME ALONG۔ میں مودب ساتھ ہو لیا۔ آستانہ پر حاضر کیا۔ خادم نے ایک گلاس دودھ، عنا الہزار، طرح طرح کی روح پرور خوشبویات میں لبا ہوا پیش کیا حضور نے بہت دیر میں تھوڑا سا پیا، پھر میری طرف گلاس بڑھایا۔ میں نے پی لیا حضرت نے تاج سر پر سے اتار کر میرے سر پر رکھ دیا اور فرمایا "حکم حاکم"۔

ایک مرتبہ اجمیر شریف میں تھے ٹرین کا وقت قریب تھا۔ مجھ سے کسی نے کہا آپ بھی اپنا سامان بتا دیجئے تاکہ باندھ لیں۔ میں نے کہا میرے پاس کچھ نہیں۔ حضرت دوسرے کمرے میں تھے آپ کی آواز آئی "مولانا ذہین! ادہر آؤ" میں حاضر ہوا، آواز میں تیزی، برہمی اور گرمی تھی۔ میں کچھ نہ کہہ سکا۔ پھر فرمایا، تم نے کیا کہا "میرے پاس کچھ نہیں ہے"۔ میں نے عرض کیا کپڑے وغیرہ سب تقسیم کر دیئے کوئی تحفہ تحائف خریدا ہی نہیں اس لئے کہا تھا کہ واقعی میرے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔ یہ سن کر حضور نے پھر فرمایا کیا کہا تم نے "تمھارے پاس کچھ نہیں ہے۔ تمھارے پاس سب کچھ ہے ہم نے سب کچھ تم کو دیا ہے۔ یہ لو سجادہ"۔ اپنا سجادہ مجھے مرحمت فرما دیا۔ چشم زدن میں اعلان سجادگی ہو گیا۔

ایک بار حضور نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا "جو نعمتیں ہم کو اپنے مشائخ سے ملی ہیں وہ ہم تم کو عطا کرتے ہیں، تم نے قبول کیں، کہو قبول کیں"۔ میں نے کہا قبول کیں میں نے۔ معاً میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حضرت نے دوبار وہی جملے دوہرائے اور ہر مرتبہ قبول کیں میں نے، یہ کہنے کی ہمت بھی خود ہی مرحمت فرمائی۔ میں اس کیفیت کو بیان کرنے سے عاجز ہوں۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا۔ ہم سے بابا نے فرمایا تھا کہ ہمیں قوت دینا ورنہ ہم گور میں بددعا کریں گے

وہی بات ہم تم سے کہتے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ قوت دینے کا کیا مطلب ہے؟
فرمایا قوت دینے کا مطلب بابا کے سلسلہ کی توسیع و اشاعت ہے۔ میں نے
عرض کیا میری قوت تو حضور میں ہی ہے۔ فرمایا۔
ہم تمھارے وجود سے نمایاں رہیں گے۔ کوئی بتائے ان نعمتوں کے حصول
میں میری جدوجہد کو کیا دخل ہے۔

بمیخانہ جامی نہ تنہا رود
ولے ہمتِ شیخ جامش برد

سلسلۂ یوسفیہ تاجیہ

حضرت قبلہ وکعبہ بابا یوسف شاہ تاجی رحمتہ اللہ علیہ سلسلۂ عالیہ تاجیہ کے بانی اور مؤسس ہیں۔ یہ شرف صرف آپ ہی کی ذات گرامی کیلئے مخصوص ہے کہ حضور بابا صاحب نے اپنے دستِ مبارک سے خلافت نامہ لکھکر آپ کو مرحمت فرمایا۔ حضرت فریدالدین صاحب تاجی کریم بابا "تاج مراری" میں فرماتے ہیں کہ حضرت محمدؐ یوسف شاہ بابا کو کاٹھیاواڑ جانے کا حکم ہوا اور آپ مستانہ وار کاٹھیاواڑ میں حضور بابا صاحب قبلہؒ کی تبلیغ کرتے رہے۔ آپ نے حضور کا روحانی مشن بڑھانے میں کافی حصہ لیا ہے تاآنکہ کاٹھیاواڑ سے واپس ہونے کے بعد آپ کو ٹونکی جانے کا حکم ہوا۔ جب آپ کاٹھیاواڑ سے واپس ہوکر حضور میں حاضر ہوئے تو حضور نے اپنے نعلین مبارک دے کر فرمایا۔

"لو ان کو پھیلاؤ"

جس کا مطلب سفر کرنا تھا۔ آپ نے ٹونکی کے بڑے بڑے علماء کو حضور کے دائرۂ عقیدت میں داخل فرمایا اور ہزاروں علماء اور امراء نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، جن میں عالیجناب نواب صاحب چھتاری سابق وزیر اعظم حیدرآباد دکن اور آپ کے خاندان والے۔ جناب نواب سمیع خاں صاحب طالب نگروالی اور آپ کے گھر والے، مولانا کے ہاتھ پر بیعت کر کے حضور بابا صاحب کے سلسلہ میں داخل ہوئے۔ میں نے مولانا عبدالکریم شاہ صاحب قبلہ کے مریدوں کے آداب کو دیکھا۔ یہ دربار تاج الاولیاء کے ادنیٰ آدمی کی عزت واحترام کو بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ان

کے مریدوں کا یہ رویہ دیکھتے ہوئے مولانا کے عرفان کا پتہ چلتا ہے کہ حضور بابا صاحب قبلہ نے ایک ہی نظر میں مولانا کو کیا سے کیا کر دیا تھا۔ جب حضور بابا صاحب واگی سے شکر درہ تشریف لائے تو شکر درہ میں اپنے ہاتھ سے ایک کاغذ پر خلافت نامہ تحریر ان کو دیا اور فرمایا:۔

"لو یہ خلافت نامہ ہے" تم میرے بیٹے ہو اور تمہارا نام محمد یوسف ہے" ——— (تاج مرادی)

اس طرح سلسلۂ یوسفیہ تاجیہ کی بنیاد بابا صاحبؒ کے حکم سے ان کی حیاتِ ظاہری ہی میں پڑگئی اس سے بابا یوسف شاہؒ کے علوی مراتب کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضور بابا صاحب قبلہ کی خدمت میں جو لوگ مرید ہونے کی غرض سے حاضر ہوتے تھے ان کو حضرت قبلہ و کعبہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم ہوتا تھا۔ آپ ان کو داخل سلسلہ کرتے، سلسلۂ چشتیہ صابریہ تاجیہ "تاج شجرہ" کے نام سے حضور بابا صاحبؒ کی حیات ہی میں حضرت قبلہ و کعبہؒ نے مرتب فرما کر حضور بابا صاحبؒ کے حکم سے تقسیم فرمایا تھا، یہی شجرہ سلسلۂ تاجیہ کے دوسرے خلفاء کے یہاں بھی معمول بہ ہے۔

مؤلفِ "تاج مرادی" نے شجرۂ سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ بھی جد و جہد کے بعد حاصل کر کے شائع کر دیا ہے ان کی یہ کوشش مستحسن ہے، جس سے بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ سلسلہ اور صاحبِ طریقت بزرگ ثابت ہوتے ہیں اور اس طرح ان جاہلوں کا منہ بند ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بابا صاحب مجذوب تھے انھوں نے کسی کو مرید نہیں کیا، نہ ان کا کوئی خلیفہ ہے۔ چونکہ نظامِ طریقت ایک ایسا حصار ہے جس میں چور دروازے سے کوئی داخل نہیں ہو سکتا اس لئے خود غرض لوگوں نے اپنی ذاتی مصلحتوں کی بنا پر نظامِ طریقت کے حصار کے مقابلہ میں ایک خلافِ طریقت محاذ ضرور قائم کر لیا، اس محاذ کی بنیاد ہی اس اصرار پر قائم ہے کہ بابا صاحبؒ کا کوئی مرید نہیں ہے

نہ کوئی خلیفہ ہے یہ لوگ پھر بھی خود کو باباؒ سے منسوب کرتے ہیں، باباصاحبؒ کے فوٹو کو بابا سمجھتے ہیں، خود بھی اس کی پرستش کرتے ہیں اور دوسرے بھولے بھالے مسلمانوں سے بھی اس فوٹو کی پوجا کراتے ہیں۔ فاتحہ درود کے موقعہ پر اس فوٹو کو مجمع عام میں سجا کر رکھتے ہیں اور برملا ہندوانہ اور مشرکانہ انداز میں اس فوٹو کو چومتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں اسکے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں، اس طرح یہ لوگ باباصاحبؒ سے براہِ راست تعلق کے مدّعی ہیں۔

حضور باباصاحبؒ نے حضرت قبلہ وکعبہ کے لئے فرمایا ہے کہ یوسف شاہ میرے خزانہ کی کنجی ہے۔ بحکم النائب کالمنیب باباصاحب کے خزانۂ علم وعرفان کی دولت طلب کرنے والے کو بابا یوسف شاہ کے سامنے دستِ طلب دراز کرنا ہوگا جس نے باباصاحب کے اس حکم کو نہ مانا اس نے باباصاحبؒ ہی کو نہ مانا اور یہ وہ شخص ہے جو کنجی سے بے نیاز ہوکر خزانہ میں نقب لگانے کی فکر میں ہے۔ حضرت قبلہ وکعبہؒ کو حضور باباصاحب نے اپنا بیٹا فرمایا۔ تمام ہندوستان میں سلسلہ کی نشر واشاعت پر مامور فرمایا اور آپ کو تحریری خلافت نامہ مرحمت فرمایا، مختلف مقامات پر وقتاً فوقتاً احکامِ خاص کے ساتھ روانہ فرمایا۔ جس کے نتیجہ میں ہزاروں علماء، فضلاء، رؤساً شرفاء اور تجّار آپ کے دستِ حق پرست پر بابا کے سلسلہ میں داخل ہوئے ۔ آج حضور باباصاحب کے وصال کو کئی جگ بیت گئے سلسلۂ یوسفیہ تاجیہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ الحمدللہ علیٰ احسانہٖ۔

بابا ذہین شاہ تاجی کے خلفاء

ہندوستان میں :-

۱۔ مولانا عنایت اللہ فاضلِ دیوبند خطیب مسجد لبا طیان کھنڈیلہ
۲۔ ملا عبدالرحمٰن فتح ٹیبہ، جے پور
۳۔ قدرت اللہ شاہ فاروقی، جھنجھنوں
۴۔ ملا محمد سلیمان، صدر بازار دہلی۔
۵۔ عبدالمجید شاہ معروف چُپ شاہ (اودنی ڈنگا پور۔ بھارت)

پاکستان میں :-

۶۔ سید ظہور الحسنین شاہ ظاہر یوسفی۔ ایم اے، ایل ایل بی (علیگ) ایڈوکیٹ
۷۔ اصغر علی خاں یوسفی تاجی ملقب البیلے شاہ بی۔ اے (علیگ) کراچی
۸۔ شوکت علی خاں یوسفی تاجی چھتاروی۔ کراچی
۹۔ برکت علی خاں یوسفی تاجی چھتاروی۔ کراچی
۱۰۔ رشید احمد خاں یوسفی تاجی۔ کراچی
۱۱۔ ڈاکٹر سید محمد محمود احمد پی۔ ایچ۔ ڈی (صدر شعبۂ فلسفہ کراچی یونیورسٹی)
۱۲۔ ڈاکٹر ابو النصر سید علی اشرف۔ (صدر شعبۂ انگریزی، کراچی یونیورسٹی)
۱۳۔ مولانا سید محمد اصلح الحسینی گلاوٹھوی۔ فاضل دیوبند (کراچی)
۱۴۔ مولانا فضل احمد چشتی۔ فاضل دیوبند (کراچی)
۱۵۔ یوسف علی معروف لال شاہ۔ حیدر آباد (سندھ)
۱۶۔ سید محمد ضیاء الحق شاہ یوسفی جیپوری (ایڈوکیٹ)
۱۷۔ عزیز اللہ خاں صاحب بنگلوری (کراچی)

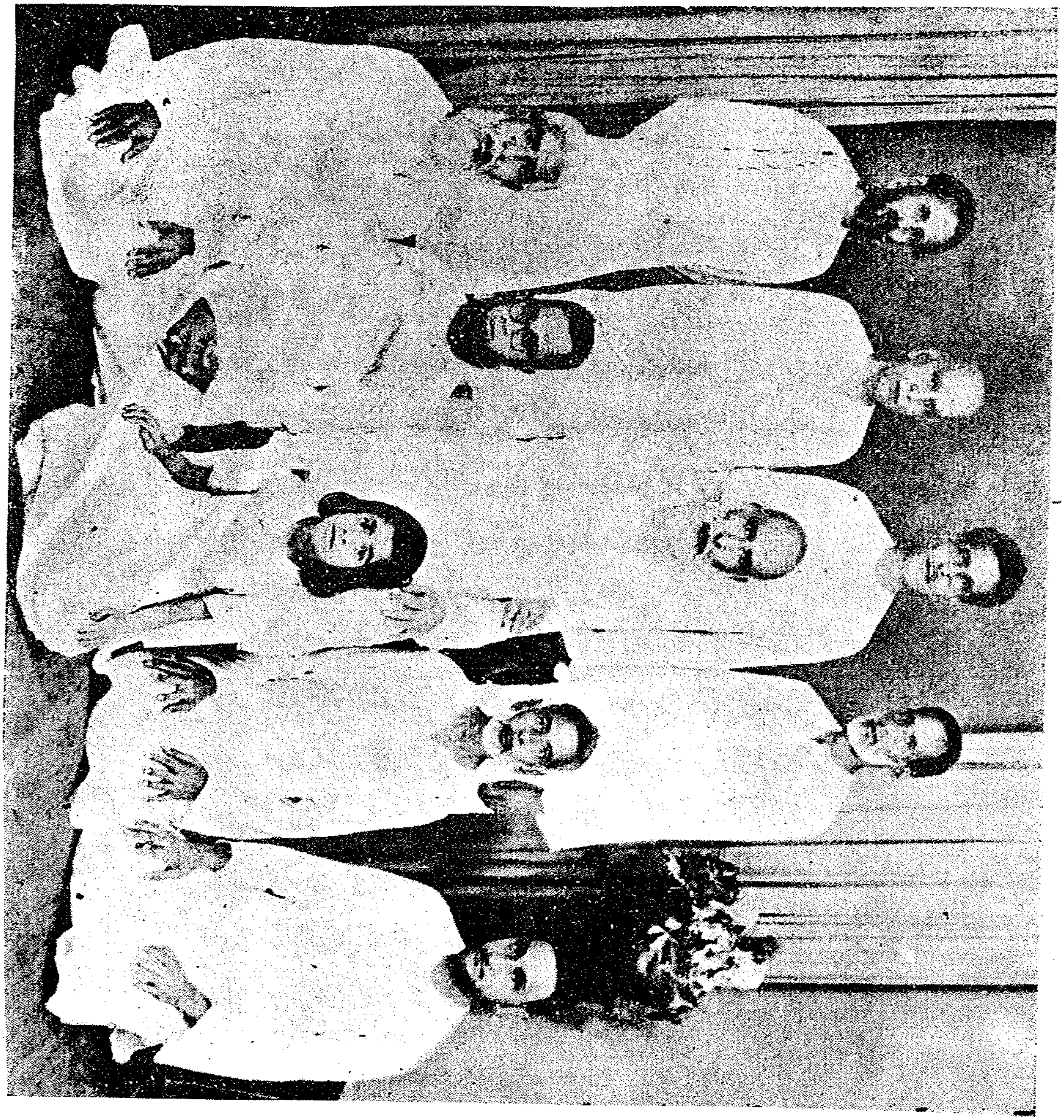

خلفاء میں سے ڈاکٹر محمد محمود احمد یوسفی تاجی رحمتہ اللہ علیہ کراچی یونیورسٹی کے کلیۂ فنون کے سربراہ اور شعبۂ فلسفہ کے صدر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اسم بامسمی تھے۔ ان کے حالات اور سوانح پر مشتمل ماہنامہ تاج کا محمود نمبر ۱۹۶۹ء میں شائع ہو چکا ہے ایام وصال سے قبل تبلیغ اسلام کے لئے یورپ کا دورہ کرتے ہوئے عمرہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے عمرے کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کے لیے جب جدہ پہنچے تو عارضۂ قلب میں مبتلا ہو گئے۔ اور اپنی حقیقت کی طرف رجوع کر گئے۔ جنت المعلیٰ مکۂ مکرمہ میں مدفون ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

۶ رجمادی الثانی کو ان کا عرس خانقاہِ عالیہ تاجیہ میں نے قائم کیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ میرا عرس کرتے مگر میں ان کا عرس کرتا ہوں۔ ان کے صاحبزادے محمد سلیمان سلمہ داخل سلسلہ عالیہ ہیں۔ میں نے ڈاکٹر محمود صاحب کی دستار برخوردار سلیمان سلمہ کے سر پر گذشتہ عرس کے موقع پر باندھ دی ہے۔ دعا ہے کہ وہ اپنے باپ کے صحیح جانشین ثابت ہوں گے۔

مولوی سید محمد ضیاء الحق شاہ یوسفی تاجی رحمتہ اللہ کے حوالے سے چند واقعات تذکرہ میں شامل ہیں۔ انہوں نے اپنی جوانی کے دن اور راتیں حضرت تاج الاولیاء کی خدمت میں گذارے تھے کامٹی والی اماں کے معتقدِ خاص تھے اس نسبت کا اثر تھا کہ آخر عمر میں انہوں نے سدا سہاگ روپ دھارن کر لیا تھا ۱۹۲۶ء میں ان سے میری ملاقات ہوئی تھی اور یہ ملاقات چند ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد محبت میں تبدیل ہو گئی۔ اور یہ محبت چند منازل سے گزرنے کے بعد عقیدت کی صورت اختیار کر گئی۔ میں نے ان کو حضرت قبلہ و کعبہ بابا یوسف شاہ تاجیؒ کی خدمتِ عالی میں پیش کیا۔ سرکارؒ نے داخل سلسلہ فرمایا۔ مریدین خاص میں ان کا شمار تھا میں جس قدر ان کی عزت کرتا تھا وہ اتنا ہی جھکتے تھے اور مجھے اپنے شیخ سے الگ خیال نہیں کرتے تھے۔ وصال سے قبل مجھ سے اجازتِ خلافت طلب کی۔ میں نے کہا کہ اس ردا ردی میں اس کی کیا ضرورت ہے؟ تو جواباً کہا کہ سندِ خلافت کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خلافت نامہ ان کو دیا گیا۔ اور وہ ان کی وصیت کے مطابق ہی ان کی لحد میں ان کے سینے پر رکھ دیا گیا۔ تاریخ وصال ہے:—

یک بار بگو اللہ دو بار ضیاء الحق

★ خلیفہ ملا سلیمان دہلی والے، میرے مخلص محبوں میں سے تھے۔ دہلی میں انتقال کیا۔ وہیں مدفون ہیں۔ (رحمتہ اللہ علیہ)

★ میں ۱۹۶۰ء میں کراچی سے اجمیر شریف کے عرس میں حاضر ہوا تھا۔ عزیزم خواجہ صلاح الدین عشقی یوسفی تاجی بھی میری آمد کی اطلاع سن کر حاضر ہوگئے تھے۔ اس موقع پر میں نے انہیں اجازت وخلافت دی۔ حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رح کی اولاد سے ہیں۔ اس لئے مجھ سے قرابت داری بھی ہے اور بچپن ہی سے مجھ سے روحانی اُنس بھی رکھتے ہیں۔

میانوالی، ملتان اور پنجاب کے مختلف صاحبانِ طریقت نے مجھ سے اجازت وخلافت طلب کی اور میں نے اجازتیں دیں۔ مگر وہ / ا اپنے اپنے سلسلے کا کام کر رہے ہیں

★ ڈاکٹر سید اشرف علی، غوث پاک کی اولاد سے ہیں۔ جامعہ کراچی میں شعبہ انگریزی کے صدر ہیں۔ شریعت وطریقت پر کاربند ہیں۔ میرے احکام کی کشادہ دلی سے تعمیل کرتے ہیں۔ اور سلسلے کی نشر واشاعت کا جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل کر رہے ہیں۔ ان سے لکھے پڑھے لوگ مستفیض ہوتے ہیں اور داخل ہوتے رہتے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں اشاعتِ سلسلہ کر رہے ہیں۔

★ " عزیز اللہ خاں میرے مرید اور خلیفہ ہیں۔ سلسلے کی توسیع واشاعت میں مصروف ہیں۔ ان سے ایک لغزش ہوئی کہ جب انھیں تبلیغ کے لئے کراچی سے باہر جانے حکم دیا گیا تو اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے۔ اس پر انہیں ندامت ہوئی جس کا اظہار انہوں نے بار ہا کیا۔ خدا انھیں معاف کرے۔ اس لغزش میں سوائے ڈاکٹر محمود رح سید ضیاء الحق شاہ وکیل رح ڈاکٹر سید علی اشرف، عزیزم اصغر علی سلمہٗ اور سید ظہور الحسنین شاہ کے باقی خلفاء شریک تھے

★ مولانا سیّد محمد اصلح الحسینی اور مولانا فضل احمد چشتی فہرست خلفاء میں شامل ہیں۔ یہ خلافت ان کو خود ان کے بیان کردہ خواب کی بناء پر دی گئی تھی جس میں انہوں نے دیکھا تھا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رونق افروز ہیں۔ مگر معاً وہ سراپا میری صورت میں بدل گیا اور میں نے وہ خرقہ جو پہن رکھا تھا، انھیں عطا کیا۔ یہ خواب بیان کرنے کے بعد انہوں نے رؤیاء کو سچ کر دکھانے کے لئے خرقہ طلب کیا۔ اسی رنگ کے خرقے انہوں نے خود تیار کرائے چنانچہ وہ انھیں دے دیئے گئے۔ یہ دونوں صاحبان مولانا حسین احمد مدنی کے مرید ہیں اور فاضل دیوبند ہیں۔

★ سید ظہور الحسنین شاہ ظاہر یوسفی سے لغزش انحراف کی حد تک ہوئی مگر الحمدللہ انہوں نے پھر رجوع کیا۔ میرے حکم سے سندھ میں تبلیغ کے لئے گئے۔ آج کل راولپنڈی میں مقیم ہیں (۲۰ مئی ۱۹۷۰ء) اور سلسلے کی اشاعت کر رہے ہیں۔

اِن محبان اور متوسلین کے علاوہ جن کی خلافت و اجازت کی نشاندھی کی جاچکی ہے، اور بھی مریدین جو سلسلہ کی ترویج اور تبلیغ کا ذوق رکھتے ہیں۔ مجھ سے خلافت طلب کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک تنبیہہ ضروری ہے کسی بھی صاحب اجازت کے حکم سے بیعت لینا طاعت اور عبادت ہے۔ لیکن اپنی ہوائے نفس سے از خود اپنے آپ کو مجاز ظاہر کرنا گناہ عظیم ہے۔ اور بڑی بدبختی ہے۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ میرے بعض پیر بھائی جن کی خلافت و اجازت میرے حضرت سے مستند نہیں ہے۔ اپنے آپ کو بابا یوسف شاہ کا خلیفہ ظاہر کر کے لوگوں سے سلسلہ عالیہ یوسفیہ تاجیہ کی بیعت لیتے ہیں۔ اور یوسفی سلسلے کا شجرہ دیتے ہیں اس طرح اس نظام کو جھٹلاتے ہیں جس کو خود میرے حضرت کی تصدیق حاصل ہے۔ یہ اپنی اور اپنے نام نہاد وابستگان کی دنیا و عاقبت خراب کرتے ہیں۔ بجائے اخوت و وحدت کے سلسلے میں منافرت پھیلاتے ہیں۔ میں ایسے سب حضرات سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ اور اس فتنہ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سد باب کرنا اپنے فرائض منصبی میں سے سمجھتا ہوں۔ لہٰذا غیر مبہم الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ سوائے ان خلفائے مجاز کے جن کی صحیح نسبتیں اس کتاب میں مذکور ہیں اور کوئی شخص سلسلۂ عالیہ یوسفیہ تاجیہ کی بیعت لینے کا مجاز نہیں۔

ایک اور افسوسناک رجحان کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ بعض غیر مستند افراد کراچی میں ایک دو مقام پر میرے حضرت بابا یوسف شاہ رح اور میرے دادا پیر حضرت بابا تاج الدین ناگپوری قدس سرہ العزیز کے اعراس کا انعقاد کرتے ہیں۔ گویا اپنے حلقے میں لوگوں میں یہ شعور پیدا کر رہے ہیں کہ نعوذ باللہ آستانۂ عالیہ کسی خصوصیت، امتیاز، با فیوض اور برکات کا حامل نہیں ہے۔ اس سے زیادہ کور باطنی اور کیا ہوگی۔

ان حالات کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ تمام خلفاء مجاز کے نام اور تفصیلات وقتاً فوقتاً آستانۂ عالیہ سے شائع کئے جائیں۔ مستند خلفاء یقیناً اپنے اپنے خلیفہ بنانے کے مجاز ہیں مگر ان کی بھی مستند فہرست آستانۂ عالیہ سے جاری ہوا کرے گی۔ تمام وابستگانِ سلسلہ کو صرف وہی شجرہ دیا جائے گا جس پر آستانۂ عالیہ کی رجسٹرڈ مہر ہوگی۔ ورنہ تو اس کا احتمال ہے کہ خود ساختہ چور دروازے سے داخل ہونے والے خلفاء انواع و اقسام کے شجرے جاری کر کے نہ صرف آستانۂ عالیہ کی مرکزیت کو معرضِ خطر میں ڈال دیں بلکہ سلسلے کی بنیادی تعلیمات میں بھی تحریف و تنسیخ کر ڈالیں

جب خلفاء اللہ کی اکثریت اللہ سے منحرف و روگرداں نظر آتی ہے تو اس فقیر ذہین شاہ کے خلفاء سے یہ توقع کہ میری ان تمناؤں کو پورا کریں گے جو سلسلے کی تبلیغ و اشاعت سے متعلق ان سے وابستہ ہیں۔ ایک امید موہوم سے زیادہ نظر نہیں آتیں۔ یہ امید موہوم بھی بار بار ختم ہوتی رہی۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ہر بغاوت کے بعد تسلیم انقیاد نے اس کی تلافی کی ہے۔ اور اس صورتِ حال نے مجھے مایوسی سے بچایا ہے۔ جن لوگوں کو میں نے خلافتیں دیں۔ ان میں سے اصغر علی خاں صاحب یوسفی بی۔ اے (علیگ)، شوکت علی خاں صاحب یوسفی چھتاروی، برکت علی خاں صاحب یوسفی چھتاروی نے تحریری طور پر اس خلافت کو واپس کیا تھا۔ مگر تذکرہ تاج الاولیاء کی گزشتہ اشاعت (طبع اول) سے پہلے انہوں نے رجوع کر لیا تھا۔ اس لئے ان کے نام فہرستِ خلفاء میں شامل کر لئے گئے تھے اور اسی تذکرہ میں اشاعت کے لئے انہوں نے میرے ساتھ ایک گروپ فوٹو بھی کھنچوایا تھا۔ جو موجودہ اشاعت (طبع دوم) میں بھی شریک کیا گیا ہے (دیکھئے صفحہ ۲۳۴)

سنہ ۱۹۶۳ء میں جب کچھ منفی قوتیں مجھے اور میرے سلسلے کو اور میری خانقاہ کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ عین اسوقت سوائے عزیزم اصغر علی خاں اور برکت علی خاں سلمہم کے باقی میرے خلفا جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، معاندین سے جا ملے تھے ـــــــ
یہ ایک نہایت طویل اور دردناک داستان ہے۔ اجمالاً یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ میرے قتل

کی سازشیں کی گئیں۔ مجھ سے وہ خانقاہ چھین لینے کی کوشش کی گئی جس کی ایک ایک اینٹ میں نے خلوص، محبت اور عقیدت سے انتہائی مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود رکھی تھی۔ نہ جانے ان لوگوں سے کس نے کہدیا تھا کہ تعمیر خانقاہ میں ہر وہ اینٹ جو میں رکھ رہا ہوں، وہ کسی دوسرے کے لئے حقیقت اور ملکیت کی بنیاد ہے۔ خانقاہ کے تالے توڑے گئے۔ محافظین کو زدوکوب کیا گیا۔ کرائے کے غنڈے لائے گئے اور اپنی دانست میں سب نے مل کر درگاہِ عالی پر قبضہ کر لیا تھا

انتظامیہ نے ان سب کو فوراً نکال باہر کیا۔ پھر فوجداری اور دیوانی مقدمات کی نوبت آئی جو خارج ہوتے رہے ہائی کورٹ سے دیوانی مقدمہ ابتدائی مرحلے میں ہی میرے موافق طے ہو گیا اور اس میں طے کیا گیا کہ میں اس خانقاہ کا سجّادہ نشین ہوں بانی اور منتظم ہوں اور خانقاہ میں جو اجتماعات فاتحہ اور اعراس کے سلسلے میں ہوتے ہیں ان کے اختیارات مجھے حاصل ہیں۔ معاندین و مخالفین ______ کے خلاف حکم امتناعی جاری کر دیا گیا۔ یہ معاملہ سپریم کورٹ میں بھی وہ لوگ لیگئے۔......

______ لیکن وہاں سے بھی ناکامی ہوئی اس ناکامی کے بعد ایکبار پھر صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھایا گیا۔ صلح ہو گئی اور ان میں جو خلفاء تھے اور مخالفین سے جا ملے تھے ______ واپس آگئے یہ سب ان کی ذہنی کیفیات اور ان کا اپنا طرزِ عمل ہے۔ جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا رہا ہے۔ چونکہ تذکرہ تاج الاولیاء ایک تاریخی حیثیت بھی رکھتا ہے اس لئے ان اظہر من الشمس واقعات کو مختصراً بیان کرنا ضروری سمجھا گیا۔ ●

دربارِ تاج الاولیاء

وصال سے ایک سال قبل حضرت قبلہ وکعبہ نے میرے ایک تاثر کے جواب میں جو آپکی شدتِ علالت سے متعلق تھا مجھ سے فرمایا تھا کہ ابھی تو ہم ہیں جب جائیں گے تو تم سے کہہ دیں گے ۔ تقریباً ایک سال بعد جب کہ آپ پر شدت مرض سے بے ہوشی طاری تھی، ڈاکٹروں کی یہ رائے تھی کہ آپ ہوش میں نہیں آئیں گے ۔ اس رائے کے پیشِ نظر آپ کی تدفین کے لئے اجمیر شریف میں غریب نوازؒ کے چلّے پر جگہ تجویز کی تھی ۔ سید محمدؐ رفیع نیازی اور مستری محمدؐ شفیع نے مجھے اپنے ساتھ لے جاکر وہ جگہ دکھائی اور مجھ سے توثیق چاہی تو میں نے ان سے کہا کہ مجھسے حضرت نے یہ فرمایا تھا کہ" ہم جائیں گے تو تم سے کہہ دیں گے "۔ چونکہ مجھ سے حضرت نے ابھی کچھ نہیں فرمایا، اس لئے میں اس سلسلے میں تصدیق و توثیق سے معذور ہوں ۔ انہوں نے اصرار کیا کہ روحانی جہت سے نہیں، بلکہ طبیّ جہت سے یہ مسئلہ درپیش ہے ۔ بغرضِ محال حضرت کا وصال ہوگیا تو بہر حال مزار کے لئے جگہ کی ضرورت ہوگی ۔ میں نے کہا اگر ایسی ضرورت پیش آئی تو یہ جگہ موزوں ہے ۔ مگر میرے یقین میں فی الحال یہ ضرورت پیش آنا ناممکن ہے ۔ اس کے بعد جو میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ بدستور استغراقی بے ہوشی میں تھے ۔ آنکھیں بند تھیں ۔ اسی عالم میں ایک ڈوبی ہوئی آواز میں فرمایا :۔

آرے (گالی دیکر فرمایا) تم میرے لئے کہاں گڑھے ڈھونڈتے پھرتے ہو، میری مٹی یہاں کی نہیں ہے ۔

میں نے فاتحانہ انداز میں ان حضرت کو دیکھا جو جائے تدفین کی تجویز پر مجھ سے تصدیق چاہتے تھے اور اُن کو بھی حیرت ہوئی ۔ اسی رات نصف شب گزرنے کے بعد جب کہ میں آہستہ آہستہ آپ کی کمر دبا رہا تھا آپ نے کروٹ لی اور دفعتہً آنکھیں کھول دیں اور معاً میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا

اب دیر نہیں ہے ——— تم پہلی ٹرین سے ———
جے پور جاؤ اور میرے بچوں کو لے آؤ اور مجھ کو کراچی لے جا کہ وہاں دفنانے ہی حکم ہے
میں جے پور سے اپنے بال بچوں کے ساتھ سید محمدؐ ضیاء الحق صاحب وکیل اور ان کے خاندان
اور شیخ محمدؐ ضیاء الحق تحصیلدار (مرحوم) اور ان کے بال بچے جن میں بیگم بی بی بھی شامل تھیں، ساتھ لیکر
پاکستان کے لئے روانہ ہو گیا۔ حضرت پہلی ٹرین سے روانہ ہو چکے تھے۔ جیکب لائنز (کراچی) میں وقار الحق
صدیقی کے کوارٹر پر قیام فرمایا۔ سامنے ایک اسکول تھا۔ اس میں ہم لوگ ٹھہرے۔ ابھی قیام کا
انتظام ہونے نہ پایا تھا کہ اسی کوارٹر میں حضرت کا وصال ہو گیا۔ علیہ الرحمۃ

تدفین کا مسئلہ سب سے پہلے ذہن میں آیا۔ سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ ہجرت بے سر و
سامانی، اور لوگوں سے ناواقفیت کے احساس میں یکایک ایک امید کی کرن نمایاں ہوئی۔
پروفیسر اے۔ بی۔ اے حلیم کے متعلق یہ معلوم تھا کہ وہ تقسیم سے پہلے ہی یہاں سندھ یونیورسٹی
میں وائس چانسلر مقرر ہو چکے ہیں۔ ان کی تلاش میں نکلا اور ان کے مکان کا پتہ چلایا۔ حضرت کے
وصال کا واقعہ بیان کیا اور مزار شریف کے لئے جگہ حاصل کرنے میں ان سے مدد چاہی۔ انہوں
نے بڑے اخلاق اور کمال ہمدردی سے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ پیر الٰہی بخش وزیر مہاجرین کے
پاس چلئے۔ بہت جلد انتظام ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ حلیم صاحب نے ٹیلی فون پر ان سے
وقت لیا اور اپنے پی۔ اے سے درخواست ٹائپ کرائی اور جلد ہی مجھے لیکر پیر الٰہی بخش کے
پاس پہونچے۔ انہوں نے براہ مہربانی میری درخواست پر یہ حکم لکھا کہ بلوچ رجمنٹ کا قبرستان
جو خالی پڑا ہوا ہے وہاں تدفین کی اجازت دی جاتی ہے۔ میونسپل کارپوریشن اپنے کاغذات
میں اس کا اندراج کرے۔ یہ درخواست کارپوریشن میں بھیجدی گئی اور حضرت کو اس منظور
شدہ جگہ پر سپرد خاک کر دیا گیا۔

دوسرے دن جب ہم فاتحہ خوانی کے لئے مزار شریف پر حاضر ہوئے تو دیکھا
کہ اس جگہ پر ایک مزار کی جگہ تین مزار بنے ہوئے ہیں معلوم ہوا کہ پنجابی سوداگران کی طرف
سے جو گورکن مقرر ہیں، انہوں نے دو مردے راتوں رات یہاں دفن کر دیئے ہیں گورکنوں
کا لیڈر صالح محمدؐ بلوچ تھا۔ ہم اس سے ملے اور کہا کہ یہ زمین تو ہم نے خانقاہ کے لئے حاصل

کی ہے۔ تم نے یہاں قبریں کیوں بنائی ہیں تو اس نے جواباً کہا کہ یہ پورا قبرستان پنجابی سوداگران کی انجمن کے قبض و تصرف میں ہے اور میں ان کی طرف سے یہاں نگراں مقرر ہوں اور مجھے اختیار ہے کہ اس قبرستان کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کروں آپ کو جو کچھ کہنا ہے وہ انجمن پنجابی سوداگران میں جاکر کہئے۔

میں نے سب سے پہلے میونسپل کارپوریشن سے رجوع کیا مگر وہاں ایسی افراتفری تھی کہ کسی کو کسی کی خبر ہی نہ تھی اور یہ پتہ چلنا محال ہوگیا کہ جو درخواست پیر الٰہی بخش صاحب نے کارپوریشن میں بھیجی تھی، وہ کہاں ہے؟۔ انجمن پنجابی سوداگران کی طرف رجوع کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ آپ کی درخواست کمیٹی کے اجلاس میں پیش ہوگی۔ پوچھا گیا کہ اجلاس کب ہوگا تو کوئی تاریخ بتائی جب اس تاریخ کے گزر جانے کے بعد پھر پوچھا گیا تو پھر کوئی تاریخ بتا دی گئی۔ کئی مہینے گذر گئے اجلاس نہ ہوا۔ اور درخواست پر غور نہ ہو سکا۔ اس زمانے میں سواری کی بڑی دقت تھی گھوڑا گاڑی، جو وکٹوریا کہلاتی تھی، بڑی مہنگی تھی۔ انجمن پنجابی سوداگران کا دفتر صدر میں تھا اور وہاں پہونچانے کا کرایہ لارنس روڈ سے کم از کم دس روپے لیا جاتا تھا۔ نہ معلوم کتنے چکر ہوئے کوئی مفید نتیجہ نکلتا اس کی بجائے برعکس نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت کے مزار کے آس پاس ہر طرف سے قبریں بنانے کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ اس طرز عمل سے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوگیا کہ میں نے یہ جو سنا ہے وہ سچ ہے کہ انجمن پنجابی سوداگران وہابی عقائد کے افراد پر مشتمل ہے اور کسی خانقاہ کی تعمیر و تاسیس کی اجازت دینا گناہ سمجھتی ہے۔ اس لئے وہ ایک طرف تو اجازت کو التوا میں ڈال رہی ہے اور دوسری طرف اپنے کارکن گورکنوں کو یہ ہدایت کر رہی ہے کہ جلد سے جلد اس زمین کو قبروں سے پُر کر دیں۔ جس کے لئے میں نے تعمیرِ خانقاہ کے لئے اُن سے اجازت طلب کی تھی۔

اب میرے لئے جدوجہد اور آئینی کارروائی میں کامیابی کے سارے امکانات ختم ہو چکے تھے۔ پیر الٰہی بخش صاحب سے بار بار رجوع کیا گیا۔ وہ کارپوریشن کو بار بار فون کرتے رہے اور مجھے وہاں بھیجتے رہے۔ جب میں وہاں جاتا تو وہ انجمن پنجابی سوداگران میں جانے کی ہدایت کر دیتے اور جب میں انجمن میں جاتا تو ہمیشہ ایک ہی جواب دیا جاتا تھا کہ ابھی کمیٹی کا اجلاس نہیں

ہوا ہے اور جب ان سے کہا جاتا کہ وہ تدفین جو ہمیں مطلوب ہے وہاں آپ برابر قبریں بنوا نے چلے جا رہے ہیں تو جواب ملتا کہ گورکنوں کو منع کر دیا جائے گا۔ یہ عجیب صورتِ حال تھی۔ جس نے مجھ کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ جو تھوڑی بہت جگہ رہ گئی ہے اس کو چہار دیواری سے محفوظ کر دوں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔

عزیزم محمدؐ مونس علی خاں یوسفی مرحوم نے شب و روز محنت کر کے چہار دیواری مکمل کی تیسرے روز گورکنوں کے سعی و سفارش سے متاثر ہو کر لینڈ منیجر خداداد نے اس چہار دیواری کو ہماری عدم موجودگی میں مسمار کرا دیا۔ اس کی شکایت کراچی کے ایڈمنسٹریٹر سے کی گئی اور وزیر اعظم لیاقت علی خاں اور ان کی کابینہ کے وزراء کو حالات سے مطلع کیا گیا۔ چہار دیواری دوبارہ بنائی گئی۔ مگر لینڈ منیجر خداداد (میونسپل کارپوریشن) اپنی ضد پر قائم تھا اور مسٹر ہاورڈ کو موقع معائنہ کے لئے درگاہ شریف لایا۔ بعد معائنہ موقع مسٹر ہاورڈ نے کہا کہ ہم اس کا فیصلہ بعد میں دیں گے۔ اپنے وکیل کو بھیج دیں کہ وہ آکر فیصلہ سن لے۔

میں تمام عمالِ حکومت کا ممنون رہوں گا کہ انہوں نے میرے برقیوں پر فوری توجہ کی اور مسٹر ہاورڈ کو لینڈ منیجر کی رپورٹ پر عملدرآمد کرنے سے روک دیا۔

کارپوریشن کی عدم مداخلت کے باوجود گورکنوں کی مداخلت جاری رہی۔ بعض اوقات دنگا فساد پر وہ آمادہ ہو جاتے تھے اور خانقاہ شریف کی تعمیر کے لئے جو سیمنٹ، اینٹیں اور دوسرا سامان جمع کیا جاتا ہے وہ راتوں رات چرا لے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی دست برد سے، فرش فروش، جاء نمازیں، گیس کی بتیاں، برتن وغیرہ کوئی شے محفوظ نہ تھی۔ بارہا چوریاں کی گئیں۔ مگر خدا کے فضل سے درگاہ شریف کے کام جاری رہے اور خانقاہِ عالیہ میں تعمیرات ہوتی رہیں۔

خانقاہِ تاجیہ کا تعمیراتی جائزہ

از سید محمد ممتاز رفیع عزیزی یوسفی تاجی

خانقاہ شریف کی تعمیرات گذشتہ بائیس برس میں جن جن مراحل سے گزری ہیں اس کی تفصیلات ہر چند کہ دلچسپ اور ایمان افروز ہیں لیکن اجمالاً اتنا عرض کردینا ضروری ہے کہ خانقاہ عالیہ کی عالی شان عمارات، زندہ کرامت ہیں۔ مادّی وسائل جہاں گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ اس خانقاہ شریف کے سارے کام ان مراحل میں بھی گردن اٹھائے اور سینہ تانے، جاری رہے وہ صبر آزما ساعتیں جہاں صبر و تحمل اور عقل و دانش اپنے پورے شباب کے ساتھ قائم ہوں تو اسے ہم خارقِ عادت اور استقامت فوق الکرامت کے علاوہ کیا کہیں گے۔ بغیر مادّی وسائل کی فراوانی کے ایسی عالی شان عمارات سینۂ ارض پر قائم ہوجائیں اور ہر ہفتے اعراس جیسی شان و شوکت کی محافل آراستہ ہوتی ہوں تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مُسَبِّبُ الْاَسْبَاب پر نظر رکھنے والوں کے کام مادّی وسائل کے فقدان سے نہیں رکا کرتے۔ آج سے تیرہ چودہ برس پہلے جو عمارات فقیرانہ بے سروسامانی کا شاہکار تھیں آج بے سروسامانوں کی شاہانہ شانِ درویشی کی آیاتِ محکم نظر آتی ہیں۔ فقیری میں شاہانہ تزک و احتشام، ادنیٰ کرشمۂ ولایت ہے۔

ع قدم زندہ پڑیں جس خاک پر وہ زندہ ہوجائے

جس زمین پر دن میں بھی تاریکیاں چھائی رہتی تھیں اسی زمین سے آج روشنیوں کے فوارے جاری ہیں، جہاں ویرانی نوحہ خواں رہتی تھی وہاں آبادی رقصِ مستانہ کر رہی ہے، جہاں وحشتیں کھنڈی ہوئی تھیں، وہاں رونقیں برس رہی ہیں۔

میرے سرکار کا جو قبۂ مبارک عارضی بنیاد پر بنا ہوا تھا آج اتنی گہرائی سے اس کی بنیاد اٹھائی گئی ہے کہ مٹی اور پانی کی سطح سے گزر کر پتھروں کی سطح نکل آئی تھی۔ یہ قبۂ مبارک اپنی بلندی میں

تمام اولیاء اللہ کے مزارات کے قبّوں سے بلند تر ہے۔ درگاہ کے صدر دروازے اور سڑک کے درمیان جو زمین اُفتادہ تھی اس میں بلند دروازہ اور جدید تعمیرات ہوئی ہیں۔

بلند دروازہ بھی سہ منزلہ ہے اور اس کی ہر منزل پر ایک بہت بڑا ہال ہے یہ سجادہ نشین صاحب اور ان کے متوسلین کے لئے دارالاقامت ہے۔

ادارۂ تعلیم و ثقافتِ اسلامیہ کے ماتحت دارالعلوم تاجیہ ۱۹۶۱ء میں بہت ہی اعلیٰ سامانِ تعمیر سے بن چکا تھا لیکن ۱۹۶۸ء میں اُسے جانبِ شمال اور جانبِ مغرب اور بڑھایا گیا، اب وہ سہ چند ہو گیا ہے اس میں اوپر نیچے لائبریری ہال بھی ہیں۔

خانقاہ شریف میں ہر جمعرات کو محفلِ سماع آراستہ ہوتی ہے۔ ہر سال عاشورۂ محرم کی مجلس ہوتی ہے، بارہ وفات شریف کی محفلِ میلاد منعقد ہوتی ہے، ۲۱ رمضان المبارک کو جنابِ مولا علی علیہ السلام کا عرس ہوتا ہے۔ شبِ قدر کی محفل سجتی ہے، نمازِ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ اور محفلِ سماع کا اہتمام ہوتا ہے۔ عیدالاضحیٰ کی چاندرات سے سرکارِ عالی مرشدی سیّدنا حضرت غوث محمد بابا یوسف شاہ تاجی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کا عرس مبارک شروع ہو کر تین شبانہ روز جاری رہتا ہے۔ ۴ محرم الحرام سے حضرت بابا تاج الدین ناگپوری علیہ الرحمۃ کا عرس شروع ہو کر ۶ محرم الحرام تک جاری رہتا ہے۔ ان تمام تقاریب میں مردوں کے ساتھ خواتین بھی بکثرت شریک ہوتی ہیں۔ دارالعلوم کی نئی تعمیر میں جو لائبریری ہال دو منزلہ ہیں دورانِ عرس تقاریب میں عورتوں کی نشست و برخاست کے کام آتے ہیں۔

نئے قبۂ مبارک کی تعمیر میں اس امر کو بھی ملحوظ رکھا گیا کہ سرکارؒ کا مزارِ اقدس جو درگاہِ عالی کی سطح سے نیچا تھا اُسے سطحِ درگاہ سے پوری ایک منزل اوپر اٹھا دیا گیا ہے اور زائرین کو حجرے شریف میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے جو دقّت ہوتی تھی وہ کشادگی میں بدل گئی ہے۔

خانقاہ شریف کی چہار دیواری میں بلند دروازے سے داخل ہوں تو سب سے پہلے داہنی جانب مسجد آتی ہے اور آگے بڑھیں تو داہنی طرف دارالعلوم تاجیہ شروع ہو جاتا ہے، اب آپ کے سامنے صحنِ خانقاہ میں ایک سفید بارہ دری آجائے گی، اس میں پہلی قبر حضرت قبلہ سجادہ نشین بابا ذہین شاہ کی اہلیہ محترمہ راحت النساء بیگم کی ہے، جن کا وصال ۱۹۶۸ء میں ہوا۔

۱۴ رجب کو ان کا عرس آستانہ پر ہوتا ہے ۔ اسی بارہ دری میں دوسری قبر حضرت سجادہ نشین صاحب کی والدہ مکرمہ و معظمہ کی ہے، ۱۰ محرم کو ان کا عرس ہوتا ہے، اس بارہ دری سے دائیں طرف مڑیں تو سماع خانہ کا پہلا پلیٹ فارم آجاتا ہے اور بائیں طرف کو بڑھیں تو بارہ دری سے پیوست تین مزار کے چبوترے نظر آتے ہیں۔ پہلا مزار بھائی مونس علی خانصاحب یوسفی تاجی کا، دوسرا مزار برادر گرامی حضرت خلیفہ حضرت رشید احمدؒ خانصاحب کا اور تیسرا مزار برادرم جمشید احمد خاں یوسفی تاجی علیہم الرحمۃ کا ہے ۔ ان مزارات کے سرہانے بارہ دری سے ملا ہوا مزار بیگم صاحبہ ریاست جونا گڑھ کا ہے، ان کے برابر والا مزار سرکار یوسف الاولیاء کے خادم قدیم حضرت قبلہ بھائی منیر خانصاحب علیہ الرحمۃ کا ہے۔

یہیں سے سرکار کے قبۂ مبارک کے سامنے والے صحن کے لئے سیڑھیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ لیکن سیڑھیوں پر جانے سے قبل آپ اگر مونس بھیاؒ وغیرہمؒ کے مزاروں سے اور آگے جانب مغرب چلیں تو ایک پُر رونق مزار اور نظر آتا ہے۔ یہ چندا آپا ہیں حضرت سجادہ نشین صاحب کی دوسری اہلیہ، یعنی چاند بی بی مرحومہ نے راقم الحروف کو اپنا بھائی بنایا ہوا تھا اور بہن کے پیار سے مجھے ہمیشہ نوازتی تھیں۔ اور میرے تمام متعلقین سے اپنے گھرانے والوں کی طرح محبت کرتی تھیں، چندا آپاؒ کے پائنتی سے ایک حجرہ شروع ہوتا ہے۔ سرکار کے پائیں اس میں عزیز اللہ شاہ اور شیخ محمد توفیق (سابق میئر میونسپل کارپوریشن کراچی) مدفون ہیں، ان مزارات کی دیکھ بھال اور ہر تعمیر کے موقع پر ان کی درستگی وغیرہ کا اہتمام بھی سجادہ نشین صاحب قبلہ ہی کرتے تھے ۔ اس حجرے کے سرہانے اور سرکار کی خلوت گاہ کے پائنتی، کے درمیان جو جگہ ہے اور چندا آپا کے سرہانے جو جگہ ہے اس میں حضرت سجادہ نشین صاحب کے صاحبزادے نعیم اور نعیم ثانی مدفون ہیں، دو صاحبزادیاں نعیمہ اور سلیمہ قدسیہ مدفون ہیں آپ کی صاحبزادی عائشہ بی بی کا بچہ اور صاحبزادگان محمد امین محمد معین کے بچے یہاں مدفون ہیں۔

آپ کی دوسری صاحبزادی سلیمہ بی بی کے دو بچے یہاں مدفون ہیں ڈاکٹر محمد محمود احمد صاحب کا نومولود بچہ یہاں محو خواب ہے ۔ خانقاہِ عالیہ کا صحن، عمارتیں اور دوسرے حصے، دونوں اعراس کی مبارک و مسعود تقاریب کے مواقع پر کثرت زائرین اور مہمانوں کی وجہ سے، کم پڑنے لگے ہیں، اس لئے

خانقاہ شریف کی توسیعِ مزید کے لئے حضرت سجادہ نشین صاحب کی جد وجہد جاری ہے، یہ ایک مجیر العقول پراجیکٹ ہے اور انشاء اللہ الکریم پورا ہو کر رہے گا۔

حدودِ خانقاہ کے پائیں، دروازے سے ملحق قاضیٔ شہر حضرت قاضی محبوب شاہ صاحبؒ کی قبر مخفی تعمیراتِ جدید اور بلند دروازے کی بائیں جانب والی سیڑھیوں کی سہ منزلہ تعمیر کے ساتھ ہی قاضی صاحب کے مزارِ مبارک کو بھی حضرت سجادہ نشین صاحب نے پختہ بنوا کر اس پر ایک چھتری بھی تعمیر کرادی ہے۔

خانقاہِ عالیہ کے بلند دروازے کے کنارے شروع ہی کے حصے میں کچھ مزارات ہیں انہی میں برادرِ گرامی حضرت قبلہ مولوی سید محمد ضیاء الحق شاہ صاحب چودھری ایڈوکیٹؒ بھی آسودہ ہیں اور ان کے قریب ہی حضرت کی بہن اور بھتیجیوں کے مزارات ہیں۔ ان کے مزارات کی دیکھ بھال بھی درگاہِ عالی کے خدّام کرتے ہیں۔

خانقاہِ عالیہ تاجیہ میں جو جو تعمیرات ہوتی رہیں، حضرت سجادہ نشین صاحب قبلہ انہی مواقع پر قطعات تاریخ بھی فرماتے رہے، ان میں بہت سے قطعات ضائع ہوگئے، لیکن جو دستیاب ہوسکے وہ میں پیش کئے دے رہا ہوں۔

منظہرِ کل اولین و آخرین، فخر العشاق والموحدین، سیدنا وسندنا، غوثنا، غیاثنا، مغیثنا مرشدنا حضرت غوث محمد بابا یوسف شاہ تاجی قدس اللہ سرہ العزیز کے لئے مندرجہ ذیل مادہ ہائے تاریخ برآمد کئے گئے۔

اَللّٰہُ عَضَادُہٗ وَاحِدٌ	(۱۳۶۶ ہجری)
تربتِ مظفر برایزد	(۱۳۶۶ ہجری)
صاحبِ کرامت، چشمہ نور	(۱۳۶۶ ہجری)

چراغِ کعبۂ اجلال (۱۳۶۶ ہجری)

نورِ دربارِ چشت (۱۳۶۶ ہجری)

تاج نہ بہشت (۱۳۶۶ ہجری)

سعادتِ دوجہاں، پیر و مرشد (۱۳۶۶ ہجری)

حق آگاہ مولانا عبدالکریم المعروف (۱۹۴۸ عیسوی)

سید محمد بابا یوسف شاہ تاجی ہادی راہ

نور اللہ تعالیٰ قبرہٗ (۱۳۶۶ ہجری)

تاریخ وصال پاک بابا ارذالحجۃ سنہ تیرہ سو چھیاسٹھ (۱۳۶۶ ہجری)

کتبہ ذہین نوشت (۱۹۴۸ عیسوی)

تاریخ رحلت برخوردار نعیم کہ در خانقاہ تاجیہ بسپردم بخاک منودم

زجنت آمد و رفتہ بجنت
نعیم از شیوۂ نو مرگ نوزاد
درخشیدہ چو برقی و روئے بنہفت
مزارش از عذارش یاد ماناد
بخاکِ خانقاہ تاجیہ خفت
مگر در چشمِ من بیدار اُفتاد
ذہین از خندۂ شمع مزارش
بخوان یاد چراغ کشتہ باد

۱۹۵۱ء

تاریخ ولادت و وفات قرۃ العین سلیمہ قدسیہ

سلیمہ قرۃ العین آمد بشارت

۱۹۵۴ء

پس از سہ ماہ شد قدسیہ رخصت
۱۹۵۴ء

تاریخ رحلت نعیم ثانی

وزید در چمن وصل ہمچو موج نسیم
شب فراق بدار النعیم رفت نعیم
۱۹۵۶ء

طفلِ من حکایاتِ پیری و جوانی گفت
بر زباں نمی آید آنچہ بے زبانی گفت
سالِ انتقال اوا ے ذہن می جستم
ہاتفم رضائے یار با نعیم ثانی گفت
۱۹۵۶ء

تاریخ انتقال رفیقۂ حیات ممتاز النساء المعروف چاند بی بی کہ بتاریخ ۷ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ، ۱۹۵۷ء رحلت نمود بخاکِ پاکِ خانقاہ ناجیہ متصل جگر پارہ صابش دفن نمودم

یارِ من ہر لحظہ می آید لب ما نازِ عجب
ہر تجلی راست عنوانِ عجب، شانِ عجب
از قبائے گل رخاں، جلوہ نمائے رنگ وبو،
می دمد ہر لحظہ در جانم گلستانِ عجب
چاند بی بی رخ نہفت اندر زمیں گفتم ذہین
میہمانِ خاک تیرہ ماہِ تابانِ عجب

۱۹۵۷ء

تاریخ رحلت والدۂ محترمہ کہ رابعۂ ثانی اسم با مسمی تاریخ ۶ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ ۹ جون ۱۹۶۳ء راہی ملک بقا شدند
در خانقاہ تاجیہ دفن نمودم

بی بی پاک رابعہ خاتون
از جہان گشت راہی جنت
سال رحلت ذہین می جستم
گفت ہاتف "غریقۂ رحمت" (۱۹۶۳ء)
۱۹۶۳ء

خانقاہ عالیہ تاجیہ کی چہار دیواری کی آخری بار تعمیر کے موقع پر مندرجہ ذیل تاریخ تحریر کی گئی

چار دیواری کنواں تعمیر شد
بعد ازیں ہم خانقاہ تاجیہ
بہر جہد للبقاء روح ما
سعی پیہم خانقاہ تاجیہ
سنگ بنیادش نہادم چوں ذہین
شد مقدم خانقاہ تاجیہ
بہر تاریخ بنایش گفتہ ام
جان عالم خانقاہ تاجیہ
۱۳۷۱ھ

موجودہ بلند دروازے کی تعمیر سے قبل خانقاہ تاجیہ کا صدر دروازہ جب تعمیر ہوا تو مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ ارشاد فرمایا!

ہست باب ملک اعظم خانقاہ تاجیہ
گوشۂ عزلت بعالم خانقاہ تاجیہ
درس گاہ علم آدم خانقاہ تاجیہ
سجدہ گاہ قدسیاں ہم خانقاہ تاجیہ

سنگ بنیادش نہادم، سال پرسیدم ذہین
گفت ہاتف:۔ جانِ عالم خانقاہ تاجیہ

۱۳۷۱ھ

خانقاہِ عالیہ تاجیہ میں دارالعلوم تاجیہ کی تعمیر کے موقع پر قطعۂ تاریخ مندرجۂ ذیل کہا گیا:۔

چشم بکشا و نگر دارالعلوم تاجیہ
مرکزِ علم و ہنر دارالعلوم تاجیہ
بہرِ تاریخ بنایش گفت چوں ہاتف ذہین
گفتہ ام:۔ اوجِ نظر دارالعلوم تاجیہ

۱۹۶۱ء

در عالمِ شباب عزیزم جمشید احمد خاں یوسفی، بحقیقتِ خود رجوع کرد، بخانقاہ عالیہ تاجیہ دفن نمودم و تاریخِ وفاتش گفتم۔ از لوحِ مزارش نقل کردہ شد (ذہین)

زندگی خواب است و دنیا در مثال
واقعہ آید نظر خواب و خیال
آہ آں جمشید احمد یوسفی
خوش عقیدت، خوش طریقت، خوش خصال
بلبلِ بستانِ تاج الاولیاء
نعت خوانِ مصطفےٰ شیریں مقال
پنجشنبہ، پنج دہ شعبان بود
بعدِ نصف اللیل کرد آں انتقال
سالِ رحلت گو ذہین از روئے وصل
کلُّ شیءٍ ھالکٌ اِلّا ذوالجلال

۱۳۷۵ھ

لوٹے خورشید برج سلطنت (۱۹۵۶ء)
بیدل جمشید تخت کر یا (۱۹۵۶ء)
بحشر تختے نوا لذبہ (۱۳۷۵ھ)
انہ طوبلے غلام مصطفیٰ (۱۳۷۵ھ)

برادرم خلیفہ خورشید احمد خان یوسفی ناجی؟ بعمر طبعی بحقیقت خود رجوع کردند (ذھینؔ)
مونس اولیاء خورشید احمدؒ
سالِ وصال است۔
۱۳۷۷ھ

بخانقاہ ناجیہ سپرد مغزوم۔ قطعات عدیدہ گفتہ بودم۔ ضایع شدند — از آں ہا، یکے این است کہ محفوظ ماندہ:۔

سلامت از عنایت برد ایماں (۱۳۷۷ھ)
خدایا شکر ازیں دنیائے جیفہ (۱۳۷۷ھ)
زہے خورشید احمد خاں لک (۱۹۵۷ء)
زراہ و رسم منزلہا خلیفہ (۱۳۷۷ھ)

خانقاہ شریف میں ایک جگہ مسجد کے لئے بھی شروع میں مخصوص کر دی گئی تھی اور اسے سایہ دار کر دیا گیا تھا۔ پھر اس فرش اور دیواروں کو پختہ کرکے اس پر ٹین کی چادروں کی چھت ڈال دی گئی۔ لیکن خانقاہ عالیہ میں جب بڑے پیمانے پر تعمیرات شروع ہوئیں تو مسجد کو از سرِ نو پختہ کیا گیا، اور آج الحمد للہ یہ مسجد پوری زیب و زینت کے ساتھ نمازیوں سے آباد رہتی ہے۔ تکمیلِ تعمیر کے وقت جو قطعۂ تاریخ ارشاد ہوا، اسے ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:۔

از برائے اہلِ دل رسمِ خوش بپا کردم
من بخاک میخانہ مسجدے بنا کردم
کردہ ام، ذھینؔ آنچہ، ہیچ کس نخواہد کرد
طاقِ ابروئے جاناں، خانۂ خدا کردم

۱۹۵۹ء

خانقاہ عالیہ ناجیہ میں سرکار یوسف الاولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار اقدس کے قبۂ مبارک کی از سر نو تعمیر کا قطعۂ تاریخ درج ذیل ہے ۔

خدا جلوہ نما ایں جا محمدؐ جلوہ گر ایں جا
بنا کردم مزارِ مظہر خیر البشر ایں جا

ہمی بیند جمال خویشتن صاحب نظر ایں جا
کمالِ حسنِ یوسفؒ آمدہ آئینہ گر ایں جا

نمی بینم سوائے خویشتن چیزے دگر ایں جا
منم خود آب و گِل، خود کوزہ و خود کوزہ گر ایں جا

بہارِ گلشنِ انوار آمد جانِ پیرِ من
ز خاکِ آستانش می دمد شمس و قمر ایں جا

اگر صاحبدلی از قلبِ خشت و سنگ دریابی
ودیعت کردہ ام سرمایۂ قلب و نظر ایں جا

اگر دیدہ وری از قدسیاں کے کم ادب آئی
جبیں دل بنہ ایں جا بیا از چشم و سر ایں جا

ذہین از سالِ تعمیرش چو پرسیدیم از ہاتف
بگفتا ۔ خوابگاہِ شاہ یوسفؒ پاکؒ ایں جا

۱۳۸۹ھ

بارگاہ تاج اولیاء میں

علامہ اقبال کی عقیدت

السیّد عبدالواحد
ایم - اے (آکسن)

حضور تاج الاولیاء سید محمد بابا تاج الدین ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ سے علامہ اقبال کو کس قدر عقیدت تھی اس کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو انہوں نے مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنت حیدر آباد دکن کو لکھے ہیں۔ ان خطوط کے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد سے علامہ کو بیحد محبت تھی یہ محبت ہر غرض سے بالا تر تھی جیسا کہ ان خطوط میں جابجا علامہ نے تحریر کیا ہے وہ محبت بربنائے اخلاص تھی اسی طرح مہاراجہ بھی علامہ کو اپنا مخلص دوست سمجھتے تھے اور ان سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ قادر محی الدین زورؔ نے ان خطوط کو شائع کیا ہے۔ جو طرفین نے ایک دوسرے کو لکھے تھے ان خطوط میں حضور بابا تاج الدین ناگپوری کا جابجا ذکر ہے

مہاراجہ سرکشن پرشاد اپنے منصب سے علیحدہ ہو گئے۔ جب بھی علامہ انکا دم بدستور بھرتے رہے بلکہ اس زمانہ میں محبت و اخلاص کے جذبات میں شدت آگئی۔ سابق نظام دکن کے انتقال کے بعد مہاراجہ کو اپنے منصب سے سبکدوش ہو کر فقراء کی طرف متوجہ ہونیکا موقع ملا۔ خواجہ غریب نوازؒ کے آستانے پر حاضری کمال عقیدت سے دیتے رہے خواجہؒ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ قیام اجمیر کے بعد واپس جاتے ہیں۔ پھر اجمیر واپس آنے کا شوق دامنگیر ہوتا ہے۔

عقیدت کو غرضمندی سے پاک ہونا چاہیئے۔ مگر اس کے باوجود انسان جس سے محبت کرتا ہے اس سے اپنا حال بھی کہتا ہے۔ مصیبت بھی بیان کرتا ہے۔ اس سے التجا کرتا ہے، مدد طلب کرتا ہے یہی حال مہاراجہ کا تھا۔ آستانۂ خواجہ پر جبیں سائی الحاح و زاری مدعا طلبی جاری تھی۔

خواجہ معین الدین تورے واری

کوئی کسیکا ہے کوئی کسیکا میں تو کہاتی ہوں خواجہ تمہاری
شاؔد کو تم ہی جتاؤ تو جیتے جتن کرکے سب میں ہاری

علامہ اپنے دوست مہاراجہ کی کیفیات سے باخبر تھے اور ان کو مایوسی سے بچانا چاہتے تھے خیر خواہی اور ہمدردی کا تقاضا تھا کہ مہاراجہ ناکامی اور مایوسی کی منزل سے نکلیں اور سرور و کامرانی سے ہمکنار ہوں۔

علامہ کی نظر میں باباتاج الدین، کا کیا مقام تھا اس کا اندازہ آپکی تحریروں سے ہوتا ہے۔ کتنی بڑی بات ہے کہ علامہ نے مہاراجہ کی درخواست دربار تاج الاولیاء میں گذاری اور اس کے بعد انھیں لکھا کہ اس پر جو کام ہوگا۔ وہ براہ راست آپکو ملے گا۔ مہاراجہ نے جواب میں جو کچھ لکھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عروس کامرانی کے طالب ہیں اسلئے ان کا مطلب اپنے منصب پر بحال ہونے کے سوا کچھ نہ تھا اور یہ بھی کہ معاندین ان کے خلاف جو ریشہ دوانیاں کررہے ہیں ان کے شر سے محفوظ رہیں۔

بحمد للّٰہ علامہ کی یہ خیر خواہی کہ مہاراجہ کو باباصاحب کی طرف متوجہ کیا خود علامہ اقبال کی روحانی منزلت اور صحت عقیدت کی مظہر تھی آخر کار مہاراجہ منصب پر بحال ہوگئے اور باباصاحب کے معتقدین میں شامل ہوگئے۔ اس تمہید کے بعد آپ مکتوبات کی تلخیص ملاحظہ کیجئے۔

اپنے پہلے مکتوب مورخہ ۱۱ راکتوبر ۱۹۲۲ء میں مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھتے ہیں کہ " خاکسار نے جو پیغام مولانا شاہ تاج الدین صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا اس کا جواب سرکار والا کی خدمت میں پہلے پہلے پہونچے گا۔ دمخلص محمد اقبال از ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ حوالہ کتاب "شاد اقبال" صفحہ نمبر ۱۱۷۔

جس کے جواب میں مہاراجہ سرکشن پرشاد شاؔد نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۸ راکتوبر ۱۹۲۲ء علامہ اقبال کو تحریر فرمایا کہ۔

" آپ جو لکھتے ہیں کہ جو پیغام حضرت شاہ تاج الدین صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا اس کا جواب فقیر شاد کو پہنچیگا۔ مگر کب تک پہنچتا ہے اس کا انتظار ہے " اسی خط میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ " تاج الدین بابا کا حکم اور پیشین گوئی کیا ایسی ہی ہوسکتی ہے کہ جس کا ظہور نہ ہو " فقیر شاؔد صفحہ نمبر ۱۲۰۔

علامہ محمد اقبال اپنے دوسرے مکتوب مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں مہاراجہ شاد کو تحریر فرماتے ہیں۔

"دو رات پھر ایک پیغام حضرت تاج الدین کی خدمت بابرکت میں بھیجا گیا ہے۔ (اقبال)

جس کے جواب میں مہاراجہ شاد اپنے مکتوب یکم نومبر ۱۹۲۲ء رقم طراز ہیں کہ

"آج ایک خط باباجمال الدین صاحب کا دیہ صاحب باباتاج الدین کے مرید خاص سنے جاتے ہیں) دربار تاج اولیا سے فقیر کو وصول ہوا۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو بلاؤ لہذا تم بدیدن خط ہذا حاضر دربار ہونے کی تیاری کرو۔ (شاد، صفحہ نمبر ۱۲۲)

اسی طرح علامہ اقبال اپنے تیسرے مکتوب میں مہاراجہ سرکشن پرشاد کو ۱۱ نومبر ۱۹۲۲ء کو لکھتے ہیں

"باباتاج الدین کے پیغام سے میری مراد معشوق کامرانی کا خیال ہے جب سرکار کو یہ پیغام موصول ہو تو دربار تاج میں تشریف لے جاتے فی الحال سرکار والا کا تامل بالکل بجا ہے۔ اور جو کچھ سرکار نے جمال صاحب کو لکھا ہے مناسب ہے۔ میں نے جو عرض کیا تھا کہ باباتاج کا پیغام مجھے پہلے سرکار کی خدمت میں اسی سے مراد ہے۔ (مخلص محمد اقبال، صفحہ نمبر ۱۲۳)

مہاراجہ شاد ۱۹ نومبر کو علامہ اقبال کو لکھتے ہیں کہ

"جس روز تاج الملت والدین کے حکم کے مطابق آپکو خط لکھا۔ اسی روز یا شاید اس کے دوسرے روز باباجمال الدین صاحب ناگپور سے یہاں آئے انہوں نے بھی وہی کہا جو آپکو خط میں لکھا ہے اور وہی جواب دیا گیا ہے کہ اگر حضرت کو فقیر شاد کیلئے حکم حضوری ہے تو باطنی کشش کی ضرورت ہے ورنہ ظاہری احکام پر پیش گاہ خسروی میں رخصت کی درخواست پیش کرنا اور وہاں سے رخصت کی منظوری ہونا نہ ہونا اور پھر اس رخصت طلبی پر خیالات کا طوفان اٹھنا یہ ایک محال اور خلاف مصلحت ہے دو تین روز باباجمال الدین صاحب یہاں مہمان رہ کر واپس گئے اور یہ کہکر گئے ہیں کہ وہاں پہنچتے ہی احکام حاضری جاری کر دونگا۔

بہ بینم کہ تا کردگار جہاں ٭ درین آشکارا چہ دارد نہاں

پیارے اقبال حضرت تاج الملت والدین تو جب باطنی جذبات سے کام لیں گے۔ اسی وقت انکی قدمبوسی حاصل ہو سکتی مگر میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپکی ملاقات تو ظاہری کشش پر منحصر ہے جب آپ اپنے

جذبات ظاہر سے کام نہیں لیتے یعنی نہ یہاں آتے ہو نہ مجھے بلاتے ہو تو حضرت بابا صاحب بے نیاز حاکم باطن ہیں پہلے آپ تو اپنی ظاہری کشش صادق سے کام لیں (فقیر شاد صفحہ نمبر ۱۲۳)

"مہاراجہ اپنے ایک خط میں مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۲۳ء علامہ اقبال کو تحریر فرماتے ہیں۔

در آپ تو حضرت تاج الاولیاء بابا تاج الدین صاحب کی خدمت میں ٹیلیفون بھیجتے ہی رہے اس کے جواب باصواب کا آغاز کرتے ہی رہے یہاں تک کہ اس کے نتیجے کا بھی مجھے بھیجنے کے ساتھ انتظار رہا اور ہے مگر نہیں۔ میں نے غلطی کی ٹیلیفون کا جواب وہ خطاب سر، دربار تاج سے ملا اور جب سر کا خطاب ملا ہے تو تاج بھی ملے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

میرے منتظم پیشی سید صادق حسین غبار جو رخصت لے کر اس طرف گئے تھے، چونکہ ناگپور راستہ میں تھا وہاں بھی گئے اور پندرہ سولہ روز تک وہاں رہے۔ بابا صاحب کے دربار کے جو واقعات انہوں نے بیان کئے وہ حیرت افزا ہیں وہ بیان کرتے تھے کہ چوبیس گھنٹے میں ایک منٹ کے لئے بھی ایسا نہیں جس میں بابا صاحب تنہا ہوں سواری کے وقت سینکڑوں عورت و مرد کا ہجوم سواری کے گرد ہوتا ہے غبار صاحب نے وہاں پہنچنے کا مجھے ایک تار دیا۔ جس کا جواب انکو دیا گیا۔ اس میں بابا صاحب کو آداب عرض کیا تھا۔ انہوں نے وہ تار بابا صاحب کو دیا۔ جواب میں فرمایا کہ وہ بارہ بجے ایک صحرا میں وہی تار ایک آم کے ہرے بھرے درخت پر تین بار لگا کر ایک تنکے سے اسپر کچھ لکھا اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہا۔ اس کے بعد لال ٹوپی پہن کر آؤ، کئی روز تک کہا بہر حال مثل اس کے اور بھی واقعات ہیں جن کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو انوار و اسرار بزرگان سے واقف ہیں۔ غبار صاحب کہتے تھے کہ پہلے دن پہلی دفعہ جب سامنا ہوا تو اول تو دور ہی سے ڈانٹ بتائی۔ یہ وہاں سے ہٹ کر دوسری طرف سے آئے تو دیکھتے ہی انکی طرف دیکھکر کہا "پہلے تو گدی پر بٹھا دیا۔ اب چنیتا ہے، چلاتا ہے۔ بکتا ہے

(مخلص شاد صفحہ نمبر ۱۳۷)

شاد صاحب اپنے محبت نامہ ۲۴ مارچ ۱۹۲۳ء میں علامہ اقبال کو لکھتے ہیں در پچھلے خط میں نے غبار صاحب منتظم پیشی کے ناگپور جاتے اور بابا تاج الدین سے ملنے کی کیفیت درج کی تھی وہ خط آپکو ملا ہوگا۔ فقیر شاد کے لئے باعث شادکامی ہوگا۔ اگر اس خط کے امور و نکات و اسرار کا آپ انکشاف فرمائیں گے۔ رمضان کے بعد تاج الاولیاء نے فقیر کو اپنی حضوری میں بلانے کا اشارہ کیا ہے

واللہ اعلم کیا ظہور میں آنیوالا ہے بعد رمضان انشاء اللہ سفر دسلیتہ الظفر کا مصمم ارادہ ہے پروگرام میں پہلا مقام ناگپور اس کے بعد کہیں اور کا ارادہ ہے۔ صفحہ ۱۰۴۔

اس بارے میں وہ علامہ اقبال صاحب کو مورخہ ۱۴ مئی ۱۹۲۳ء میں لکھتے ہیں۔

"میرے منتظم پیشی سید صادق حسین غبار ناگپور گئے تھے۔ حضرت تاج الاولیاء بابا تاج الدین سے خواہش دعا کی تو فرماتے ہیں وہ آنکھ اچھی ہے۔ خواجہ پرشاد دھرم راجہ ہیں اس کے ساتھ ہوں وہ میرے ساتھ ہے وغیرہ۔ صفحہ نمبر ۱۲۶

راجہ کرشن کے صاحب زادہ خواجہ پرشاد کی آنکھ میں چوٹ آگئی تھی یعنی بصارت آپکا کام نہیں کرتی تھی اور نہ ہی کوئی چیز نظر آتی تھی علاج معالجہ میں ہر ممکن کوشش کی گئی مگر آنکھ کی وہی کیفیت تھی بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی طرف رجوع ہوئے۔

سرتاج اولیا بابا تاج الدینؒ

خاکپائے صوفیائے کرام سید عبدالواحد جاروب کش
آستانہ عالیہ دارالخیر اجمیر

مجھ کو حضرت تاج الملت والدین بابا تاج الدین صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں پہلی بار حاضری کا موقعہ اگست ۱۹۲۳ء میں ملا ان دنوں حسن اتفاق سے ہم چند مسلم افسر ناگپور میں جمع ہو گئے تھے اور ہم سب کی رائے ہوئی کہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے چنانچہ خواجہ محمد حسین صاحب جو اس وقت اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ناگپور تھے اور محمد عثمان صاحب خٹک جو غلام سابق، وزیر پاکستان کے بھائی تھے اور میں حضرت بابا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت کا قیام بھونسلہ راجہ کے محل میں تھا۔ جب ہم محل میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ سرکار والا محل کے اندرونی حصے میں تشریف لے جا چکے ہیں۔ خادم نے عرض کیا کہ اب بابا صاحب آرام فرما رہے ہیں۔ اور ملاقات کی کوئی امید نہیں ہے۔ جب حضرت بابا صاحب اندر محل کے چلے جاتے تھے تو مہارانیاں اور راجہ کی لڑکیاں سرکار کے پاؤں دبایا کرتی تھیں۔ خادم کا حکم سن کر ہم لوگوں پر یاس کا عالم طاری ہوا۔ میں نے دروازے پر کھڑے ہو کر با آواز بلند کہا

"بابا میں اجمیر شریف سے حاضر ہوا ہوں اور آپ کے دروازے پر بڑی امیدیں لے کر آیا ہوں۔"

یہ کہنا تھا کہ سرکار باہر تشریف لے اور فرمایا:۔

"ارے بابا تو اجمیر شریف سے آیا ہے ہم کو بھی جو کچھ ملا ہے وہاں ہی سے ملا ہے۔" پھر مجھ کو حکم ہوا کہ بیٹھ پاؤں دبا۔ میں عرض نہیں کر سکتا ہوں کہ جب پاؤں دبانے کا حکم ملا اور جب اس ذات گرامی کے پاؤں میں نے چھوئے تو میں روحانی انبساط کے کس اوج پر تھا۔ اس کے بعد میں نے اور میرے ساتھیوں نے حضرت بابا صاحب سے اپنی اپنی تکالیف

کا ذکر کیا۔ سرکارِ والا نے ہر شخص کو مناسب جواب دیا۔ مگر مجھ کو فخر ہے کہ وہاں جتنے بھی لوگ جمع تھے ان میں سے حضور نے پاؤں دبانے کی عزت اس خادم آستانہ عالیہ دارالخیر اجمیر ہی کو عطا کی۔ یہ زمانہ ناگپور میں ایسا تھا کہ ہر شخص کی زبان پر حضرت بابا صاحب کی کرامات کا ذکر تھا۔ خواہ وہ شخص ہندو ہو۔ عیسائی ہو یا مسلمان ہو۔ اکثر فرنگی اصحاب بھی خدمت میں مرادیں لیکر حاضر ہوتے تھے اور بامرام واپس جاتے تھے۔ حضرت کا ایک عاشق انعام الرحیم اسسٹنٹ کمشنر تھا۔ یہ صاحب اس وقت ناگپور سے باہر رہتے تھے۔ مگر جب سرکاری کام سے ناگپور آتے تھے تو اپنا بیشتر وقت سرکار کی خدمت میں گذارتے تھے۔

جس طرف سے حضرت بابا صاحب کی سواری نکل جاتی تو ایک ہجوم ساتھ ہو جاتا تھا۔ اور یہ واقف اسرار معرفت ہر طرف ضیا باری سے ایک خلقت کو فیض پہنچاتا تھا۔ بعض لوگ ناگپور میں ایسے بھی ملے جو مدت تک ناگپور میں مقیم رہے مگر قدم بوسی نصیب نہ ہوئی۔ اس عاصی پر معاصی کا خیال تھا کہ جو لوگ دربار میں حاضر ہوتے تھے حضرت بابا صاحب انکے جذبۂ اخلاص و محبت سے بخوبی واقف ہوتے

تھے۔ چونکہ بعض زائرین سے سرکار نے یہ بھی فرمایا کہ:۔

"ارے میاں اتنی مدت سے تمہارا انتظار تھا۔ آنے میں بڑی دیر لگائی"

اسی زمانہ میں جو لوگ بعض مشکلات کی وجہ سے حاضر خدمت نہ ہو سکتے تھے وہ اپنا پیغام وکیل کے ذریعے پہنچا دیتے تھے۔ مثلاً اکثر بیگم صاحبہ بھوپال کا وکیل بیش بہا تحائف لیکر حاضر خدمت ہوتا تھا۔ حضرت بابا صاحب تحائف تو حاضرین میں لٹا دیتے تھے۔ اور اکثر دیکھا گیا کہ زائر سے پیغام سنے بغیر ہی مناسب جواب دے دیتے تھے۔

صوفی منش مہاراجہ کشن پرشاد تو ہر بڑا کام شروع کرنے سے پہلے سرکار سے ہدایات حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی طرح حکیم الامت ڈاکٹر سر محمد اقبال حضرت بابا صاحب کی خدمت والا میں اکثر پیغام بھیجتے رہتے تھے۔ چنانچہ ۲۹ اکتوبر ۲۲ء کے ایک خط میں جو مہاراجہ کشن پرشاد کے نام ہے علامہ تحریر فرماتے ہیں۔

"ذات پھر ایک اور پیغام حضرت تاج کی خدمت میں بھیجا گیا ہے" جو عقیدت علامہ مرحوم کو حضرت بابا صاحب کی ذات گرامی

سے تھی۔ وہ ان کے خطوط سے ظاہر ہے۔

مہاراجہ کشن پرشاد کے منتظم منشی ناگپور گئے اور حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی بابت مہاراجہ بہادر علامہ کو یوں لکھتے ہیں۔

"غبار صاحب نے وہاں پہنچنے کا مجھے ایک تار دیا جس کا جواب ان کو دیا گیا۔ اس میں بابا صاحب کو آداب عرض کیا تھا۔ انہوں نے وہ تار بابا صاحب کو دیا۔ جواب میں فرمایا کہ بارہ بجے اس کا جواب دوں گا۔ تار اپنے پاس رکھ لیا۔ دوسرے روز بارہ بجے ایک صحرا میں وہی تار ایک آم کے ہرے بھرے درخت پر تین بار لگا کر ایک تنکے سے اس پر کچھ لکھا اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہا۔ (یہ آواز فتح ونصرت کی آواز ہے)

الغرض حضرت محی الملت والدین کی ذات گرامی میں ایک معرفت کا سرچشمہ تھا۔ جس سے ہزاروں لوگ روز فیضیاب ہوتے تھے جہاں تک راقم الحروف کی معلومات ہیں علامہ اقبال مرحوم باوجود اپنی عقیدت کے کبھی حاضر خدمت نہ ہو سکے۔ مگر وہ ہمیشہ حضرت بابا صاحب کے دربار میں پیغام بھیجتے تھے اور حضرت سے روحانی امداد کے طالب ہوتے تھے۔ چنانچہ ۱۱ر نومبر سنہ ۲۲ء کے ایک خط میں علامہ نے مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھا۔

"باباتاج کے پیغام سے میری مراد معشوق کا مرانی کا خیال ہے۔ جب سرکار کو یہ پیغام موصول ہو تو دربار تاج میں تشریف لے جائیے۔"

حضرت بابا صاحب قبلہ کی کراماتوں سے ناگپور میں تو ہر کہ ومہ واقف تھا۔ ہزاروں آدمی وہاں مسلم اور غیر مسلم ایسے تھے جنہوں نے ان کرامات کا ذاتی مشاہدہ کیا تھا۔ برصغیر ہند و پاک میں بھی بیشمار لوگ حضرت کی کراماتوں سے واقف تھے۔ لہٰذا ان کراماتوں کا ذکر یہاں سورج کو چراغ دکھانے مترادف ہوگا۔ یہ عرض کرنا کافی ہوگا کہ حضرت بابا صاحب عطائی رسول اور جانشین پیغمبر دنیا کے لئے ایک رحمت تھے۔ جن کو خداوند کریم انسانوں کی رہبری کے لئے گاہے گاہے اپنے کرم سے بھیجتا رہتا ہے۔

سیرِ ناگپور

(اُردو کا پہلا رپورتاژ)

* ...... محسنین سرودی

اُمرائے حیدر آباد میں مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر ایک صاحب علم وفن کی حیثیت سے نمایاں شخصیت کے حامل تھے۔ شعر وسخن کی سرگرمیوں کے علاوہ تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی جاری تھا۔ آپ نے ایک عرصہ تک حیدر آباد دکن میں بحیثیت وزیر اعظم کے فرائض انجام دیئے۔

مہاراجہ شادؔ نظم ونثر کی تقریباً تمام اصناف پر قادر تھے اور ان کی تحریروں اور شعری تخلیقات میں تنوع کے ساتھ ساتھ روانی، برجستگی اور تازگی بھی پائی جاتی ہے۔ یوں تو ان کی مختلف النوع تصانیف میں لطف وجاذبیت کی کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن میرے نزدیک ان کے سفرنامے جو روزنامچے کے ڈھب پر لکھے گئے ہیں ایک خاص کشش رکھتے ہیں۔

اُردو میں سفرناموں کی کافی تعداد پائی جاتی ہے۔ بعض سفرناموں کو بڑی اہمیت بھی حاصل ہے، لیکن مہاراجہ کشن پرشاد کے سفرنامے بھی اس قابل ہیں کہ وہ اردو کے معیاری سفرناموں میں جگہ پا سکیں۔ مہاراجہ کے سفرنامے تاریخ کے ایک خاص ماحول کی سیر کراتے ہیں اور ساتھ ہی معلومات کا خزانہ بھی ہیں۔ یہی وہ سفرنامے ہیں جن کے ذریعہ ہم مہاراجہ شادؔ کے عقائد اور ان کے صلح کل مشرب

سے واقف ہوتے ہیں۔ ان کی شان و شوکت، امارت و وزارت کا دبدبہ، اور ان کی عجز و انکساری کی جھلکیاں شاید ان کی اور تصانیف کے مقابلے میں ان کے سفرناموں میں زیادہ نمایاں ہیں۔ مہاراجہ بہادر کی انسان دوستی، نیک نفسی اور بلند حوصلگی کا مشاہدہ ان سفرناموں اور روزنامچوں میں بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

کشن پرشاد بہادر کو سیر و سیاحت کا بیحد شوق تھا۔ جیسا کہ سیر و سفر، سیر پنجاب وغیرہ کے دیباچوں میں انھوں نے وضاحت کی ہے وہ "سفر وسیلۃ الظفر" کے مقولے پر عقیدہ رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ رُوحانی اور مادی ترقیوں کا بہترین ذریعہ سیاحت ہے۔

سفر کے تاثرات کو ضبط تحریر میں لانے کا شوق مہاراجہ شادؔ کو اس وقت سے ہوا جب کہ مختار الملک نواب سالار جنگ اول کے فرزند دوم نواب منیر الملک نے اوٹی کمنڈ کے سفر کا روزنامچہ لکھکر اس وقت کے مشہور علمی و ادبی مجلے "حسن" میں چھپوایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مہاراجہ کشن پرشاد سن شعور کو پہنچ چکے تھے اور ہم عمر امیرزادوں اور مصاحبوں کی معیت میں اپنے نانا نریندر بہادر کے جاگیری مواضعات میں سیر و شکار کو جانے لگے تھے۔ انھیں بھی نواب منیر الملک کی طرح کسی سفر کی روداد لکھکر چھپوانے کا شوق ہوا۔ چنانچہ ایک بار ماہ جمادی الثانی ۱۳۰۵ھ (مطابق ۱۸۸۷ء) میں نانا کے جاگیری موضع منگل پلی دو ہفتے کے لئے چند مصاحبوں کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا تو اس سفر کی روداد لکھی جو "سیر و شکار" کے عنوان سے رسالہ "حسن" کے شمارہ جولائی ۱۸۹۰ء میں چھپی۔ اس وقت مہاراجہ کی عمر ۲۳ سال تھی۔ میرا خیال ہے کہ مہاراجہ کا یہ پہلا سفرنامہ ہے جو طبع ہوا۔

سر کشن پرشاد نے حیدرآباد اور بیرون حیدرآباد کے مختلف مقامات کے متعدد سفر کئے جیسا کہ ان کی عادت تھی ہر سفر کی روداد قلم بند کرتے تھے۔ بحیثیت وزیر اعظم حیدرآباد بھی انھوں نے کئی سرکاری دورے کئے۔ ان کی روداد بھی اپنے مخصوص انداز میں تحریر کی اس طرح اگر شمار کیا جائے تو ان کے سفرناموں اور روزنامچوں کی بہت بڑی تعداد

ہوجاتی ہے۔ اس میں جو سفرنامے زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئے محققین ان کی تعداد گیارہ بتاتے ہیں لیکن میری تحقیق کے مطابق بارہ ہیں۔

سرکشن پرشاد کے مطبوعہ سفرناموں میں "سیرِ ناگپور" ایک مختصر سا سفرنامہ ہے یہ مضمون اسی سے متعلق ہے۔ اس سفر کی غرض و غایت خود مہاراجہ کی اس تمہیدی عبارت میں موجود ہے۔

"تین مہینے ہوئے میرے عزیز باتمیز سید معین الدین خاں بنیرہ سردار عبدالحق دلیر الملک مرحوم نے مجھ سے بر سبیلِ تذکرہ کہا تھا کہ ناگپور کے پرے واگی اسٹیشن کے قریب ایک بزرگ تاج الدین شاہ ولی کے نام سے مشہور ہیں نہایت کامل اور مستجاب الدعوات ہیں۔ ان کی رطب اللسانی کا تخم میرے دل میں بویا گیا اور شوق و ذوقِ دید درشن کی آبیاری سے اس کی پرورش شروع ہوئی۔ کم سنی سے مجھے بزرگوں کے ساتھ بلا قید ملت و مذہب ایک خاص قسم کی عقیدت ہے۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ میری گھٹی میں عقیدت کا پٹ پڑا ہے اگرچہ انھیں دنوں میں طائرِ ارادہ کو تحریک ہوئی کہ چل کر درشن کر لوں لیکن کُلّ امرٍ مَرھُونٌ بِاَوْقَاتِھا کے سبب پر پرواز شکستہ تھے۔ اس لئے یہ بات اور ارادہ رفت و گزشت ہو گیا۔ دنیا عالم اسباب ہے، کسی سبب کا پیدا ہونا ضروری تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا تیسرا لڑکا عثمان پرشاد عدم بروزِ دنداں کے باعث علیل ہو گیا تھا۔ اس میں طوالت پیدا ہوئی اور بخار لازمی ہو گیا۔ ایک سو اور ایک سو دو کے درمیان میں اس کا اُتار چڑھاؤ ہوتا تھا۔ ڈاکٹر اور یونانی اطباء نے عدم بروزِ دنداں اس بخار کا باعث بتلایا اور وید نے صفرا اور بلغم کا اجتماع اس کا سبب ٹھہرایا۔ الغرض ایک مہینے تک ڈاکٹر ارسطو یار جنگ عبدالحسین جو افضل گنج ہسپتال کے

سرجن اور نہایت مشہور اور ذی لیاقت ڈاکٹر ہیں، بشرکت، ڈاکٹر محمد حسین معالج رہے۔ اگرچہ اسہال میں افاقہ ہوا، لیکن بخار نے بدستور اپنی عملداری کو قائم رکھا۔ مجبوراً حکیم میر احمد علی صاحب کا علاج شروع کرایا۔ اسی اثنا میں میرے دوست حاذق الملک بہادر حکیم اجمل خاں صاحب دہلوی راجہ رائے رایان متوفی۔ جو اس وقت عارضۂ دق کے فزیشن تھے، اُن کے معالجے کے لئے آئے تھے میں نے بھی اپنے لڑکے کو دکھایا۔ بشرکت حکیم میر احمد علی صاحب نسخہ تجویز کیا اور روزانہ ایک وقت آکر دیکھتے رہے یہ سلسلہ تقریباً ہفتہ عشرہ رہا۔ جب کہ یہ مرحلہ بھی طے ہوگیا تو بالاتفاق سب کی رائے ہوئی کہ تبدیلِ مقام کیا جائے۔ اگرچہ میں نے بھی اس کو ضروری خیال کیا مگر مشکل یہ تھی کہ میری تیسری دختر کی شادی مہاراجہ کشمیر کے معتمد لالہ مہرچند کے فرزند سے قرار پائی تھی اور مہینہ جمادی الاخریٰ (مطابق مئی عیسوی) مقرر ہوگیا تھا، اس لئے زیادہ تشویش ہوئی کہ اس کو کس طرح پورا کروں۔ بالآخر بعد میں مشورہ قرار پایا کہ فی الحال وقار آباد جہاں کی آب و ہوا اچھی سمجھی جاتی ہے اور حیدرآباد سے ریل میں صرف دو گھنٹے کا راستہ ہے وہاں چلا جاؤں، چنانچہ میں فوراً حضور سے دو ہفتے کی رخصت حاصل کر کے صرف بچّہ اور اس کی ہمشیرہ جو دو سال کی ہے اور اس کی والدہ کو لیکر وقار آباد گیا"

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ وقار آباد میں دو روز تک بچّے کا مزاج کسی قدر درست رہا اور بخار میں بھی کمی ہوئی لیکن اتفاق سے ایک شب سرد ہوا چلی اور بارش بھی ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن بچّے کو نزلے کا انصباب ہوا اور کھانسی شروع ہوگئی اور بخار بھی بڑھ گیا۔ چار و ناچار حیدرآباد واپس ہوکر کمن گھٹ کے قریب اپنے باغ

عثمان منزل میں فروکش ہوئے۔ لیکن عثمان پرشاد روبصحت نہ ہوئے۔ اس عرصہ میں لاہور سے دولہا کی برات آگئی۔ لہذا مہاراجہ کو عثمان منزل سے اپنے گھر آنا پڑا۔ یہاں آنے کے بعد بچے کے مرض میں شدت ہوئی۔ اسی پریشانی کے عالم میں ۷ر تاریخ کو منگنی کی رسم ادا کرکے نہایت اضطراب اور بے چینی میں حضرت شاؔد نے یہ مناجات لکھی ؎

مبتلائے رنج ہستم یا خدا فریاد رس — عبد ناشاد توام رحمے نما فریاد رس

آب غم از سر گذشت و تاب صبر اصلا نماند — از برائے مصطفیٰ و مرتضیٰ یاد رس

نور چشم را بحفظ خود بدار از چشم زخم — ہست در تپ مبتلا اے کبریا فریاد رس

نعمت صحت عطا فرماش با عمر طویل — ایہا الشافی بدہ او را شفا فریاد رس

از طفیل چار دہ معصوم و اسم اعظمت
شاد را دل شاد کن اے کبریا فریاد رس

لیکن اسی شب دو بجے بچے کا مزاج اعتدال سے تجاوز کرگیا۔ دوسرے دن صبح کو اور بھی حالت بگڑ گئی جس کے باعث مہاراجہ بہت پریشان ہوگئے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ اپنے پیارے کی حالت یہاں رہ کر دیکھوں۔ فوراً ریل کے سیلون کا انتظام کرکے میں نے اپنے والد ماجد کو لکھدیا کہ فی الحال شادی ملتوی کردی جائے۔ ہفتہ عشرہ کے لئے میں بغرض تبدیل آب وہوا جاتا ہوں، ورنہ میری صحت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ ۸ر تاریخ روز پنجشنبہ وقت مغرب سب کو خدا حافظ کہکر گھر سے بحالت اضطرار روانہ ہوا اور برخوردار کی والدہ سے کہہ دیا کہ خدا پر نظر رکھکر دعا کرتی رہیں۔ انشاء اللہ جب بخار میں کمی شروع ہوگی اس وقت واپس ہوں گا۔ اپنے ساتھ دو مصاحب، ایک منصب دار مرزا احمد بیگ، دوسرے راجہ چندر پرشاد اور چند خدمت گاروں کو لیکر ریل میں سوار ہوا"

چلتے وقت بعض احباب کا مشورہ ہوا جب سفر پر روانہ ہو ہی رہے ہیں تو بہتر ہے کہ بیک کرشمہ دو کار ناگپور کی طرف جاکر حضرت تاج الدین بابا کے بھی درشن کرلیں۔ یہ بات مہاراجہ کے دل کو لگی اور وہ ناگپور کی سمت روانہ ہوئے اور تمام رات بیداری اور اختر شماری میں گزری۔

اس موقع پر حضرت شاد ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ جس وقت وہ وقار آباد سے واپس ہوئے تھے انھوں نے مرزا احمد بیگ منصب دار کو اس وقت کی ایک مشہور مجذوبہ زہرہ بی صاحبہ کے پاس بھیجا اور تاکید کی کہ جاکر وہ صرف سلام پہنچا دیں اور نذر پیش کریں اور وہ جو جواب دیں اس سے آگاہ کریں۔ چنانچہ مرزا احمد بیگ گئے۔ نذر پیش کرکے مہاراجہ کا سلام پہنچایا۔ جس کا جواب مجذوبہ نے یہ دیا کہ "وہاں جاکر آؤ سب کچھ ہوگا۔ اس وقت اس فقرے کی تاویل و تعبیر کسی کے ذہن میں نہ آئی۔ اور یہ بات رفت و گزشت ہوگئی۔ جب ریل میں بر سبیل تذکرہ اس جملے کی طرف مرزا احمد بیگ نے توجہ دلائی تو یہ عقدہ کھلا کہ زہرہ بی صاحبہ نے دراصل حضرت تاج الدین بابا کی خدمت میں حاضر ہونے کا اشارہ کیا تھا۔ اس خصوص میں کشن پرشاد اپنے خاص صوفیانہ انداز میں تحریر کرتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور اس کی وحدت کا ثبوت ہم کو ہر وقت اور ہر آن ملتا ہے مگر غفلت کا پردہ عقل پر ایسا پڑا ہوا ہے کہ ہم محسوس نہیں کرتے۔ دنیوی تعلقات اور اس کی نیرنگیوں کے تماشوں کو ماسوا اللہ کی شان میں دیکھ دیکھ کر اپنی اوقات کو خراب کرتے ہیں۔ ورنہ اگر بغور تمام اور بنظر تعمق دیکھا جائے تو اس کی وحدت ہی کا یہ سارا تماشا ہے کہ ادھر زہرہ بی نے جانے کی خبر دی اور اس کے اسباب بظاہر ایسے جمع ہوئے کہ ناگزیر سیر و تفریح کا قصد مصمم ہوا اور یار و احباب کے مشورے سے تاج الدین شاہ کی ملاقات کا عزم بالجزم ہوگیا۔ کیا خوب بابا نانک شاہ

صاحب توحید کے ثبوت میں فرماتے ہیں ؎

آپے کیا کرایا آپے کرنے جوگ
نانک ایکو رم رہیا دوجا ہوا نہ ہوگ

اور یہی ایمان کا چراغ ہے جس کو روشن ضمیر گور میں بھی چراغ تہہ داماں کی طرح محفوظ لے جاتے ہیں اور نجاتِ ابدی اور سرورِ دائمی حاصل کرتے ہیں خدائے تعالیٰ شاد کو بھی بامُراد کرے۔ آمین۔ اور ان برگزیدگان رب العزت کے طفیل سے دربارِ حقیقی کے درباریوں کا کفش بردار بنا دے کہ اسی حیلے سے دربار گہر بارِ وحدت تک رسائی ہو جائے۔ تمام شب کچھ باتوں میں اور کچھ نیند میں گزری۔ اِدھر شمع کو کوچ کا پروانہ ملا۔ اُدھر خورشید خاور نے تمام عالم پُر نور کا کافور بکھیر دیا اور ساری دُنیا اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوئی۔ میں نے اپنے افکار و توہمات اور تخیلات کو اس سفر کا زادِ راہ بنایا تھا۔ بستر سے اُٹھتے ہی دریافت کیا کہ کوئی تار گھر سے آیا کہ نہیں۔ جواب نفی میں ملا۔ طبیعت اور زیادہ بے چین ہوئی۔ الغرض قریب ۱۲ بجے کے منماڑ اسٹیشن پر پہنچا۔"

جس وقت نظام اسٹیٹ ریلوے کی گاڑی منماڑ پہنچی مہاراجہ شاد نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ ہمارا سیلون بھساول جانے والی ریل کے ساتھ لگا دیا جائے۔ غرض پون گھنٹہ گذارنے کے بعد گاڑی بھساول کی طرف روانہ ہوئی۔ دوسرے دن دس تاریخ روز شنبہ پانچ بجے شام ناگپور پہنچے۔ ناگپور پہنچنے سے قبل گاڑی میں مہاراجہ کے مصاحب رام چندر پرشاد نے حقائق و معرفت کے متعلق بابا نانک صاحب اور کبیر داس جی کے کچھ اشلوک پڑھے اور مہاراجہ سے استشارہ چاہا۔ اور یہ سوال بھی کیا کہ توحید کے معنی تو ایک ہی ہیں مگر بعض نے پوشیدہ رکھا ہے اور بعض محققین نے بصراحت بیان کیا ہے اور اکثر کنایتہً

بمصداق گفتہ آید در حدیثِ دیگراں کے پابند رہے اس کی کیا وجہ ہے۔ اس وقت مہاراجہ شاد کو مولانا غوث علی شاہ قلندر کا ایک مقولہ یاد آیا۔ اس مقولے کو نقل کرنے کے بعد حضرت شاد فرماتے ہیں۔

"ہر کس و ناکس معرفت و توحید کے مسائل میں گفتگو نہیں کر سکتا اور نہ ہر شخص اس کے سننے کے قابل ہو سکتا ہے۔ اس لئے تُکَلِّمُوا النَّاسَ عَلیٰ قَدرِ عُقُولِہِمْ کو کام میں لانا مناسب ہے"۔

ناگپور پہنچنے پر معلوم کہ حضرت تاج الدین بابا راجہ رگھو بھوسلے کے مکان میں دو مہینے سے فروکش ہیں اور راجہ صاحب نے نہایت عقیدت سے ان کو اپنے گھر کی دولت بنا رکھا ہے، مغرب کا وقت قریب تھا اور راجہ صاحب کے مکان پر بے تعارف جانا مناسب بھی نہیں تھا، اس لئے مہاراجہ کشن پرشاد نے مرزا احمد بیگ کو شاہ صاحب کی خدمت میں روانہ کیا اور کہا کہ اُن کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دینا اور حالات سے واقفیت حاصل کر کے آنا۔ چنانچہ مرزا احمد بیگ گئے، بابا صاحب اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ موقع دیکھکر مرزا صاحب نے مہاراجہ کا سلام پہنچایا، جس کا تاج الدین بابا نے جواب دیا۔

"چراغ رکھکر چراغ کی فکر کرنا ہے۔ کہہ دے گھر کو چلا جائے"

مہاراجہ بہادر نے یہ روداد سُن کر اپنے حق میں نیک تفاول سمجھا۔ پھر اس بات سے انھیں کچھ فکر بھی ہوئی کہ شاہ صاحب مجذوب اور طبیعت کے تیز ہیں، نہیں معلوم ان کے اس جملے کا کیا مطلب ہے۔

مہاراجہ نے حضور نظام کو اس مضمون کا تار دیا کہ حضرت تاج الدین بابا کی زیارت کو ناگپور آیا ہوں۔ وہ چند ماہ سے راجہ رگھو بھوسلے کے مہمان ہیں، چونکہ مجھے ان سے ملاقات کرنی ضروری ہے اور آپ کی ایما کے بغیر راجہ کے مکان کو نہیں جا سکتا۔ اس لئے اطلاعاً عرض

ہے کہ ایک بار مجھے راجہ کے مکان جانا پڑے گا۔

اس دوران میں رامچندر پرشاد نے اطلاع دی کہ ناگپور کے باشندے ڈاکٹر گدرے کی خواہش ہے کہ جب تک آپ کا قیام ناگپور میں ہے ان کی میزبانی قبول کریں۔ مہاراجہ نے ان کا شکریہ ادا کر کے معذرت چاہی۔ اس لئے کہ انھیں ناگپور میں صرف ایک دن قیام کرنا تھا۔ اس کے علاوہ وہ یکایک حیدرآباد سے چل پڑے تھے، حضور نظام کو بھی اطلاع نہ دے سکے تھے اور ان کی اجازت کے بغیر بیرونِ ملک کے کسی بھی شخص کی میزبانی قبول نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اسٹیشن پر اپنے سیلون ہی میں رات گزاری۔

دوسرے دن صبح گھر سے تار آیا کہ شب کو بچے کی حالت زیادہ خراب تھی۔ اس دوران میں ایک شخص عبدالعزیز نامی مہاراجہ سے ملنے آئے، انھوں نے کہا کہ راجہ (بھوسلے) کو آپ سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ شاہ صاحب سے ملاقات کے لئے ان کے توسط سے کام لیا جائے۔ اس پر مہاراجہ شاد نے غور کیا تو خیال ہوا کہ ایسی بے تُکی بات شاید راجہ نے نہ کہی ہوگی، اس لئے کہ وہ نوجوان اور تعلیم یافتہ ہیں، اگر راجہ نے یہ بات فی الواقع کہی ہوگی تو اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"میں تو فقیر کی ملاقات کے لئے ناگپور آیا نہ کہ راجہ صاحب کی ملاقات کے لئے اگر اتفاق سے فقیر راجہ کے مکان میں ہے بھی تو وہ مکان اس درویش یا مہاتما کے رہنے تک دربارِ عام سمجھا جائے گا۔ درویش سے ملنے کیلئے خاص مکین کا ذریعہ یا استصواب شاید کہیں کا دستور ہو مگر ہمارے دکن کی ریاست کا دستور نہیں، چنانچہ اکثر میرے گھر میں ایسا اتفاق ہوا ہے کہ بعض درویش اور مہاتماؤں نے دنوں تک میرے گھر میں آسن جمایا اور صدہا چھوٹے بڑے جاگیردار اور امراء آتے تھے اور ملتے تھے، مگر کبھی میں نے اس امر کی خواہش نہیں کی کہ شاہ صاحب میرے مہمان ہیں اس لئے درشنی اور طالب

دیدار آئیں تو پہلے میرے پاس درشنی ہنڈی چکا کر پھر شاہ صاحب کے درشن سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور بخشیں۔ اگر راجہ کا یہ خیال ہو کہ شاہ صاحب کے چیلے سے میں ان کا مہمان ہوں تو تہذیب اور اخلاق کا قانون مجبور کرتا ہے کہ وہ پہلے مہمان کی دید کریں، بعدہ، مہمان ان کی بازدید ادا کرے۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ میں نے ان کو صرف یہ جواب دیا کہ میں شاہ صاحب سے ملاقات کے لئے آیا ہوں، چونکہ راجہ صاحب سے تعارف نہیں اس لئے میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں سواری اور گاڑی کے لئے انھیں تکلیف دوں۔ جس وقت مجھے فرصت ہوگی میں عام زائرین کے ساتھ شاہ صاحب کی دید سے مستفیض ہوں گا۔

اس کے بعد تار برقی کے جواب لکھے اور مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔ راجندر پرشاد کو حکم دیا کہ وہ میر صاحب کے ساتھ جاکر راجہ سے مل لیں۔ تھوڑی دیر بعد راجندر پرشاد واپس آئے اور کہا کہ راجہ صاحب پوجا پاٹ میں مصروف تھے۔ اس لئے ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ البتہ انھوں نے یہ کہلوایا ہے کہ چھ سات بجے کے قریب شاہ صاحب سے ملنے کا وقت مناسب ہے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد پلیٹ فارم کے روبرو کا خوشنما منظر واٹر کلر میں پینٹ کرتے بیٹھے تھے کہ ایک نوجوان کا سیلون کے سامنے سے گزر ہوا، وہ مہاراجہ کو مصوری میں مشغول دیکھ کر سیلون کے قریب آنے لگا، جس پر گارڈ نے روکا لیکن مہاراجہ نے اس کو قریب بلا لیا۔ اس کا نام پوچھ کر دریافت کیا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ "حضور نظام مرحوم کے آپ مدار المہام چندو لعل کے نواسے ہیں، یہ سُن کر درشن کے لئے آیا ہوں۔" مہاراجہ نے اس نوجوان کا شکریہ ادا کیا۔ پھر اس نے درخواست کی کہ میں پینٹنگ جانتا ہوں اگر کوئی جگہ ہو تو مجھے ملازم رکھ لیا جائے۔ مہاراجہ نے جواب دیا کہ اس وقت کوئی جگہ خالی نہیں ہے اور آئندہ کے لئے بھی وعدہ نہیں کر سکتا۔ یہ جواب پاکر نوجوان

رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد دو افغانی آئے انھوں نے سلام کے بعد ملازمت کی درخواست کی، ان کے جانے کے بعد مہاراجہ نے رامچندر پرشاد سے کہا کہ آج کسی طرح مجذوب صاحب (یعنی تاج الدین بابا) کے درشن سے فیض حاصل کرنا چاہیئے، لہذا کوئی موٹر خواہ کرائے کی ہو تلاش کرو۔

تھوڑی کوشش کے بعد موٹر مل گئی، چار بجے لباس تبدیل کر کے اپنے دو مصاحبوں کو ساتھ لے کر ہوا خوری کے لئے نکلے۔ مہاراجہ لکھتے ہیں کہ "جہاں تک گیا اور دیکھا ناگپور کی بستی کو خوشنما پایا۔ سڑکیں سینۂ بے کینہ کی طرح صاف۔ اس کے دورویہ گھنے درخت، مسافر، اور رہ گزر پر سایہ ڈالتے ہیں، مکانات کی سجل باقاعدہ قطار۔ راستے وسیع۔"

چلتے چلتے راجہ کے اس باغ تک پہنچے جہاں شاہ صاحب مقیم تھے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب موجود ہیں، مہاراجہ شاد فوراً موٹر سے اُتر کر اندر داخل ہوئے۔ مہاراجہ لکھتے ہیں:-

"دیکھتا کیا ہوں کہ زائرین کا تانتا بندھا ہوا ہے اور منتظر فضلِ باری ہیں اور مجذوب کے مظہر کو اپنا قاضی الحاجات سمجھ کر امید کا دامن پھیلائے ہوئے ہیں اور مظہر ذات نامتناہی عبودیت کے خلعت سے مزیّن ہو کر مجذوب کی تصویر بن کر ہر ایک کے درد کی دوا کرنے میں اپنی مسیحائی دکھا رہا ہے۔ جلّ جلالہٗ، جلّ شانہٗ۔ اس وقت شاہ صاحب دوسری طرف متوجہ تھے۔ میرے پسِ پشت جا کر کھڑے ہوتے ہی چونک کر فوراً میری طرف دیکھ کر نظر ملائی۔ بقول شخصے ؎

نین چھپائے نہ چھپیں پٹ گھونگھٹ کے اوٹ
چتر نار اور سورما کریں لاکھ میں چوٹ

نظر کا ملنا تھا کہ میرے قلب پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی جس کا اظہار قلم سے ممکن نہیں۔ درحقیقت ان کی نسبت نہایت قوی اور نظر میں برقی قوت تھی۔ میں نے کبھی

ان کی دید سے آنکھ نہیں چرائی۔ دس منٹ یا اس سے کچھ زائد عرصہ گزرا ہوگا۔ بقول شخصے ؎

دید تو مغز است باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

اس دیدبازی کے مزے خوب ملے، اس کے بعد شاہ صاحب نے کہا کہ "شرارتیں کرتے ہو، جاؤ سیدھے گھر جاؤ"۔ میں سلام کرکے واپس ہوا۔ اگرچہ بعض کا خیال ہوا کہ میں ان سے کچھ کہوں، مگر ان کی زبردست نسبت مجھے ہر طرح سے مطمئن کردیا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ ؎

آئینے کی مثال مرا سارا حال ہے
پنہاں ہے بات کونسی روشن ضمیر سے

جب تھوڑی دور تک میں چلا تو میرے پیچھے ہی آئے اور ایک مائی صاحبہ بیٹھی تھیں ان سے چوڑی لی اور مجھے دیکر کہا "لو، بس اب تو جاؤ گے"۔ میں نے چوڑی لی اور اس کا تفادل بھی نیک خیال میں آیا۔ میں پھر سلام کرکے واپس ہوا۔ میرے ساتھ آئے ہیں کھڑا ہوگیا۔ وہاں کبوتر اڑ رہے تھے، ان کی طرف مخاطب ہوکر درختوں کے گملوں میں سے کچھ مٹی اٹھائی اور کبوتروں کی طرف ڈال کے اور خدا جانے کیا فرماتے رہے۔ میں تو ان کی دید میں محو تھا ؎

گرم رکھتے ہیں ملاقات بد و نیک سے ہم
تیرے ملنے کے لئے ملتے ہیں ہر ایک سے ہم

اللہ اللہ اس کی یکرنگی کے کیا کیا تماشے ہیں، انسان جو اپنی طرف ہر ایک چیز کو منسوب کرکے ما و شما کے پھیر میں پڑا ہوا ہے۔ واللہ غلط ثم باللہ غلط ہے۔ سچ تو یہ ہے ؎

نکس کہ خاکِ ما را گل کرد و خانہ ساخت   خود درمیاں درآمد و ما را بہانہ ساخت

اس اثنا میں ایک معتقد سگریٹ روشن کر کے شاہ صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ نے فوراً میری طرف دکھا کر اس سے کہا کہ "یہ تو ان کو دو یہ پئیں گے، ان کے واسطے"۔ اور وہ سگریٹ مجھکو عنایت فرمایا۔ میں نے اس کو بھی لے لیا۔ جب میں جانے لگا تو جیسے فوجی سلام کرتے ہیں۔ اس طرح سلام کر کے یہ الفاظ کہے:۔ ALL RIGHT AND GOOD MORNING۔ یعنی سب کچھ بہتر ہے۔ صبحک اللّٰہ'۔ اس سے بہتر اور تفاؤل نیک اور جامع کیا ہو سکتا تھا، میں پھر سلام کر کے رخصت ہوا، پھر میرے ساتھ ساتھ وہاں تک آئے، جہاں میں موٹر سے اترا تھا، وہاں سے وہ دوسری طرف چلے گئے، اور میں خدا حافظ کہکر اپنے فرودگاہ کی طرف روانہ ہوا۔

آخر میں مہاراجہ شاد نے اپنا سفرنامۂ ناگپور اس بیان پر ختم کر دیا:۔

"اِدھر زلفِ یار نے کمر تک رسائی کی اور اُدھر نصف شب نے سیاہ چادر کمر تک تان لی۔ جعلنا اللیل معاشاً کے حکم کے مطابق بسر پرواز ہوا۔ دوسرے روز منماڑ پہنچا۔ وہاں بذریعۂ تار اطلاع ہوئی کہ برخوردار کا مزاج روبہ اصلاح ہے۔ ڈاکٹر سنٹ نے کہہ دیا کہ اب کوئی خطرہ نہیں رہا ٹمپریچر ایک سو ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ الحمد للّٰہ المنہ اس نوید مسرت آمیز کے سننے سے دلِ شاد باغ باغ ہوا۔ وہاں سے سیلون بدل دیا گیا ہیڈ کیج لین کا ایک سیلون لے کر اورنگ آباد کے راستے سے چہار شنبہ کے روز چار بجے کی ٹرین میں الوال میں داخل ہوا اور وہاں سے بذریعہ موٹر مکان میں آیا اور سب کو خیر و عافیت کے ساتھ پایا۔ سجدۂ شکر بجالایا اور شادی کے آغاز کے لئے حکم دے دیا۔ خدائے تعالیٰ ہمیشہ ہر بات کا انجام بخیر کرے"۔

سفرنامہ کی تاریخ کے متعلق پتہ چلا کہ غرۂ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۱ھ کو ۸ رمئی

سنہ ۱۹۱۳ء اور روز پنجشنبہ تھا۔ مہاراجہ کے بیان کے مطابق ۸ر تاریخ کو منگل ہوئی ۸ر تاریخ (روز پنجشنبہ) کو بچے کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی، اسی روز مہاراجہ حالتِ اضطرار میں ناگپور کی طرف نکل گئے۔ واپسی چہار شنبہ کو عمل میں آئی۔ اس طرح ثابت یہ ہوا کہ ۸ر جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۵ر مئی سنہ ۱۹۱۳ء روز پنجشنبہ کو آغاز سفر کیا اور ساتویں روز ۱۴ر جمادی الاخریٰ مطابق ۲۱ر مئی کو حیدرآباد واپس آئے۔ اس لحاظ سے یہ سفر سات دن کا ہوتا ہے۔

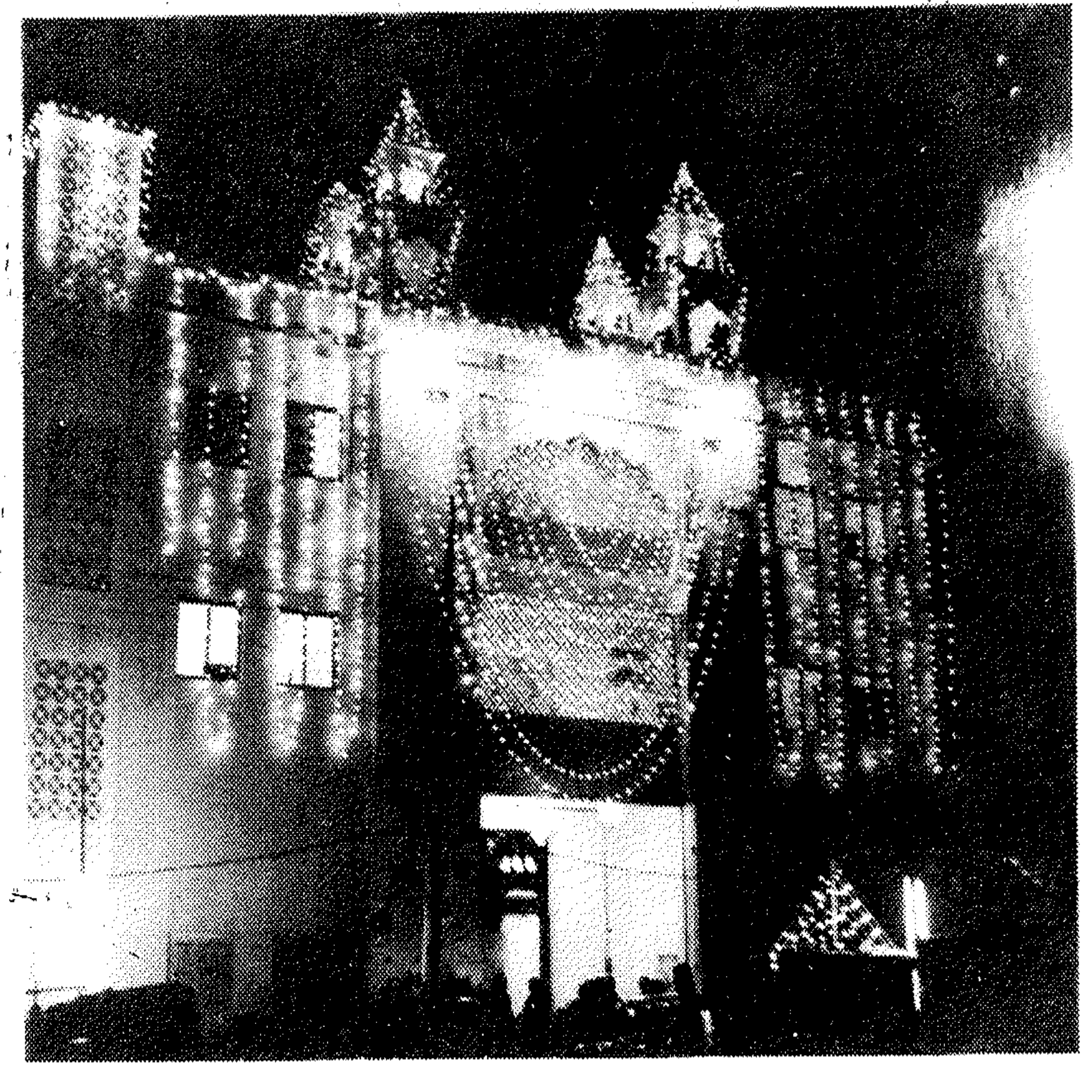

خانقاہ
عالیہ
تاجیہ
کراچی
کا
صدر
دروازہ

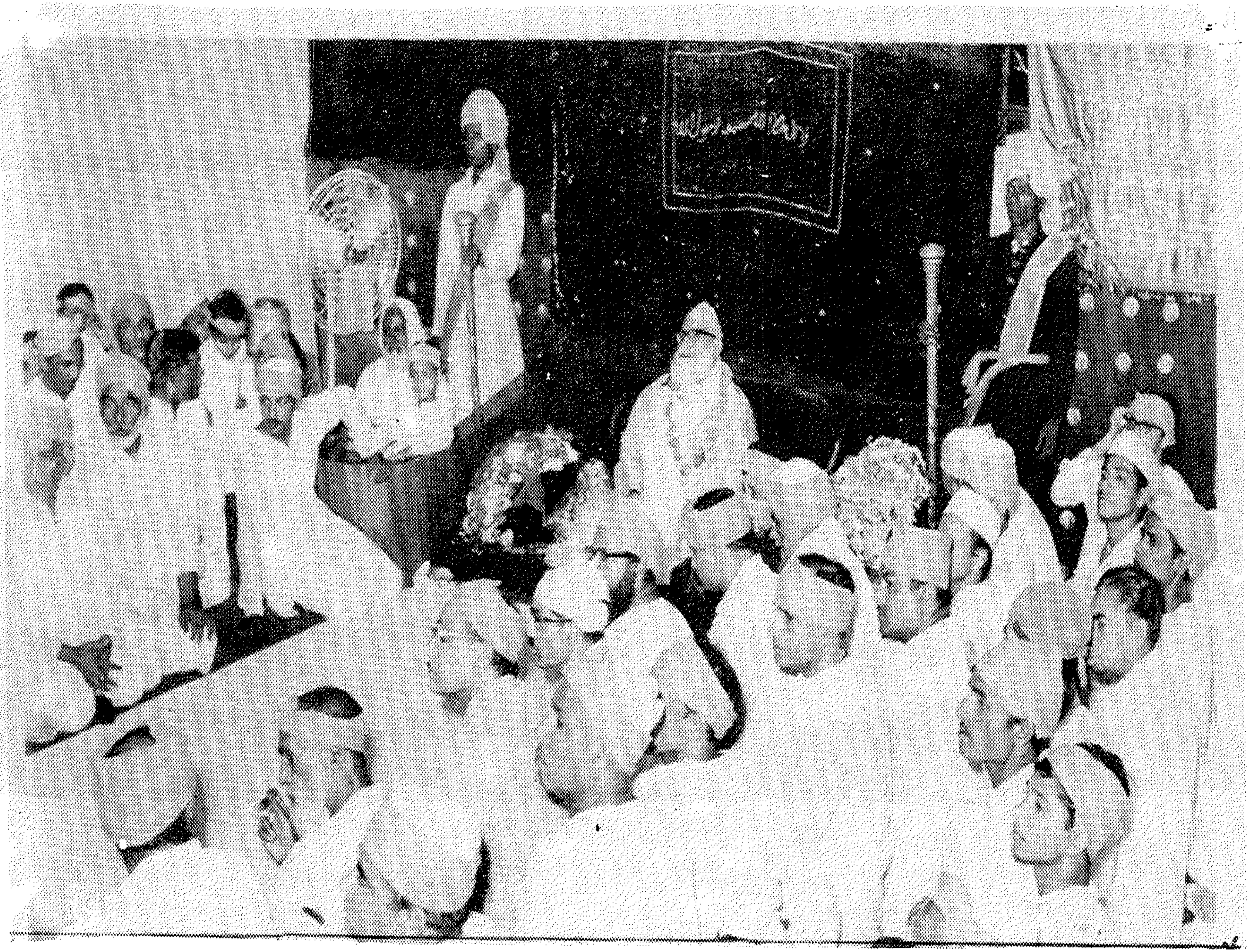

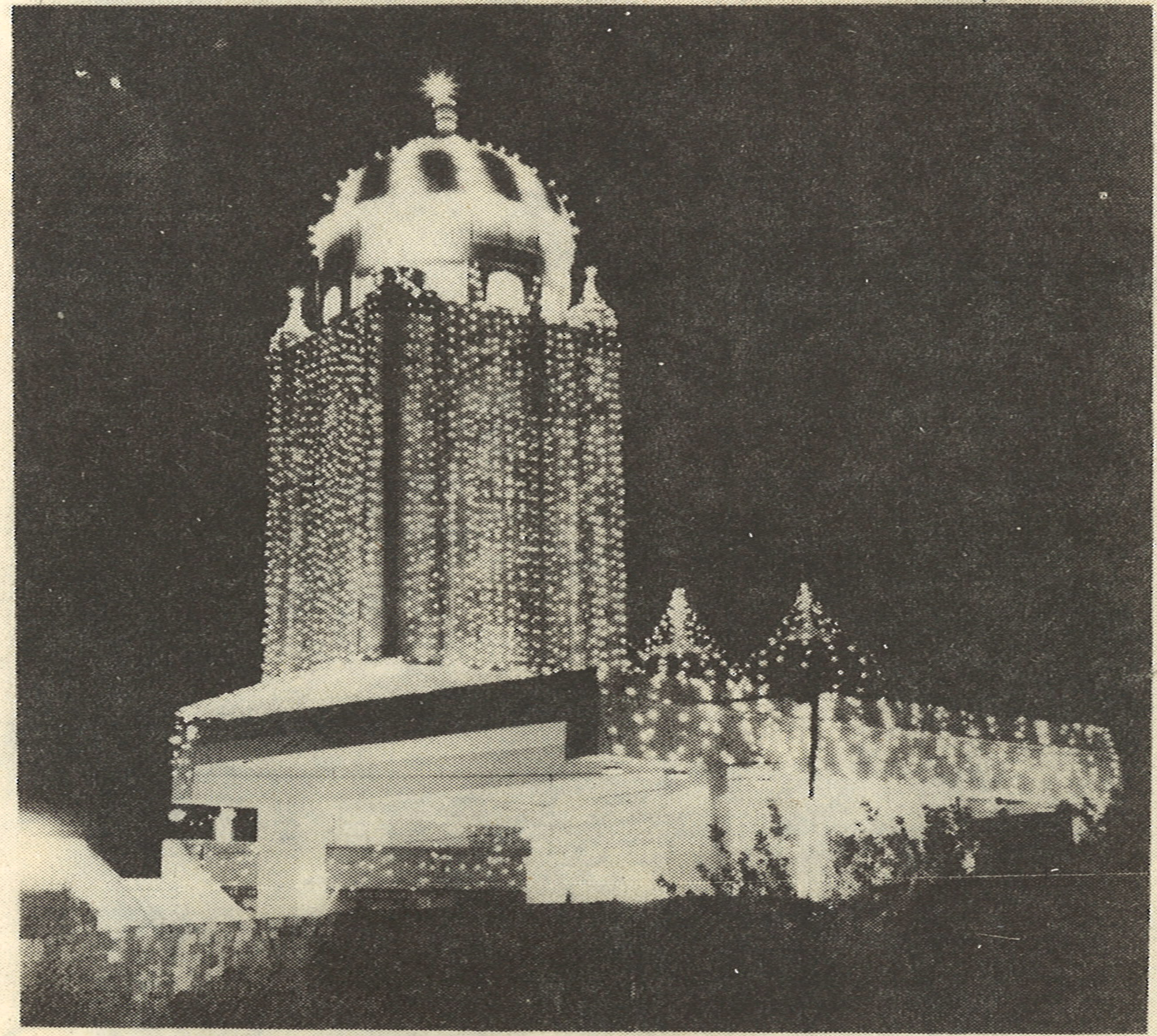

خانقاہ عالیہ تاجیہ کراچی میں حضرت بابا یوسف شاہ تاجیؒ کا مزار اقدس